(شخصیت و فن، مع انتخاب کلام)

وسیم فرحت کارنجوی (علیگ)

یگانہ چنگیزی

(شخصیت وفن، مع انتخاب کلام)

مصنف

وسیم فرحت کارنجوی (علیگ)

بُک کارنر

جہلم، پاکستان

Yagana Changezi
by: Waseem Farhat Karanjvi Alig
Jhelum: Book Corner. 2015
400p.
1. Biography - Urdu Literature - Poetry
ISBN: 978-969-662-012-9

اشاعت : جون 2015ء
نام کتاب : یگانہ چنگیزی (شخصیت وفن، مع انتخاب کلام)
مصنف : وسیم فرحت کارنجوی (علیگ)
تزئین واہتمام : شاہد حمید/ ولی اللہ
سرورق : ابوامامہ
یگانہ سکیچ : شکیل اعجاز
مطبع : زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور

ناشر:
گگن شاہد، امر شاہد
بک کارنر
پرنٹرز، پبلشرز اینڈ بک سیلرز،
جہلم، پاکستان

Publisher:
Gagan Shahid & Amar Shahid
Book Corner
Printers, Publishers & Booksellers
Jhelum. Pakistan.
Phone # 0544-614977 / 0544-621953
Cell # 0323-5777931 / 0321-5440882
Email: bookcornershowroom@gmail.com

www.bookcorner.com.pk

www.facebook.com/bookcornershowroom

سراپا راز ہوں میں کیا بتاؤں کون ہوں کیا ہوں
سمجھتا ہوں مگر دنیا کو سمجھانا نہیں آتا

یاسؔ عظیم آبادی ۱۹۱۴ء

مرزا یاس یگانہ چنگیزی ۱۹۳۳ء

میرزا یگانہ چنگیزی لکھنوی ۱۹۵۱ء

میرزا یگانہ چنگیزی ۱۹۵۵ء

انتساب

جانِ پسر

خلیل فرحت کارنجوی مرحوم

جانِ پدر

تضمین فرحت

کے نام

عرضِ ناشر

یگانہ چنگیزی، اپنے دور کے سب سے اہم اور معتوب شاعر...... جن کی بے پناہ ذہانت نے دوست کم اور دشمن زیادہ پیدا کیے لیکن اس شخصی خوبی یا خامی سے قطعِ نظر، آج وقت کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم ان کے بے پایاں کلام کی روشنی میں ان کے قد کا تعین کریں۔ ان سے محبت کریں، ان کے متعینہ راہوں کو گلزار کریں، ان سے غزل کے نئے مفاہیم اخذ کریں۔ یہ کتاب ہمارے اسی جذبے کی تکمیل ہے۔

اردو ادب کی تاریخ میں یگانہ چنگیزی نے جو کردار ادا کیا ہے، وہ زمانے پہ ظاہر ہے، ہمارا کردار تو بس یہی ہے کہ ان کے متعلق عوام و خواص میں جو غلط فہمیاں راہ پا گئی ہیں، ان کا ازالہ ہو جائے۔ پاک و ہند میں یگانہ کے چاہنے والوں کی ایک بڑی تعداد مدت سے اسی انتظار میں تھی کہ یگانہ کو انصاف ملے، ہمارا مقصد یگانہ کے بہترین ادب کی ترویج کے ساتھ ساتھ اس خلاء کی تلافی بھی ہے۔

جناب وسیم فرحت کارنجوی (ہندوستان) نے اپنی زندگی یگانہ چنگیزی کے لیے وقف کردی ہے۔ ان کی کتابوں کی گونج عالم گیر سطح پر سنائی پڑتی ہے اور ہم وطنوں کا اشتیاق، ان کی ہر کتاب کے بعد بڑھنے لگتا ہے، لہٰذا ہم نے یہ ضروری سمجھا کہ یگانہ چنگیزی پر لکھی گئیں وسیم فرحت صاحب کی کتابیں اپنے ادارے سے شائع کی جائیں کہ یارانِ پاک کی سیرابی ہو سکے۔ اس سلسلے کی پہلی کڑی کے طور پر'یگانہ چنگیزی (شخصیت و فن، مع انتخاب کلام)' پیش کی جاتی ہے۔ مستقبل میں مزید نادر و نایاب کتب سے قارئینِ خوش خصال کی سرشاری کی جائے گی۔

امر شاہد

فہرست

احوالِ واقعی

یگانہ چنگیزی میرے معنوی استاد ہیں۔

اس اعتبار سے کتابِ ہٰذا ''یگانہ چنگیزی (شخصیت وفن، مع انتخاب کلام)'' نیز یگانہ پر پیش آئند میری تین کتابیں، یگانہ کے تئیں خراج نہ ہو کر، ادائیگیِ حقِ شاگردی ہے۔ تاریخ اردو ادب میں پہلی مرتبہ ''یگانہ چنگیزی (شخصیت وفن، مع انتخاب کلام)'' پیش کرتے ہوئے مجھے ازحد خوشی ہو رہی ہے۔ یگانہ چنگیزی سے اس درجہ محبت و رغبت کی وجہ والدِ گرامی مرحوم خلیل فرحت کارنجوی رہیں۔ فرحت مرحوم یگانہ کے بڑے شائق تھے۔ یگانہ کی حق پرستی بصورتِ خود پرستی کو خوب سمجھتے تھے اور سمجھاتے بھی تھے۔ علاقہء برار فرحت مرحوم کی حق گوئی وبے باکی کا معترف رہا ہے۔ غیر مصلحت اندیش راست گوئی ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔

علاقہء برار کے اولین ''جدید شاعر'' کی حیثیت سے دنیائے ادب فرحت مرحوم کو جانتی ہے۔ برار کی فضائے ادب کو قصہء گلِ بکاؤلی، معشوق کے گال اور بال، گوشت اور کھال سے باہر نکالنے کا سہرہ فرحت صاحب کے سر جاتا ہے۔ یہی وہ مشترک خوبیاں ہیں جن کے تحت یگانہ چنگیزی والدِ مرحوم کو خوب پسند آتے تھے۔

جب میں نے ہوش سنبھالا تو دیکھا کہ یگانہ کی سی تہہ داری ان کے ہم عصروں میں

کسی کے یہاں بہ تلاش بسیار بھی نہیں ملتی (بہ استثنائے چند)۔لہٰذا یگانہ کا گرویدہ ہو گیا۔ یکے بعد دیگرے یگانہ کے تمام شعری مجموعے، نثری کتابیں بار بار پڑھتا رہا۔اور من ہی من میں انھیں اپنا معنوی استاد تسلیم کرلیا۔رفتہ رفتہ یگانہ کی جانب جھکاؤ بڑھتا گیا بڑھتا ہی گیا۔ ۲۰۱۱ء کے اواخر میں سہ ماہی ''اردو'' امراوتی کی ادرات میں نے سنبھالی۔اس وقت خیال کیا کہ سالنامے کے طور پر کیوں نہ ''یگانہ چنگیزی نمبر'' شائع کیا جائے!۔مضامین اکھٹا کرنے میں بڑا وقت صرف ہو گیا۔۵۲۰ صفحاتی ضخیم خاص نمبر کے مالی تعاون کی خاطر برادرِ معظم ڈاکٹر خواجہ اکرام صاحب (ڈائریکٹر،قومی کونسل دہلی) کے نزدیک درخواست بھجوائی کہ اس کارِ نیک میں قومی کونسل کی جانب سے امداد فرمائیں۔نیز تعاون پیشگی بہم پہنچائیں کہ اتنا بڑا خرچ میں تنہا برداشت نہ کرسکوں گا۔لیکن گمان غالب ہے کہ خواجہ اکرام صاحب نے یگانہ کا یہ شعر سن رکھا ہو،

جواب دے کے نہ توڑو کسی غریب کا دل
بلا سے کوئی سراپا امیدوار رہے

لہٰذا اثبات کی صورت نہ نکل سکی،اور میرا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔اس امر سے دل برداشتگی کے بغیر میں نے تہیہ کیا کہ رسالے کے توسط سے نہ سہی اپنی کتابوں کے ذریعے یگانہ کو دوبارہ زندہ کیا جائے۔بس پھر کیا تھا،یگانہ کی ایسی دُھن سوار ہوئی کہ اپنی تمام تر ادبی مصروفیات، زیرِ ترتیب کتاب 'سرقہ توارد' ودیگر مجموعہ ہائے مضامین کو چھوڑ میں یگانہ سے جڑ گیا۔بقول مصحفی،

تیرے ہوتے جو مجھے یاد بھی آیا کوئی کام
میں نے موقوف اسے وقتِ دگر پہ رکھا

یگانہ کا جنون سر پہ لیے دورۂ ہندوستان پر نکل پڑا۔ایک طویل فہرستِ کتب و

مضامین ساتھ لیے مکتبِ عثمانیہ حیدرآباد پہنچا جہاں سے بجز دو ایک مضمون کوئی اور مطلوبہ شئے ہاتھ نہ لگ سکی۔ ساتھ ہی ڈپارٹمنٹ آف آرکائز حیدرآباد سے بھی مایوسی ہوئی۔ یہاں سے رام پور رضا لائبریری رامپور کی طرف کوچ کیا۔ رضا لائبریری کے ڈائریکٹر قبلہ پروفیسر عزیز الدین حسین صاحب کی چشمِ کرم سے قیام وطعام ودیگر غیر عمومی سہولتیں فراہم ہوگئیں۔ رضا لائبریری سے بہت کچھ مواد حاصل ہوگیا۔ عزیز الدین صاحب ایک فرض شناس ڈائریکٹر ہونے کے علاوہ بہت اچھے محقق بھی ہیں۔ فن تاریخ میں موصوف یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ رضا لائبریری کے عملہ میں برادرم ظفر احمد صاحب، برادرم اصباح علیگ، عزیزی شہامت ،کامران میاں ودیگر احباب نے پرتپاک انداز میں امداد بہم پہنچائی۔ خدا انہیں معقول اجر دے۔ یہاں سے خدا بخش لائبریری پٹنہ کی سیر کرآیا۔ کچھ چیزیں یہاں سے بھی موصول ہوگئیں۔ خدا بخش لائبریری کے ڈائریکٹر عالی جناب ڈاکٹر امتیاز احمد صاحب نے خندہ پیشانی سے تعاون کیا۔ یہیں سے آگے بڑھتے ہوئے مولانا آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ٹونک راجستھان، مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ، مدن موہن مالویہ لائبریری علی گڑھ، دارا شکوہ لائبریری دہلی وغیرہ کی خاک چھانی۔ سبھی مقامات سے کچھ نہ کچھ حاصل کرتے ہوئے مسلسل روبہ سفر رہا۔ کچھ لائبریریوں میں میرے عزیزوں وخیر خواہوں نے زحمت اٹھائی اور مجھے مرہونِ منت کیا۔ جن میں شبلی لائبریری ندوہ لکھنو، اترپردیش اردو اکادمی لائبریری لکھنو، دہلی اردو اکادمی لائبریری دہلی، ابن سینا اکیڈمی علی گڑھ وغیرہ شامل ہیں۔

ان اسفار کے علاوہ دکن کے وہ مقامات جہاں میرزا یگانہ برسرِ ملازمت رہیں، وہاں حاضری بھی خاکسار نے ضروری خیال کی۔ جن میں سیلو، پربھنی، لاتور، عثمان آباد، ہنگولی، کنوٹ، حیدرآباد وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن ان مقامات سے بجز دل شکنی اور کچھ حاصل نہ ہوسکا۔ ہاں البتہ سیلو میں ایک بزرگ نے بتایا کہ لکھنو کے ایک دوسرے مولوی صاحب

کے ساتھ یگانہ بڑی مسجد کے پاس کرایے کے مکان میں رہتے تھے۔ لیکن اب صورتِ حال یہ ہے کہ 'آں قدح بشکست وآں ساقی نماند'۔

پاکستان قومی عجائب گھر کراچی سے بھی خوب خوب تعاون حاصل ہوا۔ ساتھ ہی جی سی یونیورسٹی لاہور کے کتب خانے سے نقوش کے کئی شمارے حاصل ہوئے۔ اس کے علاوہ برادرم راشد اشرف صاحب کے ذاتی کتب خانے سے بھی خاکسار مستفید ہوا۔ راشد اشرف صاحب کی کتاب دوستی قابلِ تتبع ہے۔ ابن صفی پر موصوف نے خوب کام کیا ہے۔ برادرم معراج جامی وراشد اشرف صاحبان نے علم کے وہ چراغ روشن کر رکھے ہیں کہ جن کی تابانی سے سارا جہان روشن ہوا جاتا ہے۔ جدید ذریعہ ابلاغ کے سہارے یہ دونوں حضرات علم کو طول وعرض کے گوشے گوشے تک پہنچانے میں ماہر ہیں۔

علی گڑھ میگزین کے سالنامے ۱۹۶۰ء میں جناب صغیر احمد زیدی صاحب نے یگانہ کی مختصر خودنوشت شائع کی تھی۔ میں نے موصوف سے رابطہ کرنا چاہا لیکن بریلی میں میرا کوئی نام لیوا نہ ہونے کی وجہ سے تعلق جڑ نہ سکا۔ (خدا زیدی صاحب کو طویل عمر دے، لیکن حضرت کے باحیات ہونے کی مجھے قطعی کوئی امید نہ تھی) لہٰذا میرے مربی جناب منور رانا سے ان کے برادرِ خورد جناب رافع کا ٹیلیفون نمبر حاصل کیا۔ رافع صاحب نے مخلصانہ انداز میں مدد کی اور صغیر صاحب کا پتہ وٹیلیفون نمبر بہم پہنچایا۔ توقع تھی کہ صغیر احمد زیدی صاحب کے نزدیک یگانہ کی کچھ اور چیزیں مل جائیں گی لیکن ہائے افسوس کہ ایسا کچھ نہ ہوا۔ صغیر صاحب نے بتایا کہ یگانہ کی ڈائری اور متعلقہ دیگر چیزیں محمد تقی صاحب کینیڈا لے گئے تھے جہاں کچھ برس قبل ان سے گم ہوگئیں۔ قصہ تمام ہوا۔

یگانہ تحقیق کے دوران کئی ایک ایسے مراحل آئے کہ جہاں زبردست حوصلہ شکنی واقع ہوئی، لیکن میری وارفتگی میں کسی قسم کا خلل میں نے نہ پڑنے دیا۔ یگانہ کو گزرے ہوئے

انسٹھ برس بیت گئے ہیں۔اور میں نے ایک ایسے دور میں یہ کام شروع کیا جب اسے ماسوا دیوانہ پن وسعیِ لاحاصل، کسی اور نام سے معنون نہیں کیا جا سکتا۔ بہر حال۔

پاکستان میں یگانہ کی اولادیں (یا یوں کہوں کہ نواسے اور پوتے) آباد ہیں۔ پختہ ارادہ کر لیا کہ پاکستان جا کر تحقیق کو مزید تقویت پہنچاؤں۔ ویزا کے لیے درخواست بھجوا دی گئی۔ میں ذہنی و معاشی طور پر دورۂ پاکستان کی پیش پا کوششوں میں مصروف ہو گیا۔ اسی درمیان ہمارے یارِ غار ڈاکٹر کلیم ضیاء صاحب نے مشورہ دیا کہ پاکستان اسمبلی کے انتخابات کے دوران وہاں کے حالات کچھ کشیدہ ہوتے ہیں لہٰذا کچھ وقت کے لیے دورہ ملتوی کر دیں۔ ہائے رے افسوس!!

من در چہ خیالم و فلک در چہ خیال

یگانہ تحقیق کے دوران چنداں واقعے بڑے دلچسپ رہے۔ لیکن سرِ دست انہیں مابقیہ کتابوں کے دیباچے کے لیے اٹھا رکھتا ہوں۔ اور یہاں سے اظہارِ تشکر کا سلسلہ شروع کرتا ہوں۔ بلا تقدیم و تاخیر۔ پروفیسر عزیز الدین حسین صاحب (ڈائریکٹر رضا لائبریری رامپور) و ان کے معاونین ہمہ جناب ظفر احمد خان، برادرم اصباح، شہامت و کامران میاں نے دورۂ رامپور میں حتی الواسع امداد پہنچائی۔ میرے عزیز، میاں احسن ایوبی ندوی نے شبلی لائبریری کے توسط سے خوب خوب مدد کی۔ ان کے لیے یک لفظی تشکر ناکافی ہوگا، لیکن 'حسابِ دوستان در دل'۔ کمال درجے کے عالمِ دین ہیں اور ادب کا ستھرا ذوق رکھتے ہیں۔ خدا ان کا مستقبل سنوارے۔ اتر پردیش اردو اکادمی لائبریری میں محترمہ شان اسلام صاحبہ (جن سے علیگی نسبت بھی ہے) نے بخوشی تعاون کیا۔ ماہنامہ 'نیا دور' لکھنؤ کے مدیر برادرم ڈاکٹر وضاحت حسین رضوی نے مواد کی فراہمی میں تعاون کیا۔ میں دونوں ہی صاحبان کا سراپا مشکور ہوں۔ لکھنو سے ڈاکٹر نیر مسعود، اظہر مسعود، ڈاکٹر انیس اشفاق

صاحبان سے بھی گاہے بگاہے مشورہ لیا گیا۔ خدا انھیں معقول اجر دے۔ دہلی سے ماہنامہ ''ایوانِ اردو'' کے مدیر برادرم راغب الدین صاحب نے خوب مدد کی۔ ان کی با کمال ادارت پر تو کیا کلام ہو لیکن ان کی بلند اخلاقی کا میں گرویدہ ہوں۔ ماہنامہ ''آجکل'' کے مدیر برادرم ڈاکٹر ابرار رحمانی صاحب و معاون مدیر محترمہ نرگس سلطانہ صاحبہ نے 'آجکل' کی فائلوں سے بڑے کام کی چیزیں مہیا کیں۔ نرگس صاحبہ کا بالخصوص جس قدر شکریہ ادا کیا جائے سو وہ کم۔ ساتھ ہی عالی جناب خالد محمود (چیئرمین دہلی اردو اکادمی دہلی) نے بھی دست تعاون دراز رکھا۔ بمبئی سے ہمارے بہترین دوست ڈاکٹر کلیم ضیاؔ صاحب و جناب یعقوب راہیؔ نے باقرؔ مہدی کے رشحاتِ قلم کے عکس بھجوائے۔ میں دونوں ہی حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ علی گڑھ سے میرے مخلص پدم شری حکیم ظل الرحمٰن صاحب نے محبت آمیز مدد کی۔

پاکستان کراچی کے عزیز دوست جناب راشد اشرف کا بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں۔ موصوف نے بڑی جانکاہی سے مطلوبہ مواد اسکین کر کے مجھے ارسال فرمایا۔ ٹھیک اسی طرح جی سی یونیورسٹی لاہور کے لائبریرین جناب محمد طفیل، جناب ناظم حسین و جناب محمد حسن کا بھی میں بہت ممنون ہوں جنھوں نے خطوطِ یگانہؔ کی فراہمی میں قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ 'مکتوباتِ یگانہ' (ہندوستانی ایڈیشن) کے متعلق جناب شمس الرحمٰن فاروقی نے ایک طویل مکتوب بنام خاکسار میں چند اہم نکات پر روشنی ڈالی ہے۔ چنداں وضاحت طلب باتیں جو میرے حواشی کی متقاضی تھیں اور ہندوستانی ایڈیشن میں رہ گئی تھیں، فاروقی صاحب کی نشاندہی سے اس اشاعت میں یہ کمی پوری کر دی گئی ہے۔ جناب شمس الرحمٰن فاروقی نے عمیق نظری سے میری کتاب کا مطالعہ کیا ور اپنے مفید مشورے عنایت کیے، میں اس فرحتؔ نوازی کے لیے محترم فاروقی صاحب کا ممنون ہوں۔ برادرِ بزرگ جناب شمیم فرحتؔ بھی

ہمہ وقت حوصلہ افزائی فرماتے ہیں جو میرے جہل پر 'پردۂ لا یبصرون' کا کام کرتی ہے۔ شریکِ حیات عالیہ فرحت کی بلواسطہ شرکت کے بغیر یہ کتاب ممکن نہ تھی۔ جو میرے اس 'خبط' کو 'دانش مندی' پر محمول فرما کر اپنی 'فراست' کا ثبوت بہم پہنچاتی ہیں۔ ساتھ ہی چہیتی بیٹی تضمین فرحت کا بھی ذکر اس واسطہ سے اہم خیال کرتا ہوں کہ یگانہ تحقیق کی کئی راتوں کی تھکن اس کی ایک مسکراہٹ دور کیے دیتی ہے اور میں یک لخت تازہ دم ہو جاتا ہوں۔

جہاں تک معاملہ پروف ریڈنگ میں تعاون کا بنتا ہے، تو مجھے عرض کرنے دیجیے کہ شہر امراوتی میں قحط الرجال ہے، بلکہ امراوتی پر ہی کیا موقوف، بعینہ برار میں قحط الرجال ہے۔ معدودے چند قلم کار ہیں، وہ بہ زعم خویش اپنے میں مست رہتے ہیں۔ بقول خلیل فرحت کارنجوی مرحوم،

کس کو فرصت تھی جو سنتا قصہء طولِ فراق
ہو گئے خود ہی مخاطب، خود ہی فرماتے گئے

تاہم جناب شمیم فرحت و عزیزی احسن میاں (لکھنو) ہمہ وقت میری امداد کی خاطر اس 'گناہِ بے لذت' کے لیے تیار رہتے ہیں، خدا انھیں معقول اجر دے۔

قبلہ شاہد حمید کی عمدہ اور با اخلاق تحریر بہ عنوان 'امر شاہد' ابھی ابھی نظر نواز ہوئی۔ جناب امر شاہد، ادب نواز شاہد حمید صاحب کے فرزندِ ارجمند اور "بک کارنر" (جہلم، پاکستان) کے مالک ہیں، جنھیں مولائے کریم نے دیدۂ بینا اور سینہء بے کینہ سے نوازا ہے، جو یگانہ چنگیزی کو بہ نظرِ انصاف دیکھنا اور دکھانا چاہتے ہیں، اسی جذبہء خلوص کی کارفرمائی سے "حیاتِ یگانہ چنگیزی" آپ تک پہنچنے میں کامیاب ہو پائی ہے۔ میں قابلِ صد احترام شاہد حمید و جناب امر شاہد کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ساتھ ہی برادرِ معظم جناب معراج جامی کا بھی سپاس گزار ہوں جن کے طفیل ناشرِ متذکرہ تک رسائی ممکن ہوئی۔

''حیاتِ یگانہ چنگیزی'' میں مجھے پیش رو محققین یگانہ سے بیش تر مقامات پر اختلاف رہا ہے اور بعض جگہ لہجہ سخت بھی ہو چلا ہے لیکن کیا کروں بقول استاد یگانہ،

نہ خداؤں کا نہ خدا کا ڈر، اسے عیب جانیے یا ہنر
وہی بات آئی زبان پر، جو نظر پہ چڑھ کے کھری رہی

ابوالمعانی یگانہ چنگیزی کی حیات بہ مع تجزیہ فن بہت اعتماد کے ساتھ آپ کے ہاتھوں میں سونپ رہا ہوں۔ یقیناً محض یہ ایک مجموعہ، حیاتِ یگانہ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ تاہم جیسے بن پایا، حاضرِ خدمت ہے۔

متاعِ جمع کن شاید کہ غارت گر شود پیدا

آپ کا اپنا
وسیم فرحت کارنجوی
''ادبستان'' نزد واحد خان کالج،
امراؤتی (مہاراشٹر)
۴۴۴۶۰۱۔انڈیا
موبائل: 00919370222321

مقدمہ

شخصیاتی نوعیت کی تحقیقی کتابوں کے مقدمہ میں بالعموم صاحبِ کتاب کے فن و شخصیت پر گفتگو کی جاتی ہے۔ لیکن میرا مطمحِ نظر اس سے ذرا کچھ مختلف ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ یگانہ چنگیزی کی زندگی ان کے خطوط کے ذریعے قارئین تک پہنچے۔ بہ ایں ہمہ یگانہ کی زندگی کے زیادہ تر پہلو ان کے مکاتیب سے اجاگر ہیں اور مابقیہ میرے مقدمہ وحواشی سے۔ عموماً مکتوبات کے حواشی وضاحتی نوعیت کے نہیں لکھے جاتے۔ بعض مرتبہ محض اشارے سے ہی کام لیا جاتا ہے۔ لیکن میرا مقصد، حیاتِ یگانہ پر روشنی ڈالنا رہا۔ بہ ایں وجہ بیش تر حواشی تفصیلی اور صریحی لکھے گئے ہیں۔

حیاتِ یگانہ کے ضمن میں یہاں صرف ان ہی شعبۂ حیات کا بیان کیا جا رہا ہے جو خطوط کے توسط سے قارئین تک نہ پہنچ پائے۔ جن میں اوائلِ عمری، مجادلۂ لکھنو اور اخیر عمر کی سرگزشت وغیرہ شامل ہیں۔ یگانہ کی زندگی کا درمیانی حصہ خطوط میں ملاحظہ فرمائیں۔

میرزا یگانہ چنگیزی، ایک ایسا نام جسے فضائے ادب رہتی دنیا تک فراموش نہیں کر سکتی۔ یگانہ کا اصل نام میرزا واجد حسین اور تاریخی نام میرزا افضل علی بیگ تھا۔ (آیاتِ وجدانی طبع اول، مطبوعہ کریمی لاہور ۱۹۲۷ء) یگانہ کے بزرگ ایران سے ہندوستان تشریف لائے تھے۔ سلطنتِ مغلیہ میں سپہ سالاری کے صلہ میں مختلف جاگیریں حاصل کرنے کے بعد عظیم آباد (پٹنہ) کو شہرِ سکونت بنایا۔ عظیم آباد کے ایک مشہور اور معزز محلّہ مغل پورہ میں زندگی آباد کی۔ یگانہ نے اپنی نامکمل اور مختصر خودنوشت میں لکھا ہے کہ ''میرزا واجد حسین، تخلص یاسؔ، ابن میرزا پیارے صاحب ابن میرزا آغا جان صاحب ابن میرزا احمد علی صاحب ابن میرزا روشن علی ابن میرزا حسن بیگ۔ موخر الذکر بزرگ اطراف ایران سے زمانہء شاہی میں ہندوستان تشریف لائے اور سرکارِ دہلی کی فوج میں ملازم ہوئے۔ انہیں خدمات کے صلے میں چند جاگیریں پرگنہ حویلی عظیم آباد میں بادشاہ کی طرف سے عطا ہوئیں۔ انہی جاگیروں میں ایک موضع رسول پور بھی تھا جو وراثتاً کمترین کو پہنچا تھا۔ نانہالی بزرگوں کا سلسلہ لکھنو سے تھا مگر ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد پھر کسی کو کسی کی خبر نہ رہی۔ (خودنوشت یگانہ، مطبوعہ علی گڑھ میگزین ۱۹۶۰ء صفحہ نمبر ۱۵۶) یگانہ نے اپنے بزرگوں کے متعلق اور اپنی پیدائش کے ضمن میں ان کی تقریباً ہر تصنیف میں اندارج کیا ہے۔

میرزا واجد حسین بالمعروف یاس یگانہ چنگیزی ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۰۱ھ بہ مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۸۸۴ء جمعہ کے مبارک دن عظیم آباد کے مغل پورہ میں پیدا ہوئے۔ تاریخِ پیدائش کے متعلق خود یگانہ کی کتابوں میں اتنی شہادتیں موجود ہیں کہ اشکال کی گنجائش نہیں بلکہ جائے پیدائش بھی خود یگانہ نے متعدد مرتبہ رقم فرمائی ہے۔ یگانہ دادیہال اور نانیہال، دونوں ہی جانب سے اعلیٰ نسب تھے۔ ان کے نانا علی حسن خان صاحب عرف بڑے بابو پٹنہ کے ممتاز رئیسوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ جن کا سلسلہ لکھنو سے جا ملتا ہے۔ یگانہ کو تر کے میں بجز

احساس برتری اور کچھ نہ ملا۔ مشت بھر جائیداد ملی جو تمام زندگی بسر کر لینے کے لیے ناکافی ٹھہری۔

مغل جاگیرداروں کے گھر پرورش پانے والے یگانہ کا زمانہء طفلی آرام بخش رہا۔ گو کہ جاگیردارانہ روش دھیرے دھیرے ختم ہو چلی تھی تاہم اتنا انتظام تو ضرور تھا کہ کسی فرد کو ملازمت یا فکرِ معاش سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ یگانہ کو اپنے عہد کی بہترین تعلیم دلوائی گئی۔ لیکن یہ سلسلہ بھی بہت دیر تک نہ چل سکا۔ یگانہ تحتانوی درجے میں تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ سایہء پدری سے محروم ہو گئے۔ ابتدائی تعلیم کے لیے یگانہ مولانا سعید حسرت عظیم آبادی کے مدرسہ واقع مغل پورہ میں شریک کیے گئے۔ (آیاتِ وجدانی، محولہ بالا، صفحہ نمبر ۷) اس مدرسے میں وزیر علی رنگ پوری اور مولوی محمد عظیم آبادی صاحب پشاوری سے یگانہ نے فارسی کی درسیات مکمل کیں۔ بعد از آں پٹنہ کی مشہور درس گاہ محمڈن انگلو عربک اسکول میں داخل کیا گیا۔ مولانا محمد سعید حسرت عظیم آبادی کے مدرسے کے شاعرانہ ماحول نے یگانہ کے مزاج کو شعر گوئی کی طرف مائل کیا۔ ''آیاتِ وجدانی'' (طبع اول) کے دیباچے میں میرزا مراد بیگ شیرازی رقم طراز ہیں ''محمڈن اینگلو عربک اسکول میں داخل ہوئے، اول سے آخر تک وظیفے اور تمغے اور انعامات پاتے رہے اور ۱۹۰۳ میں فارغ التحصیل ہو کر نکلے''۔ (آیاتِ وجدانی، محولہ بالا، صفحہ نمبر ۷) اسکول میں یگانہ کے استاد مولوی سید علی خان بے تاب، کہ جو شہر عظیم آباد کے مشہور اور پختہ شاعر تھے اور شاد عظیم آبادی کے تلامذہ میں شامل تھے، نے یگانہ کی تعلیم و تربیت میں خصوصی شفقت و توجہ کا اظہار کیا۔ یگانہ کی صحیح دماغی نشو نما، مذاقِ شعر کی اصلاح اور رموزِ فصاحت و بلاغت کی تعلیم بھی حضرتِ بے تاب نے فرمائی۔ بے تاب فطری اور وجدانی شاعر تھے، ساتھ ہی مقبول مختار تھے، فوجداری مقدمے لڑتے تھے۔ (بعض شعرائے عظیم آباد، از یگانہ چنگیزی، مطبوعہ مجلّہ 'نظارہ' میرٹھ، جنوری فروری،

۱۹۱۶ صفحہ نمبر ۵۵)

۱۹۰۳ میں یگانہ نے کلکتہ یونیورسٹی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ (واضح ہو کہ اس وقت بنگال کی تقسیم عمل میں نہیں آئی تھی اور صوبہء بہار بنگال ہی کا حصہ ہوا کرتا تھا، کلکتہ جس کا دارالخلافہ تھا) ۱۹۰۳ سے ۱۹۰۴ کے درمیان کچھ مہینوں کے لیے یگانہ نواب کاظم علی خان رئیس سنگی دالان عظیم آباد کے پوتے نواب ابوالحسن خان (جن کا جوانی میں انتقال ہوا) کے اتالیق مقرر ہوئے۔ (ہر چند کہ اس اتالیقی کا سلسلہ یگانہ کے دورانِ تعلیم، میٹرک کے اخیر سے ہی شروع ہو چلا تھا) ان لوگوں سے یگانہ کے نانیہالی عزیزوں کی رشتے داری بھی تھی جس کا علم یگانہ کو اپنی والدہ کے ذریعے ہو چکا تھا مگر یگانہ نے اپنی مٹی ہوئی خاندانی وجاہت کے پیشِ نظر اس تعلق کو ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کی۔ (آیاتِ وجدانی جدید، مطبوعہ اسٹیم پریس حیدرآباد ۱۹۴۵ صفحہ نمبر ۵)

۱۹۰۴ میں یگانہ نے کلکتہ اور مٹیا برج کا سفر اختیار کیا وہاں شہزادہ میرزا محمد مقیم بہادر (واجد علی شاہ کے نواسے) کے مرشدزادوں کے انگریزی اتالیق مقرر ہوئے۔ مگر مٹیا برج کی آب و ہوا راس نہ آئی۔ کچھ دنوں بیمار ہو کر عظیم آباد لوٹ آئے۔ لیکن ستم بالائے ستم کہ تبدیلی آب و ہوا کی بناء پر صحت عظیم آباد میں بھی بحال نہ ہوئی اور علالت کا یہ سلسلہ کم و بیش ایک سال تک جاری رہا۔ حالت اس درجہ بگڑ گئی کہ امیدِ زیست بھی باقی نہ رہی۔ لامحالہ ۱۹۰۵ میں لکھنو تشریف لے گئے۔ سفرِ کلکتہ اور لکھنو آوری کے متعلق یگانہ نے اپنی متعدد کتابوں میں اظہار کیا ہے۔ لکھنو میں یگانہ حکیموں کے معروف محلے جھوائی ٹولہ میں کرائے کے مکان میں مقیم تھے۔ نور الحسن نے یگانہ کا حلیہ بیان کیا ہے کہ "گندمی رنگ، اوسط قد، لمبی لمبی مونچھیں، چال البیلی، ڈھیلے ڈھالے کپڑے غرارہ دار پاجامہ، کالے بالوں والی ایرانی ٹوپی، عینک لگی ہوئی، لکڑی ہاتھ میں، جھومتے جھامتے پھرتے تھے بعض وقت بے ساختہ

قہقہہ لگاتے''۔(اردو کا معتوب شاعر یاسؔ عظیم آبادی، مطبوعہ آ بگینہ حمایت نگر حیدر آباد ۱۹۶۴ء صفحہ نمبر ۳۱)

سات آٹھ سال یگانہ لکھنو میں تنہا بہ تقدیر زندگی گزارتے رہے۔ان ہی دنوں یگانؔہ کے رشتے کی بات لکھنو میں طئے ہوئی اور ۱۹۱۳ء میں برصغیر کا عظیم فنکار رشتہء ازدواج میں بندھ گیا۔یگانؔہ نے اپنی شادی اور سسرالی عزیزوں کے متعلق اپنی خودنوشت میں تفصیل لکھی ہے۔حکیم محمد شفیع صاحب کی پہلی بیوی کنیز فاطمہ کی سب سے چھوٹی صاحب زادی کنیز حسین یگانؔہ سے منسوب ہوئیں جن کی پرورش حکیم صاحب کی تیسری بیوی انجو بیگم نے اپنی اولاد کے جیسی کی اور انھیں کے ہاتھوں شادی کے جملہ امور انجام پائے۔

کنیز حسین، یگانؔہ کی اہلیہ، اپنے نام سے کم اور ''یگانؔہ بیگم'' سے ادب میں زیادہ مشہور ہیں۔تینتالیس برس پر محیط اس ہم سفری میں یگانؔہ بیگم نے یگانؔہ کے ہر رنگ و روپ اور قدرت کے ہر ستم کو دیکھا، جھیلا اور اس پر صبر کیا۔تنگ حالات میں بھی یگانؔہ بیگم کی ذہنی کشادگی میں کوئی فرق نہ آیا۔اپنے خاوند کی آئے دن کی ہجرت اور مسائل روزگار میں بھی یگانؔہ بیگم نے خفگی کا اظہار نہیں کیا۔یگانؔہ تمام عمر یہاں وہاں روزگار کی تلاش میں بھٹکتے رہے۔عہدِ شباب میں بھی یگانؔہ کسی ایک جگہ قیام نہ کر پائے۔لکھنو سے اٹاوہ، علی گڑھ، لاہور، پھر بہت دور عثمان آباد، لاتور، یادگیر، سیلو، کنوٹ، وغیرہ مقامات پر مہاجرانہ زندگی بسر کرتے رہے۔لیکن یگانؔہ بیگم نے ایک سچے دوست کی طرح یگانؔہ کی غم گساری کی۔اس تمام شہر بدری میں بھی یگانؔہ بیگم خود کو دور نہ رکھ پائیں۔

یگانؔہ کے یہاں سات بچے پیدا ہوئے۔شادی کے دوسرے سال (یعنی ۱۹۱۴ء) پہلی اولادِ نرینہ پیدا ہوئی لیکن محض ایک ہفتہ زندہ رہی۔مابقیہ اولاد کی ولادت کی تفصیل یگانؔہ نے اپنی قلمی بیاض (مخزونہ قومی عجائب گھر کراچی پاکستان NM/1957-903)

میں درج کی ہے۔

۱)حسن بانو (عرف بلند اقبال)۱۴ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ ۱۳ اکتوبر ۱۹۱۶ء وقت آٹھ بجے دن یوم سہ شنبہ مقام جھوائی ٹولہ لکھنو

۲) آغا جان ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ ۱۲۹ اگست ۱۹۲۰ء یوم دوشنبہ ۹ بجے شب مقام باغ قاضی لکھنو(یگانہ کی بیاض میں عیسوی سن درج نہیں ہے، سہولت کی خاطر میں نے درج کر دیا ہے)

۳)ام صغریٰ یکم فروری ۱۹۲۴ء ۱۳۴۲ھ یوم جمعہ مقام شاہ گنج لکھنو، وفات اول محرم ۱۳۴۸ھ شاہ گنج لکھنو

۴)مریم جہاں ۱۳ محرم ۱۳۴۴ھ ۲۴ جولائی ۱۹۲۶ء یوم شنبہ دو بجے دن لاہور

۵)حیدر بیگ، شب یک شنبہ ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ ۱۷ مئی ۱۹۳۰ء عثمان آباد

۶)عامرہ بیگم، یوم سہ شنبہ پونے پانچ بجے صبح ۱۴ محرم ۱۳۵۰ھ ۲ جون ۱۹۳۱ء عثمان آباد

بلند اقبال کا بیان ہے کہ یگانہ اپنے بیٹوں کی نسبت بیٹیوں سے زیادہ پیار کرتے تھے اوران کے نام کے ساتھ ''صاحب'' کا لاحقہ لگا کر انہیں احترام سے بلاتے تھے۔ بلند اقبال اور حیدر بیگ کے نام خطوط سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ام صغریٰ بنت یگانہ کا انتقال نہایت کم سنی میں ہو گیا تھا۔ یگانہ کو امّ صغریٰ کے انتقال کا بڑا ملال تھا اور تا عمر رہا۔ جس کا اظہار انھوں نے اپنے خطوط میں کیا ہے۔ وہ ان دنوں عثمان آباد میں برسرِ ملازمت تھے۔

مندرجہ بالا تفصیلات کے بعد اس مردِ مجاہد، روشناسِ زیست، معارفِ خودی، خوش واقف کارِ رموز حیات، نقیبِ فلسفہء حق پرستی کی رودادِ زندگی کی طرف بڑھتے ہیں جنہیں ادبی دنیا ''یگانہ چنگیزی'' کے نام سے جانتی ہے۔ ابوالمعانی میرزا یگانہ چنگیزی، ایک بالکل چونکا دینے والی آواز، اپنی جدید شاعری میں سو سو تازہ کاریاں لیے خودشناسی وخود

قدری کے معنی آشنا، مکمل اردو ادب کو ایک نئی اور قطعی سمت بخشنے والے امام الغزل میرزا یاس یگانہ چنگیزی کی زندگی جہد و کاوش سے عبارت ہے۔ لیکن یہ شکست نا آشنا بندۂ خدا اپنی خوش تدبیری و قابلِ رشک ذہانت کی بناء پر تنہا بہ تقدیر ہزاروں سے لڑتا رہا۔ تاریخ شاہد ہے کہ لکھنو والے یگانہ کو ادبی محاذ پر کبھی شکست نہیں دے پائے۔ لہٰذا چند کم ظرفوں نے مذہبی محاذ کھڑا کر دیا اور اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑ دیے۔ لکھنو کے ابتدائی دورِ قیام کے متعلق یگانہ لکھتے ہیں "میں جب لکھنو آیا تو شعرا میں سب سے پہلے جناب مولوی بندہ کاظم صاحب جاوید سے رسم و راہ پیدا ہوئی اور اس کے بعد حضرتِ رشید و عارف و اوج و فصاحت و انجم و افضل وغیرہ سے نیاز حاصل ہوا۔ جب میں وارِدِ لکھنو ہوا تو یہ سب بزرگوار میدانِ مشاعرہ میں طوفانِ بدتمیزی دیکھ کر کنارہ کش ہو چکے تھے۔ اس زمانے میں ایک جماعتِ بے ہودہ موسوم بہ 'معیار پارٹی' نے لکھنو میں بہت سر اٹھایا تھا اور اس جماعت کے اراکین میاں صفی، میاں عزیز، ثاقب، محشر اور اسی طرح کے کچھ اور مجہول الحال لوگ تھے"۔ (خودنوشتِ یگانہ، بحولہ بالا، صفحہ نمبر ۱۵۷)

ابتداء میں یگانہ کے لکھنو والوں سے مراسم اچھے تھے۔ یگانہ بہ اعزاز مشاعروں میں بلائے جاتے تھے۔ عزیز، صفی، ثاقب وغیرہ سے بھی یگانہ کے مراسم قدرے ٹھیک تھے۔ (بیسویں صدی کے بعض لکھنوی ادیب، جعفر حسین، مطبوعہ یو پی اکیڈمی ۱۹۸۱ صفحہ نمبر ۱۱۱) بگاڑ کی صورت بجز اس کے کچھ اور نہیں ہو سکتی کہ مذکورہ تمام اہلِ لکھنو گھسی پٹی روش پر چلنے والے، پرستش کی حد تک مقلد ذہن لوگ تھے اور یگانہ بالکل مجتہد و اختراعی مزاج کے حامی۔ میر انیس اور خاصہ انیس یعنی مرثیہ کا کچھ ایسا دور دورہ تھا کہ لکھنو والوں کی غزلوں میں بھی یاسیت اور غم و اندوہ در آتا تھا۔ یگانہ ایسی کورچشمی کے سخت خلاف تھے۔ وہ زمانے کو اپنی آنکھ سے دیکھنا چاہتے تھے۔ اہلِ لکھنو خود بھی متبع تھے اور دوسروں سے بھی کچھ ایسی ہی

توقع رکھتے تھے۔ میرزا غالب کو" جذبہء پرستش" سے پسند کرتے تھے۔ ایسے عالمِ بدحواسی میں یگانہ کا اول شعری مجموعہ "نشترِ یاس" (۱۹۱۴ء) منظرِ عام پر آیا۔ اس کے آتے ہی لکھنو میں ایک آگ سی لگ گئی، حسد کی آگ۔ "نشترِ یاس" کی زیادہ تر غزلیں طرحی ہیں، اور عموماً طرحیں غزلیں آورد کی دین ہوا کرتی ہیں، لیکن باوجود اس کے، یگانہ کی طرحی غزلیں بہ اعتبارِ معیار، آمد کے منتہائے خصوص تک جا پہنچی ہیں۔ فرسودہ اور تقلیدی ڈگر سے بالکل جداگانہ یگانہ کا کلام اردو ادب کے لیے نیا موڑ ثابت ہوا۔ میں بہت وثوق کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ اردو ادب کا اولین جدید شاعر "یگانہ چنگیزی" ہے۔ اہلِ لکھنو یہ کیوں کر برداشت کرتے کہ ایک غیر لکھنوی شاعر، لکھنو والوں پر سبقت لے جائے۔ یہیں سے حسد اور عناد کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ "نشترِ یاس" کے ایک سال بعد مارچ ۱۹۱۵ء میں یگانہ کا عروض وقوافی کی مبادیات پر مبنی رسالہ "چراغِ سخن" شائع ہوا۔ 'نشترِ یاس' میں 'ماہیتِ شاعری' کے باب میں یگانہ نے لکھنو کی بچکانہ اور باوا آدم کا رنگ رکھنے والی شاعری کی خوب خبر لی۔ ٹھیک اسی طرح "چراغِ سخن" میں 'شعر و سخن' سے معنون دیباچے میں سخنورانِ لکھنو کے متعلق سخت زبان استعمال کی گئی، بلکہ اسی دیباچے کے آخری حصے میں 'اہلِ زبان و زبان دان' کے عنوان سے یگانہ نے بڑے مدلل ڈھنگ سے اپنے آپ کو نہ صرف اہلِ زبان بلکہ زبان دان بھی ثابت کیا۔

جیسے ہی یہ دو کتابیں منظرِ عام پر آئیں، لکھنو والے اپنی صدیوں پرانی تہذیب، رکھ رکھاؤ، مجلسی آداب اور شائستگی کو بھول کر غیر مہذب اور رکیک حد تک ذلالت پر اتر آئے۔ اس غیر اخلاقی جذبے کے اظہار کے لیے ہر ہر زاویے سے یگانہ کو پریشان کرنا شروع کیا گیا۔ یہ بات جگ ظاہر ہے کہ مہذب اور علمی سطح پر اہلِ لکھنو یگانہ سے جیت نہیں سکتے تھے، سو معاندانہ رویہ اختیار کیا گیا۔ اپنی ثقافتی عز و شان کا دم بھرنے والے یہی وہ لکھنوی حضرات

تھے جنھوں نے اپنے نچلے پن کے اظہار کے لیے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ میرے مذکورہ بیان کی تصدیق اس واقعے سے ہو جاتی ہے کہ شفق لکھنوی کے یہاں آرزو لکھنوی کی صدارت میں مشاعرہ منعقد ہوا۔ یگانہؔ کو بطورِ خاص مدعو کیا گیا۔ یہ بھولا آدمی جانتا تھا کہ اہلِ لکھنو اب اسکے لیے کوئی نیک جذبہ نہیں رکھتے، لیکن پھر بھی تنہا شریک ہو گیا۔ ظریف لکھنوی نے یگانہؔ کے سامنے ان کی ہجو پڑھی۔ اور اس ہجو پر تمام سامعینِ لکھنو نے جھوم جھوم کر ظریف کو داد دی۔ اسی واقعے کے متعلق مالک رام فرماتے ہیں کہ "ظریفؔ اس سے پہلے شفق لکھنوی کے مشاعرے میں خود یگانہؔ کی موجودگی میں ان کی ہجو پڑھ چکے تھے۔ حاضرین میں لکھنو کے جملہ اساتذہ موجود تھے، کسی کو توفیق نہ ہوئی کہ اسے ٹوکے، سب کے سب چپ سادھے سنتے رہے۔ خود یگانہؔ نے بھی ان مغلظات کا نوٹس نہیں لیا۔ فرماتے تھے، میرا کیا بگڑا! اس احمق نے خود ہی اپنے آپ کو ذلیل ثابت کیا۔ ہاں ذلیل وہی تو ہے جو ذلیل کام کرتا ہے؟ انسان کسی کے کہنے سے ذلیل نہیں ہو جاتا" (یگانہ چنگیزی۔ وہ صورتیں الٰہی از مالک رام، مطبوعہ مکتبہ جامعہ دہلی ۱۹۷۴ء صفحہ نمبر ۱۶۱) مجھے بتائیے کہ یہ کہاں کی شرافت ہوئی کہ ہم اپنے مہمان کے ساتھ ایسا واہیات سلوک روا رکھیں۔ لیکن اس معصوم یگانہؔ کا بھولپن دیکھیے کہ پورا مشاعرہ بڑے احترام و ادب سے سنتے رہے۔ ایک حرف تک اپنی زبان سے نہ نکالا۔ واضح ہو کہ ظریفؔ لکھنوی (مقبول حسین) صفیؔ لکھنوی کے چھوٹے بھائی تھے۔ پرلے درجے کے ہزل گو۔ پتنگ بازی اور کبوتر بازی کی میچوں پر شاعری کیا کرتے تھے۔

نجد سے لیلیٰ کو لے بھاگا یہی الزام تھا
اونٹ بے چارہ اسی سے شہر میں بدنام تھا

اس عظیم شعر کے خالق ظریف لکھنوی ہیں۔ اس واقعہ سے قطع نظر اگر آج ہم کسی مدعو شاعر کی کسرِ شان میں ایک فقرہ بھی کہہ دیں تو مشاعرہ گاہ محشرستاں بن جائیگی۔

ظریفؔ کی اس غیر مہذب حرکت پر ہی اہل لکھنو کے ارمان نہیں نکلے۔ ایک اور ڈمی شاعر متخلص بہ آسؔ نے فارسی میں آتش اور یگانہ کی ہجو میں رجز لکھی جسے چھوٹے چھوٹے بچے چوک کے بازار میں یہ کہتے ہوئے بیچتے پھرتے تھے کہ ''یاسؔ اور آسؔ کی جھپٹ ایک پیسے کو' صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یگانہؔ کی ایک غزل کے بعض اشعار پر غلیظ مصرعے لگائے گئے جس میں ان کے والدین کی شان میں کمال درجے کی گستاخیاں کی گئی تھیں۔ (یگانہؔ اور ان کی شاعری، از ممتاز حسین جونپوری، شعور کراچی ۱۹۵۹ء صفحہ نمبر ۱۳) گنوار مرزا پوری (معاف کیجیے گا صفدر مرزا پوری) نامی ایک واہیات شخص (بعد میں جس نے کچھ تالیفوں کے دم پر خود کو استاد سمجھ لیا تھا) ان مصرعوں کو لکھنو کے چوراہوں پر سناتا پھرتا تھا۔ اس واقعے کے متعلق ''آیات وجدانی'' میں یگانہؔ نے خیال ظاہر کیا کہ اس کے پس پردہ 'معیار پارٹی' کے ارکان سرگرم عمل تھے۔ جن کی سربراہی عزیز لکھنو کرتے تھے۔

'معیار پارٹی' لکھنو کے چند شدت پسند ہم خیال شاعروں کی ایک جماعت تھی جس میں اس وقت کے معروف شعراء عزیز لکھنوی اور ثاقب وغیرہ شامل تھے۔ یہ حضرات 'معیار' نامی ایک رسالہ بھی نکالتے تھے جس کی ادارت ابر لکھنوی کے ذمے تھی۔ رسالہ عمومی معیار پر شائع ہوتا تھا۔ مجھے اس رسالے کے محض دو شمارے دیکھنے کو ملے۔ اصل میں ان شعراء کی انجمن کا نام ''معیار الادب'' تھا مگر یہ لوگ 'معیار پارٹی' کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ لکھنو اور گرد و نواح کے مشاعروں پر اس 'پارٹی' کی اجارہ داری تھی۔ رسالہ 'معیار' میں یگانہؔ کے اول شعری مجموعہ ''نشتر یاس'' پر تبصرہ شائع کیا گیا تھا جس میں نشتر یاس اور اس کے تقریظ نگاروں پر زبردست اعتراضات کیے گئے تھے۔ 'نشتر یاس' میں شائع شدہ کلام یگانہؔ کی فکری بلند آہنگی، قدرتِ زبان اور زبردست تاثر پذیری سے لبریز ہے اسی بناء پر لکھنو کے مستند اساتذہ نے 'نشتر یاس' پر تقریظیں لکھی تھیں۔ اور یہی بات عزیزؔ لکھنوی و حلقۂ عزیز کو

ناگوار گزری کہ ایک بہاری کے کلام کو اساتذۂ لکھنو اس قدر ستائشی کلمات سے نوازیں۔ اس واقعہ کی تفصیل یگانہ نے ''آیاتِ وجدانی'' میں درج کی ہے۔

میں اس واقعے سے ذرا اور پیچھے جاؤں تو یہ بھید کھلتا ہے کہ 'نشترِ یاس' یا 'چراغِ سخن' کی اشاعت سے دو برس قبل ہی اہلِ لکھنو نے اوچھی حرکتیں شروع کر دی تھیں۔ محض یہ کہنا کہ یگانہ نے ان کے مضمون ''آتش و غالب'' میں خواجہ آتش کو غالب سے بڑا ثابت کر دیا (مضمون از یگانہ مطبوعہ 'خیال' ہاپوڑ نومبر ۱۹۱۵)، یا 'نشترِ یاس' اور 'چراغِ سخن' میں اہلِ لکھنو کی تضحیک کی، اسی لیے لکھنو والے ان کے خلاف ہو گئے، یہ سراسر چشم پوشی ہوگی۔ اس کی تصدیق اس واقعے سے ہوتی ہے جو برج نارائن چکبست لکھنوی کے مشاعرے میں پیش آیا تھا۔ تفصیل خود یگانہ نے درج کی ہے۔ ''اب سنیے جب ان لوگوں (معیار پارٹی) کے مشاعروں میں برابر شریک ہونے لگا اور کلام نے دلوں پر اثر کیا اور ان لوگوں کو ہر مشاعرے میں اپنی شکست محسوس ہونے لگی تو آتشِ حسد بھڑک اٹھی۔ دلوں میں خیال پیدا ہوا کہ یہ بات تو اچھی نہیں کہ ایک عظیم آبادی ہمارے شہر میں ایسی ایسی غزلیں پڑھ جائے اور اپنا رنگ جمائے۔ خود اپنے قلم میں اتنا زور نہ تھا کہ اپنے کلام کے ذریعے یاس کے رنگِ تغزل کا نمونہ پیش کر سکیں۔ ناچار یہ سوجھی کہ لاؤ اس شخص کو باتوں باتوں میں اڑا دیں۔ چناں چہ پنڈت برج نارائن چکبست نے ایک مشاعرہ خواجہ آتش علیہ الرحمتہ کی زمین (گریباں پھاڑ کے چل بیٹھیے صحرا کے دامن میں) میں کیا۔ میں بھی اس مشاعرے میں مدعو تھا۔ حضرتِ عارف مرحوم اور حضرتِ افضل بھی شریک تھے۔ اور بہت سے وکلاء و بیرسٹر بھی تھے اور اس معیار پارٹی کے سب لوگ جمع تھے۔ میری غزل پر ان حضرات نے اور ان کے ہوا خواہوں نے وہ وہ فرمائشی قہقہے لگائے کہ میں ہمیشہ ممنون احسان رہوں گا۔'' (خودنوشتِ یگانہ، محولہ بالا، صفحہ نمبر ۱۵۹)

چکبست کی طرف سے یہ مشاعرہ ۶ مئی ۱۹۱۲ء کو پنڈت سورج نارائن کے مکان واقع کشمیری محلّہ لکھنو میں منعقد ہوا تھا۔ (چکبست و باقیاتِ چکبست، از کالی داس گپتا رضا، وِل پبلی کیشنز۔ بمبئی ۱۹۷۹ء صفحہ نمبر ۴۹) لکھنو کے جن حضرات نے یگانہ کی غزل پر قہقہے لگائے تھے ان کی اعلیٰ دماغی اور سخن فہمی کے اظہار کے لیے اس غزل کا محض ایک شعر ملاحظہ فرمائیں۔

نہیں معلوم کیسا سحر تھا اس بت کے چتون میں

چلی جاتی ہیں ہیں اب تک چشمکیں شیخ و برہمن میں

اردو ادب کے چند بہترین شعروں میں اس شعر کا شمار کیا جاتا ہے۔ اس شعر کے لوچ کی جس قدر داد دی جائے سو وہ کم۔ روانی اور معاملہ بندی کے کمال درجے پر پہنچے ہوئے اس شعر کی مکمل غزل بھی کچھ اسی معیار کی ہے۔ اور آپ غور کیجیے کہ محض ایذا رسانی کے لیے کسی سچے اور اچھے شاعر کی عمدہ شاعری پر بھی کیسی کیسی پھبتیاں کسی جاتی تھیں۔

اس کے علاوہ ایک اور واقعہ یگانہ نے اپنی خودنوشت میں درج کیا ہے۔ یہاں بھی یگانہ کے ساتھ کچھ ایسا ہی غیر شریفانہ سلوک کیا گیا۔ غالب کی زمین میں منعقد اس مشاعرے میں پڑھی گئی یگانہ کی غزل کا مطلع ملاحظہ کریں۔

واں نقاب اٹھی کہ صبح حشر کا منظر کھلا

یا کسی کے حسن عالم تاب کا دفتر کھلا

ایسی شاندار اور جاندار شاعری کی کوئی ذی حس تو تضحیک کرنے سے رہا۔ جس نے کی، اس کی نفسیاتی صحت پر کلام کرنے کے علاوہ اور کیا بھی کیا جا سکتا ہے۔ کچھ ایسے ہی ستم تھے کہ جن کے نقش 'نشترِ یاس' اور 'چراغ سخن' میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ لیکن حیرت کی بات تو یہ ہے کہ ہم ''ردِ عمل'' کو معطون کرتے ہیں اور ''عمل'' کا ذکر بھی نہیں کرتے۔ مذکورہ بالا کتابوں میں

یگانؔہ نے اہلِ لکھنو کی علمی گرفت کی ہے، ہم یگانہ کی اس حرکت کو نازیبا قرار دیتے ہیں، لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ محض ''ردِعمل'' تھا اس ''عمل'' کا کہ جو متذکرہ مشاعروں میں کیا گیا۔ لہٰذا اس معاملے میں میرے زاویہء نگاہ سے یگانؔہ نے کوئی قابلِ تقصیر حرکت نہیں انجام دی۔ ایسی تضحیک وتحقیر کے عیوض، آپ اور میں بھی وہی کرتے جو یگانؔہ نے کیا۔ بلکہ آج کے دور میں تو اس سے کئی گنا سنگین ردعمل ہوتا۔

یگانؔہ کے لکھنے والوں نے عوام میں یہ غلط فہمی عام کر دی ہے کہ لکھنو والوں کی یگانہ سے مخالفت کی ابتداء 'نشترِ یاس' اور 'چراغِ سخن' سے ہوئی ہے۔ جب کہ اصلاً معاملہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ لہٰذا پھر میں یہ بات عرض کروں کہ اہلِ لکھنو کا جذبہء حسد ہی ان تمام مجادلوں کا سببِ واحد رہا ہے۔ ایک سیدھے سادھے آدمی کو محض اس کی ذہانت اور مقبولیت کی بنا پر تختہء مشق بنایا گیا۔ آئے دن نت نئے بکھیڑے کھڑے کیے گئے۔ علمی چشمک کو عملی دشمنی کا روپ دے کر یگانؔہ کے روزگار پر حملے کیے گئے۔ ایک جاگیردار گھرانے سے نسبت رکھنے والے خوددار آدمی کو مفلوک الحال بنا کر چھوڑ دیا گیا اور اس پر بھی ہمارے اردو کے محقق حضرات ان تمام مناقشوں کا سہرہ بے چارے یگانؔہ کے سر منڈھ دیتے ہیں تو میں اسے بجز کور چشمی اور کسی جذبے سے معنون نہیں کر سکتا۔

رفتہ رفتہ یہ مناقشہ مجادلے میں تبدیل ہوتا چلا گیا اور اس کی انتہا یگانہ کی ''اودھ اخبار'' سے برطرفی پر ہوئی۔ یگانؔہ کے ایک ملاقاتی میرزا جعفر حسین لکھتے ہیں کہ ''لکھنو کی بزمِ سخن ایک ایسا اکھاڑہ بن گئی جس میں یہاں کے تمام مشاہیر (معیار پارٹی) اور ان کے شاگرد ایک طرف تھے اور دوسری طرف یاسؔ عظیم آبادی اپنی قدرتِ زبان سے تنِ تنہا مقابل تھے''۔

۱۹۱۳ تا ۱۹۲۳ یگانؔہ نول کشور پریس کے ''اودھ اخبار'' کے مدیر تھے۔ رسالہ

'چاند' الہ آباد کے 'ایڈیٹر نمبر' میں یگانہ کی رباعیات شامل ہیں اور شاعر کا نام 'میرزا یگانہ لکھنوی سابق ایڈیٹر 'صحیفہ' و 'اودھ اخبار' لکھنو درج ہے۔ (مجلّہ چاند الہ آباد، 'ایڈیٹر نمبر' نومبر دسمبر ۱۹۳۰ء صفحہ نمبر ۲۳۷) یگانہ کے خلاف وہ وہ سازشیں کی گئیں کہ بالآخر یگانہ کو 'اودھ اخبار' کی نوکری گنوانی پڑی۔ یگانہ پر عرصہء حیات اس قدر تنگ کر دیا گیا کہ انھیں معاش کی کوئی صورت باقی نہ رکھی گئی۔ ''حیاتِ یگانہ چنگیزی'' کے بابِ دوم میں شامل مکتوب بنام مولوی ضیاء احمد بدایونی محررہ ۱۲ دسمبر ۱۹۲۴ء میں یگانہ نے اپنی اسی کیفیت کا اظہار کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ ''تنگ دستی کے ہاتھوں مجھے اپنی عمر بھر کا سرمایہ یعنی کتب خانہ کوڑیوں کے مول بیچ کر سربہ صحرا ہونا پڑا''۔

۱۹۲۳ء تا ۱۹۲۴ء یگانہ نے ریلوے کے اکاؤنٹ آفس میں ملازمت کی۔ (میرزا یگانہ چنگیزی۔ میرا ذاتی تاثر۔ منور لکھنوی مطبوعہ ماہنامہ 'ہمایوں' دہلی شمارہ اپریل ۱۹۶۷ء صفحہ نمبر ۲۴۳) جنوری ۱۹۲۴ء میں اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ کے ہیڈ ماسٹر مولوی سید الطاف حسین کے توسط سے بحیثیتِ مدرس یگانہ کو ملازمت مل گئی۔ الطاف حسین یگانہ کی بڑی قدر کرتے تھے۔ ساتھ ہی فانی اور جگر کو بھی انھوں نے اٹاوہ بلا لیا تھا۔ خدا جانے کیا معاملہ رہا کہ یگانہ یہاں بھی سال بھر سے کچھ زائد عرصہ ہی ٹھہر پائے۔ اٹاوہ سے یگانہ علی گڑھ چلے گئے جہاں انھیں چھاپہ خانے میں پروف ریڈر کی نوکری مل گئی۔ علی گڑھ جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یگانہ کی معرکہ خیز کتاب ''شہرتِ کاذبہ'' کی چھپائی لکھنو میں ہو چکی تھی لیکن ٹائٹل باقی تھا اور یہیں علی گڑھ میں مذکورہ کتاب کا ٹائٹل چھاپا گیا۔ جس کی اطلاع ''شہرتِ کاذبہ'' کے اندرونی سرورق سے ملتی ہے۔ یگانہ کے قیامِ علی گڑھ کے دوران لاہور میں تاجور نجیب آبادی نے ''اردو مرکز'' قائم کیا جس کے تحت تصنیف و تالیف کے لیے ملک بھر سے ادباء و شعراء بلوائے گئے۔ یگانہ کو بھی مدعو کیا گیا۔ غرض کہ یگانہ علی گڑھ میں چھ ماہ سے زائد نہیں ٹھہرے۔

(بھائی ابا از بلند اقبال۔ مطبوعہ تخلیقی ادب ۲ کراچی ۱۹۸۰ء صفحہ نمبر ۳۹۳) یگانہ لاہور چلے آئے۔ اس زمانے میں مالک رام بغرضِ ملازمت لاہور میں تھے۔ دوارکا داس شعلہ، پنڈت ہری چند اختر، میرزا فہیم بیگ وغیرہ احباب سے یگانہ کی رسم و راہ اسی قیامِ لاہور سے پیدا ہوئی۔ بدقسمتی سے ''اردو مرکز'' چل نہ سکا اور نومبر ۱۹۲۶ء میں یگانہ مع اہل خانہ لکھنو لوٹ آئے۔ لاہور سے واپسی کے بعد میرزا فہیم بیگ گوالیاری نے انھیں خط لکھ کر لاہور واپس آنے کی دعوت دی۔ (مذکورہ خط بابِ ہفتم ''اعترافِ یگانہ'' میں شامل ہے) دسمبر ۱۹۲۶ء میں یگانہ دوبارہ لاہور آئے اور جولائی ۱۹۲۷ء تک لاہور میں مقیم رہے۔ (یگانہ، سوانحی خاکہ از مشفق خواجہ مشمولہ کلیاتِ یگانہ، اکادمی بازیافت، کراچی ۲۰۰۳ء) یہیں سے یگانہ کا دوسرا شعری مجموعہ ''آیاتِ وجدانی'' شائع ہوا۔

قیامِ لاہور کا حلیہ مالک رام کی زبانی ملاحظہ فرمائیں، ''مشاعرے کی صدارت سر شیخ عبدالقادر مرحوم نے کی تھی۔ انھوں نے میرزا یگانہ سے اپنا کلام سنانے کو کہا، تو وہ منبر پر تشریف لائے۔ لگ بھگ ۴۵ برس کا سن، متوسط قد، سانولا رنگ، تیکھا ناک نقشہ، بڑی بڑی ذہین اور چمک دار سیاہ آنکھیں، چشمہ لگائے ہوئے، یہ بڑی گھنی مونچھیں جنھیں بھرپور تاؤ دے رکھا تھا۔ سر پر اونچی دیوار کی سیاہ کپڑے کی ٹوپی اور گلے میں معمولی سپید کپڑے کی شیروانی تھی، جس کی بائیں طرف کی جیب کے باہر گھڑی کی زنجیر دکھائی دے رہی تھی، نیچے سپید لٹھے کا پاجامہ، پیروں میں سیاہ رنگ کا پمپ شو اور ہاتھ میں ہلکی سی بید کی چھڑی۔ یہ تھے میرزا یاس عظیم آبادی'' (مضمون 'یگانہ چنگیزی' مشمولہ 'یہ صورتیں الٰہی' از مالک رام، مطبوعہ مکتبہ جامعہ لمٹیڈ دہلی فروری ۱۹۷۴ء، صفحہ نمبر ۱۳۹)

آلِ احمد سرور نے لکھا ہے کہ 'آگرہ کالج میں ایک بار یگانہ کو بھی سنا۔ ان کے پڑھنے کا انداز بھی بہت دل کش تھا۔ پڑھتے تو معلوم ہوتا تھا کہ محفل کو اور دنیا کو بھول گئے

ہیں۔ایک استغراق ان پر طاری تھا۔اس موقعہ پر انھوں نے بہت سی رباعیاں سنائی تھیں ۔وہ واقعی بہت اچھے شاعر تھے۔ان میں ایک انفرادیت تھی۔ان کا رنگ ہم عصروں سے الگ تھا۔اس میں ایک مردانگی، ایک تیور، ایک ولولہ، ایک آن بان نظر آتی ہے۔''
(خواب باقی ہیں، خودنوشت از آل احمد سرور، مطبوعہ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ ۱۹۹۰ء صفحہ نمبر ۴۲) اپنی خودنوشت میں آلِ احمد سرور نے آگرہ کالج مشاعرے میں پڑھی جانے والی جس رباعی کا ذکر کیا ہے (کعبہ کی طرف دور سے سجدہ کرلوں) وہ ماہنامہ 'جہانگیر' لاہور جولائی ۱۹۳۲ء (صفحہ نمبر ۱۲۶) میں شائع ہوئی۔اس اعتبار سے آگرہ کالج کا مشاعرہ مارچ تا جون ۱۹۳۲ء کے دوران ہوا ہوگا۔

'آیاتِ وجدانی' کے متعلق میں نے اپنے ایک مضمون میں لکھا تھا کہ ''عملی تنقید کا جاندار نمونہ استاد یگانہ چنگیزی کی تصنیف 'آیاتِ وجدانی' (اول ایڈیشن مطبع کریمی لاہور ۱۹۲۷ء) میں شامل محاضرات سے دیکھنے کو ملتا ہے۔عالمی اردو، فارسی وعربی شاعری کی تاریخ میں پہلی مرتبہ کسی شعری مجموعے میں شعر کی تعبیریں، نفسِ مضمون کی شرحیں، شعر کی ساخت، لفظیاتی ہیت، نگارش کے وجود پانے کے اسباب وعلل اس حسن وخوبی سے بیان کیے گئے ہیں کہ باید وشاید۔میری اپنی دانست میں یہ اپنے طرز کا اولین تجربہ رہا ہو۔اس کے بعد معروضی تنقید کی بے حد مفید مثالیں استاد یگانہ کی تصنیف 'شہرت کاذبہ المعروف بہ خرافاتِ عزیز'، 'غالب شکن' اور مجلّہ 'نگار' کی فائلوں سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔'' (مضمون 'معروضی تنقید' از خاکسار۔مشمولہ جدید تنقیدی شعور۔ڈاکٹر ذاکر علی جلگاؤں مطبوعہ ۲۰۰۳ء صفحہ نمبر ۸۸) بہرحال۔

اواخر ۱۹۲۷ء تا نومبر ۱۹۴۶ء یگانہ کا قیام دکن کے مختلف علاقوں میں رہا۔اس دوران کی اٹھارہ سالہ زندگی کچھ تو یگانہ کے خطوط سے اور مابقیہ میرے تفصیلی حواشی سے ظاہر ہوتی

ہے لہٰذا یہاں درج کرنا بر بنائے تکرار ذوق پر بار ہوگا۔ لہٰذا صرف اخیر عمری بیان کرتا ہوں۔

پاکستان میں یگانؔہ کی پرمٹ کی مدت ختم ہوجانا، واپسی کے لیے آٹھ مہینے پریشاں حالی، بیگم یگانہ کو ہندوستان واپس بلوانے کے سرکاری رخنہ اندازیاں، عدم روزگار سے مالی پریشانیاں، بیگم سے گھریلو الجھاؤ، ان سے زیادہ تکلیف رساں وہ واقعہ جسے ہندوستان کی ادبی تاریخ کبھی فراموش نہیں کرے گی، جو لکھنو کی عظیم الشان تہذیبی روایت کے لیے رہتی دنیا تک بدنما داغ رہے گا، اولاد کے عدم روزگار کے مسائل، گھر بار کے لٹ جانے کا غم، قدرتی و غیر قدرتی آفات کے تحت تبدیلی مکان، نوع بہ نوع عوارض جیسی کئی ایک مشکلیں ہندوستان کے عظیم شاعر نے برداشت کیں۔ متذکرہ مصائب کی تفصیل خطوط و حواشی میں ملاحظہ فرمائیں۔

یگانہ بیگم، کہ جنہیں یگانؔہ نے دوبارہ ہندوستانی شہریت دلوانے کے لیے کیا کیا صعوبتیں برداشت نہ کی ہوگیں، وہی آخری عمر میں اپنے وفا شعار شوہر کو تنہا چھوڑ چلی گئیں۔ ۵ ستمبر کو یگانہ بیگم کراچی چلی گئیں۔ اب یگانؔہ تنہا لکھنو میں بہتر برس کے سن میں رہی سہی زندگی بڑے کرب و ایذا میں گزار رہے تھے۔ اس اندوہ ناک کیفیت کو مکتوب بنام آغا جان (بابِ چہارم، کتابِ ہٰذا) میں یگانؔہ نے بڑے موثر انداز میں بیان کیا ہے۔ اس کے چند ہی مہینوں بعد وہ لمحہ بھی آ گیا کہ جب اس مردِ مجاہد کو دنیاوی جھمیلوں سے آزادی مل گئی۔

تین اور چار فروری ۱۹۵۶ء کی درمیانی شب کو یگانؔہ کا انتقال ہوا۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ یگانؔہ نے انتقال سے کچھ دن پہلے لکھنو کے بعض ذمے دار حضرات کو گھر بلایا۔ ان کی موجودگی میں کلمہ پڑھا اور ان سے شہادت لی۔ ضیاء عظیم آبادی نے لکھا ہے کہ ''انھوں نے (یگانؔہ نے) مرنے سے پہلے پروفیسر احتشام حسین کو بلا کر دل کی بات کہی تھی اور تین حضرات کے سامنے کلمہ پڑھا کر پوچھا تھا کیا میں مسلمان ہوں؟ میں شیعہ ہوں؟

جب ان تینوں حضرات نے اس کا اقرار کرلیا تب انھیں اطمینان حاصل ہوا تھا۔ یہ واقعہ میرے لکھنو آنے کے چند دنوں بعد احتشام حسین صاحب نے بھی بیان کیا تھا اور مسعود حسین صاحب نے بھی۔ ڈاکٹر معصوم راہی رضا نے بھی اعتراف کیا ہے کہ مجھ سے مسعود صاحب نے یہ واقعہ بیان کیا تھا'' (میرزا یگانہ چنگیزی۔ حیات اور شاعری۔ مطبوعہ اگست ۱۹۸۰ء اردو پبلشرز لکھنو، صفحہ نمبر ۴۹) شعلہ اپنے مضمون ''یہ تیس برس کا قصہ ہے'' میں لکھتے ہیں کہ ''میرزا محمد نقی نے ایک اور بات کہی اور وہ یہ کہ انتقال سے دو دن پہلے شام کے وقت میرزا یگانہ نے کلمہ پڑھا اور نقی صاحب سے پوچھا' کہو بھئی میں نے کلمہ صحیح پڑھا۔ انھوں نے کہا بالکل صحیح۔ پھر پوچھا، میں مسلمان ہوں؟۔ انھوں نے کہا۔ آپ صحیح مسلمان ہیں'۔ پھر کہا۔ 'میرا ایمان درست ہے؟ نقی نے کہا' بالکل درست''۔ (تخلیقی ادب ۱۹۸۰ء صفحہ نمبر ۴۳۳)

ہم کتنے بڑے سخن فہم ہیں اور کس درجہ سخن گو، اس سے کئی گنا اہم بات یہ ہوگی کہ ہمارے ایمان کا درجہ کیا ہے۔ مولویان اپنی ہر دعا میں یہی مانگتے ہیں کہ خدا ہمیں کلمے کی موت عطا فرمائے۔ کیا یہ بات باعثِ عز و شرف نہیں ہے کہ میرزا یگانہ کی موت اقرارِ خدا اور شہادتِ رسول ﷺ پر ہوئی۔ اس متبرک واقعہ کی تیسری شہادت بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ڈاکٹر شیخ انصار حسین (یگانہ کے سسرالی بھانجے) نے لکھا ہے کہ ''انتقال سے ایک شب قبل انھوں نے میری اماں، میری خالہ (رافعہ بیگم) اور میری بھاوج خورشید بشارت مرحومہ کو بلایا اور کہنے لگے، 'ذاکیہ بیگم (میری والدہ کا نام ہے) اس وقت طبیعت کچھ بہتر ہے مگر پیروں میں ورم آچکا ہے، میں اپنے آخری منزل میں ہوں'، پھر کہنے لگے، 'دیکھو ذاکیہ بیگم میں کچھ پڑھ رہا ہوں۔ تم لوگ غور سے سنو'، یہ کہہ کر وہ کلمے کی تلاوت کرنے لگے اور ختم کرتے ہی سوال کیا، 'ذاکیہ بیگم میں نے کلمہ درست پڑھا ہے؟۔ اماں نے جواب دیا، جی ہاں بھائی صاحب بالکل درست پڑھا ہے'۔ یہ سن کر کہنے لگے، 'خدا کا شکر ہے، یہ دنیا والے تو مجھے کافر، ملحد اور نہ

جانے کیا کیا کہتے ہیں۔تم لوگ گواہ ہو کہ میں کس کلمے اور مسلک پر ساری عمر کار بند رہا' یہ کہہ کر کچھ دیر کے لیے اندر ہی آرام فرمانے لگے اور دوسرے دن انتقال کر گئے۔''(میرزا یگانہ۔یادیں اور ملاقاتیں۔مطبوعہ تخلیقی ادب ۲ کراچی ۱۹۸۰ء صفحہ نمبر ۱۴۷)

حسد کی آگ میں زندگی بھر یگانہ کو ایذا پہنچانے والے اہلِ لکھنو نے پس مرگ بھی یگانہ کو چین سے دفن نہ ہونے دیا۔یگانہ کے بھانجے ڈاکٹر شیخ انصار حسین نے اپنے محولہ بالا مضمون میں رقم کیا ہے کہ''بباماموں نے فوراً قابل حسین کی کربلا واقع تال کٹورہ روڈ لکھنو میں روضے کے چبوترے پر قبر کے لیے زمین حاصل کی اور قبر تیار کرنے کا انتظام کر کے گھر آ گئے۔ادھر ابا اور بباماموں کا لڑکا فیروز عالم کفن وغیرہ کے انتظام میں لگ گئے۔لکھنو کے شیعوں کے رواج کے مطابق میت غسل خانہ پاٹا نالہ لے جائی گئی اور غسل دینا شروع کر دیا۔اسی دوران وہاں کچھ لوگ پہنچے جو یہ خبر لے کے گئے تھے کہ اس میت کو غسل نہ دیا جائے،سید الملت کا فتویٰ ہے،بہرحال غسّال انسانیت کے کچھ اعلیٰ مرتبے پر ہی تھا کہ اس نے غسل شروع ہو جانے کے بعد غسل روکنا خلافِ انسانیت تصور کیا اور اس طرح غسل دے دیا گیا۔میت جب چلی تو میت لے جانے والوں اور نقیب کے علاوہ میرے والد، ببا ماموں، فیروز عالم، رضی صاحب (ابا کے دوست) یگانہ خالو کے ایک خدمت گار، اسلم (ببا ماموں کا چھوٹا بیٹا) کل چھ یا پھر ایک کوئی اور (مجھے نام یاد نہیں آ رہا ہے) ساتھ تھے۔ وکٹوریہ چوراہے کے قریب پروفیسر مسعود حسن ادیب نے بھی شرکت کی۔وہ چند قدم جنازے کے ساتھ چلے اور اپنی کوٹھی واپس چلے گئے۔یہ تھے ایک عظیم شاعر کے جنازے کے ساتھ ہونے والے لوگ، بہرحال میت دفن کر دی گئی''۔

اہلِ لکھنو کی شرافت کا جس قدر دم بھرا جائے سو وہ کم۔میت اور جنازے کے معاملے میں تو ذاتی اور ازلی دشمن بھی ساتھ دے دیتا ہے، پھر لکھنو والوں سے یگانہ کی کوئی

ذاتی دشمنی بھی نہ تھی ۔ان سب کے پسِ پردہ وہ عوامل تھے کہ جن کے ذریعے ادب کے خواص کے علاوہ رائے عامہ کو بھی یگاؔنہ کے خلاف کردیا گیا تھا۔اور پھر یہ یگاؔنہ پر ہی کیا موقوف۔ ہردانشور کے ساتھ یہی معاملہ ہے کہ ذہانت ازخود اپنے دشمن پیدا کرلیتی ہے۔ بہر حال۔ وماتوفیقی الہ باللہ۔

مذکورہ بالا حیاتِ یگانہ کوصرف سرسری خاکہ پر ہی محمول کیا جائے کہ تفصیل کا یہاں محل ہے نہ گنجائش ۔میری پیش آئند کتاب ''یگاؔنہ چنگیزی۔ تحقیق و تجزیہ'' میں یگاؔنہ کے حیات وفن کے مختلف گوشوں پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

ماخذ

''حیاتِ یگانہ چنگیزی'' کو سات ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ خطوط کی ترتیب کچھ اس طور رکھی گئی ہے کہ یگانہ کی مکمل زندگی قارئین کے سامنے آسکے۔ میرا دعویٰ ہے کہ اگر کوئی قاری کتاب کا مکمل اکائی کی طرح ایک نشست میں مطالعہ کرلے تو یگانہ کی حیات کسی سنیما کی ریل کی مانند نظروں کے روبرو دوڑنے لگے گی۔ مشمولات کے ماخذ کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

بابِ اول:

بابِ اول میں دوارکا داس شعلہ کے نام لکھے گئے کل سو (۱۰۰) خط شامل ہیں۔ مذکورہ تمام خطوط قومی عجائب گھر کراچی پاکستان میں بڑے اہتمام و احتیاط سے محفوظ کیے گئے ہیں۔ مشمولہ سو مکتوبات میں سے پانچ مکتوب 'نقوش' لاہور خطوط نمبر جلد دوم شمارہ نمبر ۶۶ جنوری ۱۹۵۷ء میں شائع کیے گئے۔ نقوش خطوط نمبر میں شامل مکاتیب پر مدیر نے حواشی

نہیں لکھے۔ بات اگر صرف یہیں تک محدود ہوتی تو کوئی قباحت نہ تھی لیکن حد تو یہ ہے کہ مکتوب الیہیان کے اسمائے گرامی بھی مدیرِ محترم درج کرنا بھول گئے۔ اب اگر کوئی نیا قاری یگاؔنہ کے مذکورہ مکاتیب پڑھے تو تعین کرنا مشکل ہو جائیگا کہ یہ خطوط کن صاحبان کے نام لکھے گئے ہیں۔ خود مجھے بھی دو خطوں کے تعین میں بڑی پریشانی ہوئی۔ اور اس بہت چھوٹے سے کام کے لیے بڑے دور کی کوڑی لانی پڑی۔ 'حیاتِ یگاؔنہ چنگیزی' میں ان پانچ خطوط کا نمبر شمار بالترتیب ۶۳، ۶۷، ۷۳، ۷۷، ۹۸ رکھا گیا ہے۔ بابِ اول کے مابقیہ خطوط مرحوم مشفق خواجہ نے اپنے کتابی سلسلہ ''تخلیقی ادب'' کراچی کے شمارہ نمبر ۲، ۱۹۸۰ء میں بہت مختصر حواشی کے ساتھ شائع کیے۔ تخلیقی ادب کے مذکورہ شمارے میں یگاؔنہ چنگیزی پر ایک مسبوط گوشہ شائع کیا گیا تھا۔ گمان غالب ہے کہ یگاؔنہ کے تئیں مشفق خواجہ کی دلچسپی یہیں سے پروان چڑھی جس کا ثمرہ ''کلیاتِ یگانہ'' کے طور پر دنیائے ادب کو حاصل ہوا۔ مشفق خواجہ کے حواشی کو میں نے 'بہت مختصر' اس لیے بھی کہا کہ زیادہ تر حاشیے محض 'لفظ کی ضائعگی، خط کا انگریزی متن، خط کی دریدگی' وغیرہ پر مشتمل ہیں۔ بابِ اول کے حواشی میں، میں نے کچھ حاشیے مرحوم مشفق خواجہ کے نقل کیے ہیں اور ان کے آگے صراحتاً '(م)' لکھ دیا ہے لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ شعلہؔ کے نام یگاؔنہ کے تمام خطوط قومی عجائب گھر کراچی میں محفوظ ہیں، اور یہیں سے کچھ خطوط کے عکس میری تحویل میں ہے۔ جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

مکتوب کی تاریخ	نیشنل میوزیم اندراج نمبر
۱۰ جون ۱۹۲۹ء	N.M/1963-215/29
۲۳ ستمبر ۱۹۲۹ء	N.M/1963-215/12

۲۸دسمبر ۱۹۳۲	N.M/1963-215/59
یکم اگست ۱۹۴۶	N.M/1963-215/28
۲۶ستمبر ۱۹۴۶	N.M/1963-215/27
۳دسمبر ۱۹۴۶	N.M/1963-215/19
۲۶مارچ ۱۹۴۹	N.M/1963-215/41
۸جون ۱۹۴۹	N.M/1963-214/09
۹اپریل ۱۹۵۰	N.M/1963-215/60
۱۱جنوری ۱۹۵۲	N.M/1963-215/37
۱۸جنوری ۱۹۵۲	N.M/1963-215/39
۱۹دسمبر ۱۹۵۲	N.M/1963-215/32
۲۱فروری ۱۹۵۳	N.M/1963-215/77
۳۰اپریل ۱۹۵۳	N.M/1963-215/75
۲۲مئی ۱۹۵۳	N.M/1963-215/74
۱۳فروری ۱۹۵۴	N.M/1963-215/68
۲۴جون ۱۹۵۴	N.M/1963-215/62
۹ ستمبر ۱۹۵۵	N.M/1963-215/23

بابِ دوم:

بابِ دوم میں کل ۱۵ خطوط شامل ہیں۔ جن کے مکتوب الیہان ہمہ جناب مولوی ضیاء احمد بدایونی، دل شاہ جہاں پوری، راغب مرادآبادی، رفیق بدایونی اور مالک رام ہیں۔ 'نقوش' لاہور کے مکاتیب نمبر جلد دو ۱۹۶۸ میں یہ تمام خطوط شائع ہوئے ہیں۔ دیر

آید درست آید کے مصداق محمد طفیل صاحب (مدیر نقوش) نے اب کی مرتبہ مکتوب الیہ کے نام کے ساتھ مذکورہ پندرہ خطوط شائع کیے۔ لیکن یہاں بھی تمام خطوط حواشی سے تہی ہیں۔ نقوش لاہور کے تاحال خطوط پر مبنی دو خاص نمبر (۱۹۵۷ء اور ۱۹۶۸ء) شائع ہوئے ہیں۔ اول الذکر میں یگانہ کے پانچ اور ثانی الذکر میں پندرہ خطوط شائع کیے گئے۔ 'حیاتِ یگانہ چنگیزی' کے بابِ دوم میں یگانہ کے ضیاء احمد بدایونی کے نام پانچ خط، دل شاہ جہاں پوری کے نام تین خط، حکیم راغب مرادآبادی کے نام دو خط، رفیق بدایونی کے نام ایک اور مالک رام کے نام آٹھ خطوط شامل ہیں۔ دل شاہ جہاں پوری کے نام تین خطوں میں سے ایک خط جو کتابِ ھٰذا میں ''بخطِ یگانہ'' کے تحت بھی شائع کیا گیا ہے، عکسی صورت میں ماہنامہ 'شاعر' بمبئی کے ''ہم عصر اردو ادب نمبر'' ۱۹۹۷ء سے ماخوذ ہے۔

بابِ سوم:

بابِ سوم میں کل ۱۵ خطوط شامل ہیں۔ جن کے مکتوب الیہ پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب اور قاضی امین الرحمٰن ہیں۔ ادیب کے نام لکھے گئے تیرہ خطوں میں سے گیارہ خط ڈاکٹر نیر مسعود کی مرتبہ ''مکتوباتِ مشاہیر بنام ادیب'' (مطبوعہ اتر پردیش اردو اکادمی لکھنو ۱۹۸۵ء) میں مختصر حواشی کے ساتھ شائع کیے گئے۔ ''مکتوباتِ یگانہ'' میں شامل ایک خط بنام ادیب نمبر شمار ۶، جو غالب اور یگانہ کے مخاصمہ کے ذیل میں نہایت اہم صراحت کی حیثیت رکھتا ہے، ساحل احمد کی مرتبہ ''یگانہ'' (مطبوعہ الہ آباد رائٹرس گلڈ الہ آباد) سے ماخوذ ہے۔ مذکورہ خط یگانہ کی علمیت پر دلالت کرتا ہے نیز سرشتِ یگانہ کا مدلل خلاصہ پیش کرتا ہے۔ بابِ سوم میں ادیب کے نام آخری خط ''دو ماہی اکادمی'' لکھنو سے اخذ کیا گیا ہے۔ استاد یگانہ چنگیزی کی صد سالہ جشن پیدائش پر اتر پردیش اردو اکادمی کے زیر اہتمام بتاریخ ۳ فروری ۱۹۸۵ء کو سیمینار کا انعقاد کیا گیا تھا۔ اس موقعے پر مجھے بے ساختہ یگانہ کا

شعر یاد آ گیا،

آپ اب شمعِ سحر بڑھ کے گلے ملتی ہے
بخت جاگا ہے بڑی دیر میں پروانے کا

یا پھر بقول خلیل فرحتؔ کارنجوی مرحوم،

حال نہ پوچھا جیتے جی
عرس کریں گے مرنے پر

اپنی سابقہ روایت کے تحت سمینار میں پڑھے گئے مقالے اردو اکادمی کے جریدے دو ماہی ''اکادمی'' میں شائع کیے گئے۔ جن میں ڈاکٹر نیر مسعود صاحب کا ایک اہم مضمون ''یگانہؔ ادیب کے حوالے سے'' شامل ہے۔ اسی مضمون میں نیر مسعود صاحب نے یگانہؔ کا مذکورہ خط مکمل شائع کیا اور اس کے ذیل میں لکھا کہ ''خطوطِ مشاہیر بنام ادیب' میں ادیب کے نام یگانہؔ کے بھی خط شامل ہیں، لیکن چونکہ یہ خط اس مجموعے میں شامل ہونے سے رہ گیا اسی لیے یہاں پورا نقل کیا جاتا ہے''۔ اس طرح بابِ سوم میں تیرہ مکتوب بنام ادیب شامل کیے گئے ہیں۔ کتابِ ھٰذا میں ایک اور خط پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب کے نام ''بخطِ یگانہؔ'' کے تحت شامل کیا گیا ہے جس کا ذکر بابِ پنجم (بخطِ یگانہؔ) کی تفصیل میں ملاحظہ فرمائیں۔ بابِ سوم کے آخری دو خط نہایت اہم اور قطعی طور پر غیر مطبوعہ ہیں۔ ان دو خطوں کے متعلق تفصیل ہیڈ نوٹ کے تحت خطوط کے صفحے پر درج کی ہے۔ یہاں مختصراً عرض کروں کہ دو خط بنام قاضی امین الرحمٰن ہیں جنھوں نے بھولے بھٹکے دس سالہ وقفے سے یگانہؔ سے دو مرتبہ اپنے کلام پر اصلاح طلب کی تھی اور جواباً آئے ہوئے خطوں کو بہت ذمے داری کے ساتھ سنبھال کر رکھا تھا۔ مذکورہ خط رضا لائبریری رامپور سے حاصل کیے گئے ہیں۔ اور بہت وثوق کے ساتھ میں انھیں اپنی دریافت کہتا ہوں۔

باب چہارم:

بابِ چہارم میں کل چودہ خطوط شامل کیے گئے ہیں۔استاد یگانہ چنگیزی کی بڑی صاحبزادی حسن بانو بالمعروف بلند اقبال بیگم کے نام یگانہ کا خط ان کے مضمون ''بھائی ابا'' (مطبوعہ تخلیقی ادب ۱۹۸۰ء) سے لیا گیا ہے۔یگانہ کوسخت اور کرخت ماننے والوں کے لیے یہ خط نہایت اہمیت کا حامل ہے کہ کس طرح ایک باپ اپنی بچی اور اپنے اہل خانہ کی فکر میں ذاتی عیش و آرام ترک کر دیتا ہے۔یگانہ کے بڑے فرزند آغا جان کے نام چار مکتوب نقوش لاہور کے خطوط نمبر ۱۹۵۷ء سے ماخوذ ہیں۔جس کی عدم حواشی کا ذکر میں سطور بالا میں کر چکا ہوں۔ساتھ ہی یگانہ کے چھوٹے صاحب زادے حیدر بیگ کے نام ایک خط نقوش کے متذکرہ نمبر سے ماخوذ ہے۔سید الطاف حسین ماسٹر اٹاوہ کے نام یگانہ کے دو خط اور من موہن تلخ کے نام چار خط نقوش کے اسی خطوط نمبر سے لیے گئے ہیں۔ایک خط بنام رضا انصاری، رضا انصاری کے مضمون ''یگانہ بیتی کچھ دیکھی کچھ سنی'' سے ماخوذ ہے۔مذکورہ مضمون ماہنامہ ''آجکل'' دہلی اگست ۱۹۷۴ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔آجکل میں شائع شدہ تحاریر کی حصولی کے ضمن میں مدیرِ محترم برادرم ابرار رحمانی صاحب و بے حد عزیز محترمہ نرگس سلطانہ صاحبہ (معاون مدیر) نے بڑی خندہ پیشانی سے امداد فراہم کیں۔دونوں صاحبان کی علم دوستی فقید المثال ہے۔بابِ چہارم کا آخری خط شاعر و نقاد زیبا ردولوی کے نام ہے۔شعلہ، راغب و سلیم احمد کی طرح زیبا بھی یگانہ سے اصلاح کلام لیا کرتے تھے۔زیبا کا مذکورہ خط قومی عجائب گھر کراچی میں محفوظ ہے۔بابِ پنجم کے مکتوب الیہ باقر حسین رضوی، زیبا کے برادرِ خورد ہیں۔

بابِ پنجم:

بابِ پنجم 'بخطِ یگانہ' میں کل نو خطوں کے عکس شامل ہیں۔جن میں یگانہ بیگم کے نام دو خط ہیں۔یگانہ چنگیزی کی شخصیت کو سمجھنے میں یہ دونوں خط نہایت معاون ثابت ہوں

گے۔قارئین محسوس کریں گے کہ کس طرح ایک شوہر اپنی بیگم کے ساتھ محبت آمیز چھیڑ خوانی کرتا ہے، کس خوبصورتی سے ڈرامہ لکھا جاتا ہے اور پھر بہت احتیاط سے پردہ اٹھایا جاتا ہے۔مذکورہ خط یگانہ کی صاحبزادی بلند اقبال کراچی کی ملکیت ہے۔یگانہ بیگم کے نام اس خط اور دیگر خطوط و متعلقات کے سلسلے میں، میں نے اقبال بیگم مرحومہ کے پسماندگان سے رابطہ کی کئی کوششیں کیں لیکن تمام بے سود رہیں۔پھر اسی درمیان پاکستان کے اسمبلی انتخابات نازل ہو گئے جن کے طفیل مجھے اپنی لن ترانی روکنی پڑی۔اب جب کہ پاکستان کے حالات قدرے بہتر ہو گئے ہیں، میری کوششیں جاری ہیں۔بابِ پنجم "بخطِ یگانہ" میں شامل مابقیہ خطوط بالاستثنیٰ دلؔ شاہ جہاں پوری و ادیبؔ، قومی عجائب گھر کراچی کے شعبہء مخطوطات میں محفوظ ہیں۔حضرتِ دلؔ کے خط کا عکس جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے، ماہنامہ شاعر بمبئی کے 'ہم عصر اردو ادب نمبر' ۱۹۹۷ سے ماخوذ ہے۔نیز حضرتِ ادیب کے نام خط کا عکس "مکتوباتِ مشاہیر بنام ادیب" سے لیا گیا ہے۔

میں نے قارئین کی آسانی کے لیے مکاتیب کے عکس کے فوراً بعد ان کا سلیس متن درج کر دیا ہے۔مخطوطات خوانی بھی بڑا پیچیدہ مرحلہ ثابت ہوا۔بابِ پنجم میں شامل تین خط اول بنام شعلہؔ، دوم بنام پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیبؔ اور سوم بنام دل شاہ جہاں پوری، اس سے پیش تر ابواب میں شامل ہونے کی بناء پر ان خطوط کے صرف عکس ہی رکھے گئے ہیں۔

بابِ ششم:

بابِ ششم 'مکافاتِ عمل' کے تحت تین خط شامل کیے گئے ہیں۔یہ تینوں ہی خط باہم غیر اتفاقی ارتباط رکھتے ہیں۔اول خط بنام شاہد احمد دہلوی (مدیر 'ساقی' دہلی) مجلّہ 'ساقی' دہلی کے شمارے بابت مئی ۱۹۳۴ سے ماخوذ ہے۔'کھلی چھٹی بنام ایڈیٹر صاحب ساقی' کے

عنوان سے شائع اس خط کا ضمنی عنوان 'بڑے بڑے بہہ گئے بھیڑ کہے کتنا پانی' رکھا گیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ 'یگانہ دشمنی' کی کئی وجوہات ہیں بھی اور کوئی وجہ نہیں بھی ہے۔ یعنی یہ کہ بغیر کسی پرخاش کے، ہر آئیں بائیں شائیں بکنے والے خود ساختہ نقاد اس زمانے میں یگانہ دشمنی پر اترے ہوئے تھے۔ اس سے قطع نظر، کسی رسالہ کا مدیر رسالے کے اول صفحہ پر جلی حرفوں میں لاکھ یہ چلاتا پھرے کہ 'مشمولات سے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں' تاہم اہلِ نظر خوب جانتے ہیں کہ مدیر کی رضا مندی کے بغیر کوئی نگارش پرچے میں جگہ نہیں پاسکتی۔ بہ فضل ربی، ایک عدد پرچے (سہ ماہی 'اردو') کا خاکسار بھی مدیر ہے، اور اس گورکھ دھندے سے خوب واقف ہے۔ پھر اصل موضوع پر آتا ہوں کہ مجلّہ 'ساقی' دہلی نے یگانہ دشمنی کا کچھ ایسا ہی مظاہرہ ۱۹۳۴ء میں کیا تھا۔ یگانہ کا مجموعہ رباعیات 'ترانہ' ۱۹۳۳ء میں شائع ہوا۔ 'ترانہ' کے اخیر میں چنداں رباعیاں حضرتِ غالب سے چھیڑ چھاڑ کے ذیل میں تھیں، اسی معاملے سے بدظن ہوکر مضحک دہلوی نے 'ترانہ' کے خلاف مضمون بہ عنوان 'یگانہ۔ عقل وخرد سے بیگانہ' 'ساقی' دہلی کے شمارے اپریل ۱۹۳۴ء ('ظریف نمبر') میں شائع کیا۔ جو کسی طور صحت مند تنقید کے خانے میں نہیں رکھا جاسکتا۔ یہ دراصل یگانہ کی غالب دشمنی کا شاخسانہ تھا، جسے یگانہ خوب سمجھتے تھے۔ مضحک کے مضمون کے ساتھ 'ظریف نمبر' میں یگانہ کا ایک کارٹون بھی شامل تھا جس میں مضحک ایک جانب کھڑے ہوکر ان پر خندہ زنی کررہے ہیں۔ یگانہ نے مضحک کے مضمون کے ردِعمل کے طور پر مدیر ساقی، شاہد احمد دہلوی کے نام 'کھلی چھٹی' لکھی، یہی چھٹی 'مکافاتِ عمل' کا اول مکتوب ہے۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ مضحک دہلوی نے 'ترانہ' میں فٹ نوٹ پر یگانہ کی لکھی نثری عبارت کی زباندانی پر اعتراض کیا۔ ایک پختہ نقاد شعری مجموعہ کا پوسٹ مارٹم کرنے کے لیے فٹ نوٹ کی نثر کو حذف نہیں بناتا۔ یہ کام تو نو سکھیے کرتے ہیں۔ مزہ تو جب ہے کہ آپ شعری مجموعہ کی شعری نگارشات پر انگلی رکھیں۔

مضحک دہلوی کے اس مضمون کی اشاعت کے بعد اگلے ہی ماہ یعنی مئی ۱۹۳۴ء کے 'ساقی' میں (جس میں یگانہ کی کھلی چھٹی شائع ہوئی تھی) غالب کے ایک اور 'مرید' ماہر القادری کا تحریر کردہ مضمون 'یگانہ ءشاعری' شائع ہوا۔ مضحک نے اپنے مضمون میں ادب کی گفتگو ادب کے پیرایئے میں کی تھی، ماہر القادری نے بلا وجہ یگانہ پر اسلامی شعائر کی قدغنیں لگادیں۔ یگانہ نے ماہر القادری کے مضمون کا جواب مدیر ساقی، شاہد احمد دہلوی کے نام خط سے دیا جو جون ۱۹۳۴ء کے شمارے میں 'میرزا یگانہ کی دوسری کھلی چھٹی بنام ایڈیٹر صاحب ساقی' صفحہ نمبر ۸۷ تا ۹۷ شائع ہوا۔ یہی دوسری 'کھلی چھٹی' بابِ ہٰذا کا دوسرا خط ہے۔ ماہر القادری کا مضمون قطعی اس لائق نہیں کہ اس پر علمی بحث کی جا سکے۔ ہم بلا تکلف اسے انشا پردازی کا نمونہ کہہ سکتے ہیں، البتہ تنقید نہیں۔ انجمن ترقی اردو ہند دہلی سے شائع ہونے والے سہ ماہی 'اردو ادب' نے اکتوبر ۲۰۰۱ء کے شمارے میں 'باز دید' کے تحت ماہر القادری کے مذکورہ مضمون کے جواب میں باقر مہدی سے مضمون لکھوایا تھا۔ ماہر القادری کا ۱۹۳۴ء میں شائع انشا پردازی (بلکہ افترا پردازی) کا جواب پینسٹھ برس بعد پختہ نقاد باقر مہدی نے خوب ڈھنگ سے تحریر کیا۔ باقر صاحب رقم طراز ہیں کہ ''مولانا ماہر القادری فلسفہ، منطق، سائنس کو ہی رد نہیں کرتے بلکہ ارسطو کی شعری تعریف کو بھی رد کرتے ہیں۔ ایک شاعر کے بارے میں مولانا کے یہ جملے ملاحظہ ہوں 'پھولوں کی پژمردگی پر اس کی چیخ نکل جاتی ہے، سبزے کی پامالی پر اس کی آنکھ سے آنسوں جاری ہو جاتے ہیں، پھولوں کی نرم و نازک پتی پر جب شبنم کے قطرے سورج کی کرنوں کی زد میں کانپتے ہوتے ہیں تو شاعر کا دل بے قرار ہو جاتا ہے۔ بلبل کی آہ وزاری پر اس کا جگر پھٹتا ہے۔۔۔۔۔' اس قسم کے بے معنی جملوں کی کثرت ہے اب میں ان کا کیا جواب دوں۔ مولانا ماہر القادری شروع ہی سے 'یگانہ دشمنی' پر تیار ہیں۔ نقدِ اسالیب کے فن سے واقف نہیں ہیں، اگر کسی کو مذموم قرار دینا ہو تو دلائل کو

ذاتیات سے خارج کرنا ہوتا ہے، اور ہر ہر جملے کو نہایت غور وفکر کے بعد لکھنا پڑتا ہے۔ مولانا کا پورا مضمون یگانہ دشمنی کے عناصر سے پُر ہے اس کا کیا جواب دیا جائے۔'' (بازدید، مطبوعہ 'اردو ادب' دہلی شمارہ اکتوبر دسمبر ۲۰۰۱ء صفحہ نمبر ۶۴) اک ذرا فرصت میسر آئے تو خاکسار بھی مولانا ماہرالقادری کے مضمون کا جواب دینا پسند کرے گا۔

باب 'مکافاتِ عمل' کا مشمولہ آخری خط بنام عبدالعزیز محررہ یکم فروری ۱۹۳۷ء ہے جو مجلّہ 'نقوش' لاہور کے 'غالبؔ نمبر' فروری ۱۹۶۹ء میں 'غالبؔ ایک گونگا شاعر' کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس طویل مضمون نما خط پر روشنی ڈالنے سے پیش تر مندرجہ بالا خطوں کے متعلق چنداں نکات بیان کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں جن کا بالواسطہ تعلق مذکورہ خط سے ہے۔ یگانؔہ کے مجموعہء رباعیات 'ترانہ' (۱۹۳۳ء) میں 'مزاحیہ' عنوان کے تحت چند رباعیاں غالبؔ سے متعلق تھیں، 'ترانہ' کے منظر عام پر آتے ہی ہندوستان بھر سے غالبؔ کے 'جملہ عزیز و اقارب' برساتی کیڑوں کی طرح نمودار ہونے لگے۔ یگانؔہ نے 'ترانہ' ادیب کو بھجوائی، ادیبؔ نے 'غالب' سے چھیڑ چھاڑ والی رباعیوں کے ضمن میں یگانؔہ سے استفسار کیا۔ یگانہ نے جواباً ایک بے حد طویل خط ادیب کو بھجوایا۔ یہاں تک تو معاملہ قدرے ٹھیک تھا، ستم یہ کہ ادیب نے یگانؔہ کے مکتوب کی اشاعت کی خواہش کا اظہار کر دیا۔ لہٰذا مذکورہ خط 'نیرنگِ خیال' لاہور کو بغرضِ اشاعت بھجوا دیا گیا (ادیب اور یگانؔہ کے درمیان ہوئی گفتگو 'حیاتِ یگانؔہ چنگیزی' کے بابِ سوم میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے) خط چونکہ طویل تھا اور غالب کے 'حواریوں' کا بھی نیرنگِ خیال نے 'خیال' کیا، بہ ایں ہمہ خط شائع نہ ہوسکا۔ دوسری طرف 'ساقی' دہلی نے یگانؔہ کے خلاف مضامین کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مضحک دہلوی کا اکیس صفحاتی مضمون، جواب میں یگانؔہ کی کھلی چھٹی، یگانؔہ کا کارٹون، ماہرالقادری کا بے معنی مضمون، پھر اس کے جواب میں یگانؔہ کی دوسری کھلی چھٹی۔ ان تمام اشتعال انگیز عناصر نے مل کر یگانؔہ کو اس مقام پر لے آیا

کہ جہاں سے 'غالب شکنی' کا دور شروع ہوتا ہے۔ 'غالب شکن' کی شان نزول یہی ہے کہ یگانہ نے اسی مکتوب کو 'غالب شکن' کے عنوان سے کتابچہ کی صورت میں خود شائع کر دیا۔ اور اسے نامور و غیر نامور اردو کے قارئین کو بھجوا دیا۔ مرسلہ حضرات میں ایک صاحب عبدالعزیز بھی تھے جنھیں یگانہ کی سختی پسند نہ آئی۔ انھوں نے ایک خط کے ذریعے اپنی شکایت کا اظہار کیا۔ یگانہ نے اپنا مطمحِ نظر واضح کرنے کے لیے انہیں طویل جوابی خط بھجوایا۔ یہی مکتوب محررہ یکم فروری ۱۹۳۷ء بہ مقام لاتور 'بابِ ششم' میں شامل آخری خط ہے۔ مضحک اور ماہر القادری، نیز ان پر اعتبار کرنے والے شاہد احمد دہلوی (مدیر ساقی) ہی دراصل 'غالب شکن' کے محرک ہیں۔ یگانہ کو زندگی بھر جن پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا ان میں بیش تر حصہ 'غالب شکن' کی پاداش میں تھا۔ اور 'غالب شکنی' کی فردِ جرم مضحک دہلوی، شاہد احمد دہلوی اور ماہر القادری پر عائد ہوتی ہے، چہ جائیکہ تحریر یگانہ کی ہے۔ بلکہ اس ضمن میں یگانہ کا اقرار ہے کہ ''' ساقی' دہلی کا اپریل اور مئی نمبر آپ کی نظر سے گزرا یا نہیں۔ میاں مضحک دہلوی اور بدایوں کے ایک امردلڑکے (ماہر القادری) نے خوب خوب جلے دل کے پھپھولے پھوڑے ہیں۔ پیٹ بھر کے مجھے گالیاں سنائی ہیں۔ میں نے کئی بار ان دونوں کی بکواس کو پڑھا۔ دیر تک ہنستا رہا۔ اچھی خاصی تفریح ہوگئی۔ گویا یہ لوگ غالب کی محبت کا حق ادا کر رہے ہیں۔ کتنے نادان ہیں غریب۔ مجھے سچ مچ غالب کا دشمن سمجھ لیا ہے۔'' (مذکورہ خط بابِ سوم میں شامل ہے) لہٰذا مکرر عرض کرتا ہوں کہ یگانہ کو 'غالب دشمنی' پر اہل لکھنو نے آمادہ کیا، لیکن یہ آمادگی بھی عارضی تھی، جسے شاہد احمد دہلوی نے دائمی بنا دیا۔ اس قیل و قال کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ تعصّباتی عینک کو اتار پھینک، یگانہ کو بہ نظرِ انصاف دیکھا اور پرکھا جائے۔ 'خُذ ما صفا ودَع ما کدِرَ' کے مصداق ان کی شعری قامت کا تعین کیا جائے۔ یہی ضرورتِ وقت بھی ہے اور عدل کا اقتضا بھی۔

بابِ ہفتم:

بابِ ہفتم ''اعتراف یگانہ'' میں کل چار خط شامل ہیں۔ یگانہ شناسی کے ضمن میں یہ باب نہایت اہم کردار ادا کریگا۔ شاعر مشرق علامہ اقبال نے اپنے خط میں یگانہ چنگیزی کی زباندانی کا کھلے طور پر اظہار کیا ہے۔ مذکورہ خط کے اصل یا غیر اصل ہونے کا معاملہ اس لیے بھی در پیش نہیں آسکتا کہ اقبال کے اولین مکتوباتی مجموعے میں اسے شامل کیا گیا ہے۔ یہ مکتوب مکتوباتی مجموعہ ''اقبال نامہ'' حصہ دوم مرتبہ شیخ عطا اللہ لاہور ۱۹۵۱ء صفحہ نمبر ۲۲۷ پر پہلی مرتبہ شائع ہوا۔ شومیِ قسمت سے اس کتاب کا عکس مجھے حاصل نہ ہوسکا، بہ ایں ہمہ اردو اکادمی دہلی کے شائع شدہ ''خطوطِ اقبال'' سے مذکورہ خط حاصل کیا گیا ہے۔ جہاں یہ خط 'اقبال نامہ' کے حوالے سے ہی شائع ہوا ہے۔ اس خط سے متعلق بقیہ تفصیل مشمولہ خط کے ہیڈ نوٹ میں درج کی گئی ہے۔ برادرِ مکرم راغب الدین صاحب (مدیر 'ایوانِ اردو' دہلی) نے بڑے خلوص کے ساتھ مدد بہم پہنچائی ہے۔

پونہ (مہاراشٹر) سے محررہ حضرتِ جوش ملیح آبادی کا خط نیشنل میوزیم کراچی میں محفوظ ہے۔ مذکورہ خط عکسی صورت میں شائع کیا جارہا ہے۔ خط کی بوسیدگی مکتوب خوانی میں سدِ راہ ثابت ہوئی۔ فہیم گوالیاری یگانہ کے قریبی دوست تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ یگانہ لاہور میں رہ کر رسالہ 'المنتظر' کی ادارت سنبھالیں۔ ۲۶ نومبر ۱۹۲۶ء کے محررہ اس خط کے وقت یگانہ بڑی تنگ دستی کے شکار تھے۔ مذکورہ خط نیشنل میوزیم کراچی کے شعبۂ مخطوطات میں محفوظ ہے۔ بابِ ہفتم اور 'حیاتِ یگانہ چنگیزی'' کا آخری خط دوارکا داس شعلہ بنام مولانا ابوالکلام آزاد ہے۔ اس خط سے جہاں یگانہ اور شعلہ کی دلی رغبت ظاہر ہوتی ہے وہیں حضرتِ آزاد کی چشم پوشی عیاں ہے۔ مذکورہ خط کے متعلق بعض ضروری اطلاعات خط کے ہیڈ نوٹ میں درج کی گئی ہیں۔

بابِ ہشتم (انتخابِ کلام):

انتخابِ شاعری کے ضمن میں عرض کروں کہ یگانہ کی کل شاعری ہی 'منتخب' ہے، بہ ایں ہمہ، مجھے بہت زیادہ مشقت کی ضرورت پیش نہ آئی۔ یگانہ کی قلمی بیاضوں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مصرعوں کی ساخت، شعر کی ہیت و تشکل پر وقت بر وقت نظر ڈالتے رہتے تھے۔ بعض مرتبہ یہ بھی محسوس ہوا کہ یگانہ اپنی پرانی غزلوں میں بھی مترادف الفاظ وغیرہ کی تبدیلی کیا کرتے تھے اور ایک طویل عمر کی ریاضت و مشقت کے بعد 'کندن' کی صورت یگانہ کی شاعری ہماری سامنے آتی ہے تو یگانہ کی کل شاعری، ان کا خود کردہ انتخاب ہی کہی جائے گی۔ شعری انتخاب کے ذیل میں، میں نے یگانہ کے سبھی مجموعہ ہائے سخن سے استفادہ کیا ہے اور غزلوں میں شعر کی صحت دیوان کی بجائے ان کی قلمی بیاضوں سے درست کی ہے، امید کہ قارئین اس مختصر انتخاب کو پسند فرمائیں گے۔

نعت:

اردو ادب کی بہترین نعتوں میں یگانہ چنگیزی کی کہی ہوئی نعت شمار کی جاتی ہے۔ کس والہانہ عقیدت میں ڈوب کر نعت کہی گئی ہے یہ اس کے حرف حرف سے عیاں ہے۔ مذکورہ نعت یگانہ کے شعری مجموعہ 'آیاتِ وجدانی' (طبع دوم) مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی ۱۹۳۴ء صفحہ نمبر ۲۶ میں شامل ہے۔ اس سے پیش تر یہی نظم اولین مرتبہ ماہ نامہ 'نیرنگِ خیال' لاہور کے شمارہ بابت فروری مارچ ۱۹۳۱ء 'عید نمبر' میں صفحہ نمبر ۱۲۴ پر شائع ہوئی تھی۔ آیات وجدانی (طبع دوم) کی اشاعت میں یگانہ نے چند مصرعوں پر نظرِ ثانی کر انھیں بہ تبدل شائع کیا تھا۔ جیسے 'نیرنگِ خیال' میں ایک مصرعہ یوں چھپا ہے 'روشن کردے چراغ امید' یہی مصرعہ 'آیاتِ وجدانی' میں یوں شائع ہوا ہے 'روشن کردے شمع امید'۔ ٹھیک ایسے ہی 'نیرنگ خیال' میں ایک مصرعہ 'گم گشتہ ءمنزل سہو و فنا' درج ہے جب کہ 'آیات وجدانی' میں یگانہ نے

اسے یوں کر دیا ہے کہ 'گم گشتہء منزل سہو و خطا'۔ مشفق خواجہ نے 'کلیاتِ یگانہ' میں اس نعت کا زمانہء تصنیف ۱۹۳۰ء متعین کیا ہے جب کہ میرے خیال کے مطابق یگانہ جیسا کثیر الاشاعت شاعر ایک سال تک اپنی اتنی اچھی تخلیق کو گھر لیے نہیں بیٹھ سکتا، بہ ایں وجہ مذکورہ نعت کا زمانہء تصنیف جنوری ۱۹۳۱ء متعین کیا جا سکتا ہے۔ ٹیپ کے بند کا آخری مصرعہ 'اُٹھ مرے کالی کملی والے' شاد عظیم آبادی کے مندرجہ ذیل شعر سے لیا گیا ہے۔ یگانہ کا مصرعہ شاد کے یہاں طویل بحری نعتیہ غزل کی ردیف بنا ہے۔ شعر ملاحظہ کریں،

اپنے گدا کو خود وہ پکارے، اُٹھ مرے کالی کملی والے
اُٹھ مرے عاشق، اُٹھ مرے پیارے، اُٹھ مرے کالی کملی والے

(کلیات شاد عظیم آبادی جلد دوم، مرتبہ کلیم الدین احمد، مطبوعہ دار المطابع پٹنہ جنوری ۱۹۷۵ء صفحہ ۱۸۲) ہر چند کہ شاد کے یہاں آں حضرتؐ کے لیے 'اُٹھ مرے عاشق' مجھ کم علم کی فہم سے بالاتر ہے۔ یگانہ نے کلام شاد کا بالاستیعاب مطالعہ کیا تھا، لہٰذا یہ کہنے میں مجھے کوئی تامل نہیں کہ یگانہ نے شاد سے استفادہ کیا۔ اس نعت کے متعلق والدِ محترم خلیل فرحت کارنجوی کہا کرتے تھے کہ "اس نعت کا عقیدت مندانہ طرز صرف وہی سمجھ سکتا ہے جس نے کبھی سرورِ کائنات ﷺ سے عشق کیا ہو۔ میری ربِ کائنات سے دعا ہے کہ مجھ سے جب بھی کبھی نعت ہو اسی خشوع کے ساتھ ہو جیسی یگانہ کے یہاں دیکھنے کو ملتی ہے"۔ فرحت صاحب نے نعت کہی، اور کیا خوب کہی، ایک شعر ملاحظہ فرمائیں،

مہکا ترے کردار کی خوشبو سے زمانہ ورنہ یہ جہاں عشق سے بیزار بہت تھا

یگانہ کے یہاں ہر ہر مصرعہ سے حضرتِ محمد ﷺ کے لیے والہانہ عشق کا اظہار ہوتا ہے۔ ایسے جیسے عاشق اپنے محبوب سے محوِ گفتگو ہو۔ جیسے کوئی اپنے معشوق سے بہت ادب اور معصومیت کے ساتھ شکایت کر رہا ہو۔ محبت بھرے لہجہ میں اسے پکار رہا ہو۔ مجھے

بتائیں کہ اظہارِ عشق کا اس سے اچھا کوئی اور اسلوب ہو سکتا ہے! یہی یگانہ چنگیزی ہیں جو تاعمر رسولِ ﷺ خدا سے محبت کرتے رہے۔ جنھیں متعدد مقامات پر 'میرے استادِ اعظم صلعم' سے خطاب کیا۔ اور کیا ایسی وارفتگی عشق میں نعت کہنے والا فنکار سبّ و شتمِ رسول کا مرتکب ہو سکتا ہے؟ جی نہیں، یکسر نہیں۔ زمانے کی الٹی چال کا رونا تو خیر کیا روئیں، لیکن باشعور 'رعیت' نے بھی اس معاملہ پر غور نہیں کیا۔ ایک معصوم شاعر جو غریقِ محبتِ رسول ہو کر اتنی پیاری نعت کہتا ہو وہ کس منہ سے گستاخی کرے گا۔ اور کیا یہ منطقی طور پر بھی ممکن ہے! انسانی نفسیات کا اقتضا یہ ہے کہ اگر ہم اپنے کسی عزیز کے متعلق تعریفی کلمات تحریر کر چکے ہیں تو پھر بعد کو اسی کے خلاف مذمتی کلمات عرض کرنے سے پہلے ہزار مرتبہ سوچا جاتا ہے کہ زمانہ کیا کہے گا۔ خود ہمارا ضمیر کیا کہے گا۔ اب یہ تو ہوا ایک انسان کا معاملہ۔ اب آپ غور فرمائیں کہ وہ روّیہ جو ہم کسی انسان کے لیے بھی روا نہ رکھتے ہوں، سرورِ کائناتؐ کے لیے کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے؟ اور پھر یہ بھی قابلِ غور بات ہے کہ وہ ایک 'خاص خط' آج تک بجز مولانا نیاز فتح پوری و مولانا ماجد، کسی نے نہیں دیکھا۔ حتیٰ کہ جب یگانہ کو پولیس جلوس سے تھانہ لے گئی اور ان بد دماغ لڑکوں کو حراست میں لیا گیا اس وقت بھی محض زبانی یہ بات بتائی گئی کہ یگانہ چنگیزی نے 'گستاخی' کی ہے۔ لکھنو پولیس کے ریکارڈ کے مطابق ایسا کوئی خط وہاں پیش نہیں کیا گیا۔ تو کیا ہم ایسے 'ہوائی محل' کے بوتے پر کسی معصوم کو معطون و ملعون کر سکتے ہیں! (معصوم اس لیے بھی کہ حضرتِ یگانہ شاعروں کی تمام 'عاداتِ جمیلہ' سے آزاد تھے۔ نہ کبھی شراب کا مزہ چکھا، نہ کبھی حضرتِ جگر کی طرح کسی طوائف کو گھر لے آئے، جگر کی مانند نہ کبھی اپنی بیوی کو طلاق دی، نہ اصغر گونڈوی کو اپنی بیوی کی ہم شیرہ سے طلاق دینے پر مجبور کیا، پھر دوبارہ اصغر سے اپنی بیوی کا نکاح کروایا، اصغر کی وفات کے بعد اپنی واصغر کی سابقہ بیوی سے نکاح ثانی یا ثالث کیا، نہ کبھی کثیر الازدواج رہنے کے باوجود کسی 'عطیہ فیضی' کے عشق میں گرفتار

ہوئے، نہ کبھی جوشؔ و فراقؔ کی طرح 'عطار کے لونڈے سے دوالی' نہ کبھی جووئے کی پاداش میں جیل خانے کی سیر کی، نہ کبھی برسرِ ملازمت رشوت سے کوئی تعلق رکھا، نہ کبھی سیمابؔ، عبدالحق، جوشؔ و بہتیروں کی طرح ترکِ وطن کیا، نہ کبھی یونیورسٹیوں کے گورکھ دھندوں سے کوئی واسطہ رہا، نہ کبھی 'گزر بسر' کے لیے شاگردوں کی فوج تیار کی اور نہ کبھی کسی 'غیر شریفانہ' حرکت کو پسند کیا، بس ان ہی مختصر وجوہات کی بناء پر میں نے یگانہؔ چنگیزی کو 'معصوم' کہا ہے)

نعت کی بے ساختگی اور گداز سے کسے انکار ہوسکتا ہے۔ مصارع کی پیوستگی، الفاظ کی چستگی اور ایک نوع کا روحانی تسلسل قاری کو وجد میں لانے کے لیے کافی ہے۔ پوری نعت میں کہیں ایک بھی لفظ بھرتی کا نہیں ہے، نیز، ہر بند بلکہ ہر مصرع کا باہمی ارتباط بھی یگانہ کی استادی پر دلالت کرتا ہے۔ کسی قسم کی خوش گمانی، زہد و ورع کے بغیر یہ یگانہؔ ہی کا کمال ہے جو اتنی دل پذیر نعت خلق کرسکے۔

بابِ اول میں شامل مکتوب بنام شعلہؔ میں خط محررہ ۲۲ مئی ۱۹۵۴ء اور ۱۹ دسمبر ۱۹۵۴ء دونوں خط عالی جناب نجیب جمال کی اطلاع کے مطابق شعلہؔ کے نام نہ ہو کر من موہن تلخ کے نام لکھے گئے ہیں۔ دونوں ہی خط قومی عجائب گھر کراچی میں محفوظ ہیں۔ جن کے نمبرات بالترتیب N.M/1963-215/49 اور N.M/1963-214/3 ہیں۔ مزید عرض کروں کہ اول الذکر خط، بابِ اول میں جس کا نمبر شمار ۸۷ ہے، ماہنامہ ساقی کراچی کے شمارہ اگست ۱۹۵۵ء صفحہ نمبر ۳۹ پر من موہن تلخ ہی کے نام شائع ہوا ہے۔ اس وقت یگانہؔ حیات تھے۔ اور بغیر اطلاع نجی خطوط کی اشاعت سے نالاں بھی تھے۔ ثانی الذکر خط، جو اس مجموعہ میں ۹۳ نمبر شمار رکھتا ہے، نقوش لاہور خطوط نمبر ۱۹۵۷ء کے صفحہ نمبر ۵۳ پر مکتوب الیہ کے نام کے بغیر شائع ہوا۔ اب ان دونوں خطوں کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ مرحوم مشفق خواجہ کے مرتبہ 'تخلیقی ادب ۲' میں یہ دونوں خط بنام شعلہؔ صفحہ نمبر ۵۲۱ اور ۵۲۵ پر شائع کیے گئے۔ خرابیِ تقدیر

سے اس وقت میری تحویل میں ماہنامہ ساقی کراچی کا متذکرہ شمارہ نہیں ہے،اور نہ قومی عجائب گھر کراچی سے مجھے ان خطوں کے عکس حاصل ہو پائے، کہ جس سے میں کسی حتمی فیصلے پر پہنچ پاتا۔ 'تخلیقی ادب۔۲' (۱۹۸۰) کے بارہ سال بعد اسی گوشہ ء یگانہ کا مواد آصف پبلکیشنز علی گڑھ کے تحت بعنوان ''یگانہ چنگیزی شخصیت وفن'' مشفق خواجہ نے شائع کیا۔ خطوط بنام شعلہ میں مذکورہ دونوں خط بھی شامل کیے گئے۔ میرے دورۂ پاکستان کی ناکامی نے یہ تمام الجھنیں پیدا کر دی ہیں۔ بہ ایں ہمہ خیال کیا کہ سرِدست انھیں شعلہ کے خانے میں رکھا جائے، لہٰذا دونوں خط فی الحال بنام شعلہ ہی متصور فرمائیں۔ آئندہ ایڈیشن سے قبل کوشش کی جائیگی کی اس کا ازالہ کیا جائے۔ ان تمام کے علاوہ کچھ اور اہم خطوطِ یگانہ کی اطلاعات میں نے حاصل کی ہیں۔ ان تک رسائی کی کوششیں جاری ہیں۔ ''حیاتِ یگانہ چنگیزی'' کی دوسری اشاعت میں انشااللہ ضرور اضافہ کیا جائے گا۔

یگانہ آرٹ

"ماهلك امرو "عرف قدر نفسه"
(جس آدمی نے اپنی قدر پہچان لی وہ کبھی برباد نہ ہوگا)

(آں حضرتؐ)

امام الغزل ابوالمعانی میرزا یگانہ چنگیزی کے فن کا جائزہ لیا جائے تو میں نہایت اعتماد و سنجیدگی کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ یگانہ کے عہد سے اردو شاعری کی گزشتہ دو سو سالہ تاریخ میں یگانہ ایک بالکل چونکا دینے والی آواز بن کر سامنے آئے۔ اردو غزل 'اسم با مسمیٰ' کا کردار نبھاتے ہوئے دو سو سال سے ایک ہی رنگ و آہنگ میں اپنا سفر طئے کرتی آرہی تھی۔ خواجہ حالؔی کے بیانات محض کاغذی کاروائی کے طور پر ہی دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔ عملی طور پر اردو شعراء اس وقت تک اسی گھسی پٹی روش پر گامزن تھے جس کی ابتداء ولی دکنی، عزلت سورتی، شاہ حاتم دہلوی وغیرہ سے ہوتی ہے۔ غالبؔ کے گزرنے کو پندرہ برس

بیت گئے تھے۔اور غالبؔ نے اردو شاعری میں جو انقلاب برپا کیا تھا، بس وہی ایک راستہ اہلِ اردو کے نزدیک 'جدید' باقی رہا تھا۔کل ملا کر ہندوستان بھر کے شعراء نے اسی ایک راستے کی تقلید 'فرضِ عین' تسلیم کر لی تھی۔ایسے میں بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں یگانہ چنگیزی نے ایک نئی عمارت کی بناء رکھی۔ابتداء میں خواجہ آتش کے رنگ میں شعر کہنے کے بعد یہ شیوہ بھی یگانہ کو بہت زیادہ مفید نہ معلوم ہوا اور یہیں سے اردو شاعری کو ایک نیا موڑ 'یگانہ' کی صورت میں ملتا ہے۔

اردو شاعری کو پہلی مرتبہ کسی شاعر نے محض وارداتِ قلب کی سطحیت سے آزاد کرنے کا نظریہ سامنے رکھا۔گوشت و پوست میں غرق اردو شاعری کو دقیانوسی زنجیروں سے آزاد کرنے کا ایک منضبط لائحہ عمل یگانہ نے اپنی شاعری کے ذریعے پیش کیا۔وجودی شاعری کا زندہ اور توانا پہلو یگانہ کے طفیل اردو شاعری کو نصیب آیا۔فرد اور عظمتِ فرد کو اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ شاعری کے میدان میں داخل کیا گیا۔اور یہ تسلیم کرنے پر اہلِ اردو مجبور ہوئے کہ شاعری محض عشقیہ معاملہ بندی، سرمستی رندی اور قصیدہ خوانی تک محدود نہیں بلکہ اور بھی کچھ ہے۔اور اسی 'اور بھی کچھ' کو یگانہ نے شعری تہہ داری کے ساتھ غزل میں جائز مقام دلایا۔معرفت اور مجاز کے درمیان حدِ فاصل کھینچنے میں مصروف شعرائے اردو کے لیے یگانہ کا وژن بالکل انوکھا رہا۔بلکہ اول اول ناقابلِ ہضم۔لیکن زمانہ جانتا ہے کہ جدید شاعری کے امام یگانہ چنگیزی کی قربانیاں داخلِ نصاب نہ ہوتیں تو ہمیں شکیب جلالی، زیب غوری، ندا فاضلی، افتخار عارف، شجاع خاور و اسی قبیل کے دیگر شعراء کی شاعری قطعی پسند نہ آتی۔

ایمان کی بات یہ ہے کہ یگانہ کی شاعری ہمیں زندگی جینے کا فن سکھاتی ہے۔کم زور لمحوں میں ہمیں حوصلہ بخشتی ہے۔ہماری ڈھارس بندھاتی ہے۔یہی یگانہ کی شاعری کا

ماحصل ہے۔ خود کے لیے نئی راہ تیار کرنے اور پھر اس کی عظمت وانفرادیت زمانے سے منوانے میں یگانہؔ کو بڑی قربانیاں دینی پڑیں۔ یگانہ کی کیفیت بقول خلیل فرحتؔ کارنجوی مرحوم،

ذوقؔ کے دور میں غالبؔ کا طرفدار ہوں میں
بے تکلف مجھے سولی پہ چڑھایا جائے

کی سی ہے۔ یگانہؔ کے وقتوں میں لکھنوی تہذیب اور لکھنو اسکول پر مرثیہ کا کچھ اس طور غلبہ تھا کہ ہر صنفِ سخن سے 'مرثیہ پن' جھلکتا تھا۔ یاسیت، قنوطیت سے اردو شاعری لبریز تھی۔ ہر عاشق درِ جاناں پر مرجانے کو زندہ رہنے پر مقدم جانتا تھا۔ گلدستوں اور طرحی مشاعروں میں محض پینترے بازی اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے جنون نے اردو شاعری کی صورت ہی کچھ اور کر دی تھی۔ یگانہؔ نے ان تمام گورکھ دھندوں سے پاک، صاف ستھری اور بامعنی شاعری سے اردو ادب کو روشناس کیا۔ ایک ایسی شاعری جو انسانیت کے لیے اکسیر ہو، ایک ایسی شاعری جہاں فرد کے زخموں پر مرہم لگایا جاتا ہو۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی کے متعینہ اصولوں کو اس وقت تک کسی نے خود پر منطبق نہیں کیا تھا۔ یگانہؔ کی شاعری خواجہ حالیؔ کے نافذ کردہ قوانین سے میلوں آگے بڑھ گئی۔ اہل زمانہ اس انقلاب سے چونک پڑے کہ، یہ کون حضرتِ آتشؔ کا ہم زباں نکلا۔

یگانہؔ کی شاعری کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ ان کی آواز اپنے پیش رووٗں یا ہم عصروں، سبھی سے جداگانہ ہے۔ یگانہؔ کا شعر کسی دوسرے کے خانے میں رکھا نہیں جاسکتا اسی لیے انتسابِ شعر کے معاملے میں یگانہؔ کا کوئی ایک شعر بھی تا حال کسی اور شاعر سے منسوب نہیں کیا جاسکا ہے۔ اس کے برعکس آپ جگر، اصغر، سیماب، فانی، عزیز، ثاقب وغیرہ کے سیکڑوں اشعار یہاں وہاں خلط ملط پائیں گے۔ کلام کی یہی انفرادیت یگانہؔ کی شناخت کا

وسیلہ ہے۔ان کی آواز ان کی اپنی ہے، وہ کسی کے لہجہ کی جگالی نہیں کرتے۔ میرے مربی ندا فاضلی صاحب یگانہ چنگیزی کے ساتھ ساتھ مرحوم خلیل فرحت کارنجوی کے متعلق اکثر فرماتے ہیں کہ 'بڑا شعر کہنا بڑی بات نہیں ہے بلکہ اپنا شعر کہنا بڑی بات ہے' اور یہی 'اپنا شعر' یگانہ کو اردو شاعری میں حشرات الارض کی مقدار میں موجود شعراء کی بھیڑ سے مستثنیٰ کرتا ہے۔

یگانہ نے اردو شاعری کو زنانہ پسپائیت سے یکسر آزاد کر دیا ہے۔ان کی شاعری مردانہ آہنگ کی لے بلند کرتی ہے۔مرادنہ اور دلیرانہ جذبات کو یگانہ کچھ اس ڈھب سے شعری جامہ پہناتے ہیں کہ قاری و سامع جوش و انبساط کی سی کیفیت محسوس کرنے لگتا ہے۔یگانہ کے یہاں افسردگی، لاچارگی، یاسیت، شکست خوردگی وغیرہ حوصلہ شکن مضامین عنقا ہیں۔اس کے بدلے یگانہ کی شاعری ولولہ، غیرت، خودداری، حوصلہ کی تعلیم دیتی ہے۔ ہم فرد کے غموں کا مداوا یگانہ کی شاعری میں تلاش کر سکتے ہیں اور یقین جانیے کہ اس تلاش میں مایوسی نہیں ہوگی۔حقائق زندگی کے اظہار پر یگانہ کی زبردست گرفت ہے۔اردو شاعری میں حقائق زندگی کو اس بڑے پیانے پر یگانہ سے قبل کسی نے بروئے کار نہیں لایا۔یگانہ کی فکری بلندی نے معاملاتِ زیست کی سطحیت کو بھی ارفع مقام عطا کیا ہے۔ان کے یہاں بہت چھوٹی سی بات بھی چھوٹی معلوم نہیں پڑتی۔اظہار اور تخلیق پر یہی قدرت یگانہ کو سربلندی فراہم کرتی ہے۔مصائبِ زمانہ کے یگانہ شاکی ضرور ہیں تاہم ان سے نمٹنے کا فن ان کی شاعری سے عیاں ہے۔حالات کی سختی اور ناہمواری وقت میں یگانہ کے اشعار ایک سچے دوست کا کردار نبھاتے ہیں۔اور محض ہمیں سنبھالا ہی نہیں دیتے بلکہ لبِ ساحل تک پہنچنے کا راستہ بتاتے ہیں۔یہی بے پناہ انسیت یگانہ کی شاعری سے قاری کا رشتہ استوار کرتی ہے۔ اور وہ حیرت، تاسف وگم گشتگی کے بھنور سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔یہی یگانہ کی شعری کامیابی ہے۔

تخیل کی بلندی، لہجہ کی ندرت اور زبان پر قدرت، یہ تینوں صفات کسی ایک شاعر میں موجود ہوں، اردو شاعری میں اس کی مثالیں بہت کم دیکھنے کو ملتی ہیں۔اس قبیل میں غالبؔ، داغؔ، امیر اور بلاشبہ یگانہؔ چنگیزی کو دیکھا جا سکتا ہے۔ذوقؔ دہلوی کے بعد اردو شاعری میں محاورے کے صرفِ بامحل کا سہرا یگانہؔ ہی کے سر جاتا ہے۔معاف کیجیے گا ذوقؔ کے یہاں کئی مقامات پر میں نے یہ بات شدت سے محسوس کی ہے کہ شعر محض محاورہ کے استعمال کے لیے کہا گیا ہے۔اس کے برعکس آپ یگانہؔ کی شاعری میں محاورات کا اصراف ملاحظہ فرمائیں، یوں لگتا ہے جیسے محاورہ ہی شعر کے لیے بنا ہو۔محاورہ دراصل ایک بے جان شئے کا نام ہے، ایک سچا فنکار اپنی برجستگی اور صرفِ بامحل سے محاورہ میں جان بھر دیتا ہے۔یہی وصف یگانہؔ کی شاعری کو منتہائے خصوص تک پہنچا دیتا ہے۔چنداں محاورے تو کچھ یوں نظم ہوگئے ہیں کہ اس کے بعد ممکن نہیں۔غرض کہ 'من گفتم ومحاورہ شد' کی سی کیفیت رہتی ہے۔یگانہؔ کی حیات میں ان کے مخالفین بھی اس بات کا اعتراف کرتے تھے کہ انھیں زبان پر بڑی قدرت حاصل تھی۔فارسی، اردو اور انگریزی ادب کے کثیر مطالعہ نے جہاں زبان میں پختگی بخشی وہیں بیان بھی پراثر ہوگیا۔ٹھیٹ اردو کے الفاظ بھی یگانہؔ ہی کے طفیل داخلِ غزل ہوئے اور وہ بھی اس شان سے کہ بایدوشاید۔عوام تو خیر جانے دیجیے، خواص اور اساتذۂ فن بھی اپنے روزمرہ میں جن الفاظ کا استعمال کرتے تھے انھیں غزل میں شریک کرنا گناہِ کبیرہ گردانتے تھے۔یگانہؔ نے روزمرہ کے الفاظ کو غزل میں یوں برتا کہ ایسے خشک اور سماعت پر بار محسوس ہونے والے الفاظ بھی مزہ دینے لگے۔ایمان کی بات یہ ہے کہ عامیانہ الفاظ بروئے کار لانے پر بھی یگانہؔ کے ٹھیٹ اردو کے الفاظ 'بازاری' نہیں معلوم پڑتے۔عمر بھر کی مشاقی اور قادرالکلامی نے ایسے لفظوں کی 'ثقلیت' کو زائل کردیا۔اور غزل کی لفظیات میں ایک زبردست اضافہ کا موجب ہوا۔

یگانہؔ کی شاعری میں اپنے پیش رووٗں کی مانند نسوانی نازکی و نرمی، غیر ضروری ناز و ادا، بل کھاتی ہوئی شعری چال وغیرہ دکھائی نہیں دیتی۔ ان کے یہاں کھردرے پن، احتجاج، درشتگی کی ان کی اپنی تیار کردہ فضاء ہے جو کسی اور نے نہیں برتی گویا یگانہؔ اپنی بوطیقا لیے سفر کرتے رہے۔ لیکن اس احتجاج میں فنی رمق بھی ہے، وگرنہ احتجاجی شعراء کے یہاں 'احتجاج' محض چیخ و پکار بن کر رہ جاتا ہے۔ ندائے باغیانہ کے چکر میں شعر کی معنویت کہیں گم ہو جاتی ہے اور کلی شاعری اکہرے پن اور خشکی کی شکار ہو جاتی ہے۔ یگانہؔ کی شاعری ایسے کسی بھی عیب سے پاک ہے۔

اردو غزل کی تاریخ میں غالبؔ، آتشؔ اور اقبالؔ کے بعد انفرادی لفظیاتی تشکیل صرف یگانہؔ کے یہاں دیکھنے کو ملتی ہے۔ زبان اور اس کا رچاؤ، اور ان دونوں خصوصیات کو اپنے قطعی نئے موضوعات میں خوش سلیقگی کے ساتھ جس طرح یگانہؔ نے برتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ حال آنکہ محض 'زبان' کے نام پر اپنی دوکانداری چلانے والے شعراء کے یہاں 'لچھے دار زبان' تو ضرور مل جاتی ہے تاہم اس چکر میں شعری پہلو خشک ہو جاتا ہے۔ اور شعر دیرپا اثر چھوڑنے سے قاصر رہتا ہے۔ غالبؔ، آتشؔ اور یگانہ متذکرہ دونوں ہی صفات پر یدِ طولیٰ رکھتے ہیں اور اسی لیے ان کی شاعری کا جادو اتنے برس بعد بھی سر چڑھ کر بول رہا ہے۔

مصرعوں کی ساخت پر یگانہؔ بے حد توجہ دیتے ہیں۔ ان کے یہاں کوئی مصرعہ لکنت کا شکار محسوس نہیں ہوتا۔ سجے سجائے اور ڈھلے ڈھلائے مصرعوں کو پڑھ کر طبیعت جھوم اٹھتی ہے۔ سلاست اور روانی کا وہ عالم ہے کہ گمان پڑتا ہے کہ جیسے پوری غزل غیب سے اتاری گئی ہو۔ کہیں کسی شعر میں جھول، بے جا اضافتیں، نامانوس تراکیب، دور از قیاس استعارات وغیرہ کو دخل نہیں ہے۔ ان کے ہر شعر سے استادانہ شان جھلکتی ہے۔ رموزِ شاعری

سے مکمل آشنائی نے یگاؔنہ کی شاعری کو 'سند' کا درجہ دے دیا ہے۔فن کی باریکیوں پر قدرت رکھنے کے باوجود ان کی شاعری بوجھل نہیں لگتی۔ وگرنہ اس قماش کے بیش تر شعراء کے اشعار بطور 'سند' تو پیش کیے جاسکتے ہیں لیکن 'پسند' نہیں کیے جاسکتے۔

اردو شاعری کی تثلیث رندی، عاشقی اور تصوف سے قطعی مختلف طرزِ فکر رکھنے والے یگاؔنہ نے اپنے بعد کی نسلوں کے لیے ایک نئی راہ فراہم کر رکھی ہے۔اس اعتبار سے دیکھیں تو یہ اعزاز اردو شاعری میں دو ہی شاعروں کے حصہ میں آیا ہے۔اول غالبؔ دوم یگاؔنہ۔غالبؔ نے اپنے پیش روؤں کے موضوعِ اظہار اور طرزِ اظہار سے انحراف کیا۔ٹھیک اسی طرح یگاؔنہ نے غالبؔ کے موضوعات اور طریقہ ہائے اظہار سے انکار کیا اور نئی طرز ایجاد کی۔ مطلب یہ کہ غالبؔ نقش اول ہیں اور یگاؔنہ نقش ثانی۔غرض کہ یگاؔنہ کی شاعری 'رجحان ساز' ثابت ہوئی۔اور اسی آواز کی گونج شاد عارفی و نئی نسل کے دیگر احتجاجی شعراء کے یہاں سنائی دی۔

یگاؔنہ اظہار کو معنی پر مقدم جانتے ہیں۔ان کی شاعری پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اظہار کی سطح پر ان کے یہاں مشاقی اور تازہ کاری دکھائی پڑتی ہے۔میرا ایمان ہے کہ کسی بھی شاعر کے ہر شعر میں کچھ نہ کچھ معنی تو نکل ہی آتے ہیں، سوال یہ ہے کہ معنی کے علاوہ اظہار کی سطح پر بھی کچھ نیا پن ہے یا نہیں؟ ایک معمولی سے خیال کو مناسب و موزوں اظہار کے پیرائے میں پیش کیا جائے تو شعر دو آتشہ ہو جاتا ہے۔وگرنہ بلند خیال بھی پست اظہار کی بناء پر رفعت حاصل نہیں کرسکتا۔ بلند آہنگی اور بیان کا زور اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یگاؔنہ اظہار کے معاملہ میں سنجیدگی سے کام لیتے ہیں۔

اردو شاعری میں رباعی یگاؔنہ کی حاضری تک محض ادق مضامین، فلسفیانہ معاملات اور تشکیک وعقیدہ کے اظہار کا ذریعہ تھی۔یگاؔنہ نے پامردی کے ساتھ اس بیش قیمتی صنفِ سخن

کا دائرۂ موضوعات وسیع کیا۔انسانی پراگندگی، زمینی مسائل، شکست و ریخت، سماجی افترا پردازیاں وغیرہ سے متعلقہ مضامین کو یگانہ نے اپنی رباعی میں شایان شان مقام عطا کیا۔ موضوعات کا تنوع، مردانہ کس بل اور فکر کی انفرادیت نے یگانہ کی رباعیوں کو ایک خاص مرتبہ بخشا ہے۔وہ غزلوں کے ساتھ ساتھ رباعیوں میں بھی مکر وفریب کے آبِ زلال کی بجائے صدق و صفا کے تیزاب کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔اور خیال کرتے ہیں کہ معاشرتی زنگ آلودگی اسی تیزاب سے زائل ہوسکتی ہے۔معارفانہ بلند خیالی اور اخلاقیات کے مضامین بھی یگانہ کی رباعیات میں نرالی شان سے نظم ہوئے ہیں جنھیں پڑھ کر بلاشبہ 'حکایاتِ سعدی' کی طرح بوریت محسوس نہیں ہوتی۔

اخیر میں ایک اہم نکتہ جسے ابتداء میں زیرِ بحث لایا جانا چاہیے تھا لیکن میں نے قصداً اسے خاتمہ پر جگہ دی وہ ہے یگانہ کی خود پسندی۔جس نے کہیں کہیں یگانہ کی شعری فضا کو بے طرح متاثر کیا ہے۔اس ضمن میں عرض کروں کہ اہلِ نظر 'خود پسندی' اور 'خود پرستی' کے فرق سے خوب آشنا ہیں۔اردو شاعری سے کسی ایک شاعر کی بھی مثال ایسی نہ ملے گی جو خود پسند نہ واقع ہوا ہو۔بلکہ میں عرض کرتا ہوں کہ لفظ 'تعلّی' اردو اور فارسی شاعری ہی کی دین ہے۔یہاں ہر شاعر خود پسند، ہر دانشور خودنگر، ہر نقاد خودسر، ہر ادیب خود بین ہے۔لہٰذا یگانہ چنگیزی کو محض 'خود پسندی' نامی گناہِ معصوم کی پاداش میں نظر انداز کرنا میرے نزدیک بجز کور چشمی اور کچھ نہیں۔اردو شاعری کی ابتداء سے تاحال شعراء کے فطری اور فکری مزاج پر غور کیا جائے تو شیخ قلندر بخش جرأت کی بے جا اکڑ، خواجہ آتش کی بے باکی، میر کی 'مستند ہے مرا فرمایا ہوا' کی سی خود شناسی، خواجہ میر درد کے یہاں 'من وتو' کی دوئی مٹ کر 'من' کی ساخت، غالب کی 'الٹے پھر آئے' والی سرشت، اقبال کی 'خودی'، غرض کہ کل اردو شاعری میں 'خود پسندی' جزو لاینفک کی حیثیت رکھتی ہے۔تناسب مختلف ہوسکتا ہے۔تاہم یگانہ کے

ماسوا سبھی کا احساس برتری 'تعلّی' کہلایا جاتا ہے اور یگانہ کے لیے ہم اسی 'جذبے' کو 'خود پرستی' کا نام دے دیتے ہیں، میری اپنی دانست میں یہ حضرتِ یگانہ پر ظلم کے مترادف ہوگا۔ یگانہ چنگیزی کے فن پر مشاہیرِ ادب کی گراں قدر آراء ملاحظہ فرمائیں۔

''یگانہ کا نمایاں وصف یہ ہے کہ فلسفیانہ شاعری اور حقائقِ زندگی کے دقیق مضامین کو موضوعِ سخن قرار دے کر وہ غزل کا اندازِ بیان اور غزل کی زبان کسی شعر میں ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ کسی غزل میں کوئی شعر ایسا نظر نہیں آتا جو خشک سے خشک مضمون کو بیان کرنے کے باوجود غزل کے انداز سے بیگانہ ہو۔ غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ شعر میں اس وصف کا پیدا کرنا اس میدان میں فی الحقیقت بہت مشکل کام ہے''۔ شاگردِ داغ علامہ جوش ملسیانی (میرزا یگانہ چنگیزی، مطبوعہ آجکل، یکم اپریل ۱۹۴۵ صفحہ نمبر ۸)

''یگانہ پہلا شخص تھا جس نے لکھنو کے روتے اور بسورتے رنگِ تغزل پر کاری ضرب لگائی اور یہ کہنا غالباً غلط نہ ہوگا کہ یگانہ ہی نے سب سے پہلے اپنے زمانے کے لکھنوی شاعروں کے اُس رنگِ تغزل کو بدلا جو اپنا اصلی رنگ چھوڑ کر بے تمیزی کے ساتھ غالب کی تقلید پر آمادہ ہوگئے تھے۔ یگانہ نے غالب کے متعلق جو کچھ لکھا، میں اسے ردِ عمل سمجھتا ہوں اس شدید مخالفت کا جو لکھنوی مقلدین کی طرف سے یگانہ کے باب میں ظاہر کی گئی اور جسے یگانہ ایسے حساس آدمی کے دماغ کو واقعی بری طرح متاثر کرنا چاہیے تھا، ورنہ یگانہ کی فطرت شاید اس کو گوارا نہ کرتی۔ یگانہ کی شاعری حسن و عشق کا وہ مرقع نہیں ہے، جس میں محبت کی فتادگی، خواری و تذلل تک پہنچ جاتی ہے بلکہ اس میں ہمیں ایسے عشق خوددار کی جھلک نظر آتی ہے جس کا سینہ تو ضرور خونچکاں ہے لیکن لب پر آہ و فغاں نہیں ہے۔ ایسے جواہر ریزوں کی ان کے یہاں کمی نہیں ہے۔'' علامہ نیاز فتح پوری (بزمِ نگار نمبر، ماہنامہ 'نگار' لکھنو، جنوری فروری ۱۹۴۱ صفحہ نمبر ۲۲۲)

''میرزا یاسؔ یگانہ اردو غزل میں پہلے شخص ہیں جن کی شاعری میں وہ کس بل محسوس ہوتا ہے جس کو ہم صحیح اور توانا زندگی سے منسوب کرتے ہیں۔اس سے پہلے بھی میں کسی موقع پر کہہ چکا ہوں کہ یگانؔہ پہلے شاعر ہیں جو ہم کو زندگی کا جبروتی رخ دکھاتے ہیں اور ہمارے اندر سعی و پیکار کا ولولہ پیدا کرتے ہیں۔غزل کو جواب تک صرف حسن و عشق کی شاعری سمجھی جاتی رہی ہے یگانؔہ نے زندگی کی شاعری بنا دیا ہے اور انسان اور کائنات کی ہستی کے رموز اشارات کو اپنی غزلوں کا موضوع قرار دیا ہے۔میرے کہنے کا یہ مقصد نہیں کہ ان کے ہاں حسن و عشق سے متعلق اشعار نہیں ملتے، ملتے ہیں مگر ان میں بھی حسن و عشق کا احساس عام اور عالم گیر زندگی کے احساس میں سمویا ہوا ہوتا ہے۔'' پروفیسر مجنوںؔ گورکھپوری (غزل اور عصر جدید، مطبوعہ 'نگار' لکھنو، جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ نمبر ۵۰)

''میرزا یاسؔ عظیم آبادی اردو کے مشہور شعراء میں ہیں۔یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ میرزا یاس یگانہ اپنے وقت کے ایک کامل شاعر ہیں، ان کے خیالات بلند، زبان صاف ستھری، ترکیبیں چست اور کلام حشو و زوائد سے پاک ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ لکھنو کے طرزِ شاعری میں ان کے ہنگاموں کے باعث مفید انقلاب پیدا ہوا ہے۔غزلیات کے ساتھ ان کی ہر رباعی زبان کی صفائی اور روزمرہ اور محاورات کی برجستگی اور ترکیبوں کی چستی کے لحاظ سے قابلِ داد ہے۔ایسا نہ سمجھا جائے کہ ان کی رباعیوں کے مضامین صرف 'فلسفہء خودی' کی تشریح پر مشتمل ہیں، بلکہ 'انفس' کے بعد 'آفاق' کا فلسفہ بھی ان میں جا بہ جا بیان کیا گیا ہے، کہتے ہیں اور کیا خوب کہتے ہیں۔'' سید سلیمان ندوی (تبصرہ بر 'ترانہ' مطبوعہ 'معارف' اعظم گڑھ، شمارہ نمبر ۴ جلد ۳۳، اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ نمبر ۳۱۴)

''یگانہؔ چنگیزی نے چند مخصوص وجہوں کے سبب صحتِ زبان، لطفِ محاورہ کی طرف زیادہ توجہ کی ہے اور اس میں نمایاں کامیابی بھی حاصل کی ہے۔ان کی شاعری کی

دوسری خصوصیت زور، شگفتگی اور انبساط ہے۔قنوطیت کا نام ونشان نہیں۔ان کا لہجہ بلند اور آوازخوش آئند ہے۔'' پروفیسر کلیم الدین احمد (بزمِ نگار، مطبوعہ 'نگار'، جنوری ۴۲ء صفحہ نمبر ۱۸)

''یگانہ کا آرٹ مینا کاری کا آرٹ نہیں ہے۔ان کے یہاں نازک جذبات بھی زورِ بیان کے تیکھے پن کے ساتھ آتے ہیں اور ان کا یہی کارنامہ ہے کہ انھوں نے آتش اور غالب کی زمین میں بلند پایہ غزلیں کہی ہیں جو نہ تو ان شعراء کی آوازِ بازگشت ہیں اور نہ صدا بہ صحرا بلکہ ان میں آواز کی تیزی اور سوز وگداز کی آنچ کے ساتھ زندگی کا ولولہ بھی پایا جاتا ہے جسے ہم یگانہ آرٹ کہہ سکتے ہیں۔یگانہ آرٹ سنگ تراشی کا آرٹ ہے۔ان جاندار پتھروں میں ذہن کے مختلف موڈ کی بے شمار کیفیتیں اور فکر کی تصویریں دل کی دھڑکنوں کے ساتھ ابھر آئی ہیں۔اور یہ بھی معجز نما شخصیت کا پرتو ہے۔یگانہ نے اردو شاعری کو جو ولولہ بخشا ہے وہ سرکشوں کی پوری داستان کا عنوان بن سکتا ہے۔اگر اقبال کی شاعری بقول سرور صاحب 'ارضیت کا عہد نامہء جدید' ہے تو یگانہ کی شاعری اردو میں ایک باغی کا پہلا کامیاب شعری رجز ہے۔جس کی بنیاد 'مانگے کے اجالے' پر نہیں رکھی گئی تھی بلکہ جس کا سرچشمہ خود یگانہ کی شخصیت تھی۔اردو غزل میں میر اور غالب کے بعد تیسرا نام جو سب سے زیادہ احترام اور اہمیت کا مالک ہے، وہ یگانہ کا ہے۔'' باقر مہدی (یگانہ آرٹ، مطبوعہ 'آجکل' دہلی، مئی ۱۹۵۶ء صفحہ نمبر ۱۵)

''سن ۵۳ء کے کسی دن اخبار میں خبر پڑھی کہ یگانہ کا جلوس نکالا گیا تو میں نے محسوس کیا کہ تاریخ کی کتابوں میں جو واقعہ منصور حلاج کے نام سے پڑھا تھا وہی اخبار میں پڑھ رہا ہوں۔واقعہ یہ ہے کہ اردو شاعری کو نیا موڑ دینے کے صلہ میں یہ 'کانٹوں بھرا تاج' صرف یگانہ ہی پہن سکتے تھے۔یگانہ کی شاعری حریر واطلس وکمخواب والے چغہ داروں کی آسائش والی شاعری ہرگز نہیں ہے۔اور نہ یگانہ شاعری میں آسمان کے تارے توڑ لانے

کے مضامین کو وقعت دیتے ہیں، ان کی آواز ایک پر امید و اعتماد فرد کی آواز ہے۔ زمینی اضطراری کیفیت کی چارہ گری نہ غالب کر سکتے ہیں اور نہ اقبال۔ یہ امکانات تو یگانہ کی شاعری میں نظر آتے ہیں۔ پارکھی لوگ اس سے خوب لطف اٹھاتے ہیں اور ضرورت سے زیادہ سیانے چہ می گوئیاں کرنے لگتے ہیں۔ کسی علمی نکتے پر جاہل کی حیرت انگیزی بھی دلیل کامرانی ہوتی ہے، یہی یگانہ کی کامیابی کا بالواسطہ وسیلہ ہے کہ بے بضاعت حضرات ان کی شاعری پڑھ کر 'کھمبے نوچنے' لگ جاتے ہیں''۔ مرحوم خلیل فرحت کارنجوی (راقم سے دوران گفتگو فرمائے گئے ارشادات)

''میرزا یگانہ چنگیزی بلا شبہ اس دور کے نہایت عظیم غزل گو شعرا میں سے ہیں۔ عظمت کا لفظ اگرچہ اس دور میں اپنی معنویت کھو چکا ہے لیکن میرزا یگانہ کی غیر معمولی شعری صلاحیتوں کے پیش نظر ان کی عظمت پر شک کرنا ادبی خیانت کے مترادف ہے۔ یاس کی غزلوں کا لب ولہجہ ہمارا ادبی وتہذیبی ورثہ ہے۔ ہم نئی نسل کے شاعروں کو ان کے کلام کی صحت مند اور توانا روایات کو اپنانے کے لیے کسی تعصب اور بغض کے بغیر غیر متعلقہ امور کو بھلا کر اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔'' نریش کمار شاد (یاس کی خود پرستی، مطبوعہ 'نیا دور' لکھنو، جولائی ۱۹۶۱ صفحہ نمبر ۳۲)

''یاس سے یگانہ اور یگانہ سے چنگیزی بننے کا ادبی سفر خود یگانہ کی ادبی زندگی کا ہی نہیں اردو ادب کی تاریخ کا بھی اہم واقعہ ہے۔ اس واقعہ کی تشکیل میں کئی اہم چہرے شامل ہیں۔ یگانہ کی زندگی کے یہ مختلف ادوار جو ان کی غزلوں، رباعیوں اور مضامین میں نمایاں طور پر جھانکتے نظر آتے ہیں اب غالب کے بعد غالب جیسی تخلیقی توانائی کی دوسری مثال ہے۔ یگانہ کا عہد غزل کا سنہری دور تھا، حسرت، فانی، جگر، اصغر اس دور میں صنفِ غزل کے روشن ستارے تھے۔ یہ سبھی اچھے شاعر تھے لیکن جو زبان ایک طویل تاریخی سفر طے کر چکی

ہوتی ہے اس میں اچھا شعر کہنا بڑی بات نہیں ہے اپنا شعر کہنا بڑی بات ہے۔ یگانؔہ کا امتیازی وصف یہی ہے کہ انھوں نے بھی غالب کی طرح اپنے دیکھے ہوئے اور اپنے جیے ہوئے پر اپنی شاعری کی بنیاد رکھی۔ یگانؔہ نے اپنے شعر کہے جو موضوع، برتاؤ اور اظہار کے لحاظ سے اپنے ہم عصروں کے اجتماع میں الگ سے نظر آتے ہیں۔ ان کی غزلوں کا مرکزی کردار زمین کی سختی اور آسمان کی دوری کو تصوف اور حسن و عشق کے کھلونے سے بہلاتا نہیں، ان سے آنکھ ملاتا ہے اور ٹکراتا ہے۔ یگانؔہ کی شعری شناخت ان کے عہد میں ممکن نہیں تھی۔ اس کو نئے دور کا انتظار تھا جواب پورا ہو چکا ہے۔" ندؔا فاضلی (مکتوبِ ندؔا بنام خاکسار)

غرض کہ یگانؔہ چنگیزی کی شاعری آنے والے وقت کے لیے نوید بہار کا کام کرتی رہی جو بہ زمانہ ٔ خزاں دی جاتی ہو۔ پھر چاہے وہ غزل کے نصاب میں نئے موضوعات کی شمولیت ہو، یا ٹھیٹ اردو کے الفاظ کی شرکت، یا فرد کو مکمل اکائی کی طرح سمجھنے، اس کے مسائل کا حل تلاش کرنے اور اس پر دستِ ہمدردی پھیرنے کے ذیل میں ہو، یگانؔہ کی خدمات سے اردو ادب انکار نہیں کر سکتا۔

حمد

'مَن عرف نَفسہ عرف رَبہ' (آں حضرتؐ)

(جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا)

بجز ارادہ پرستی خدا کو کیا جانے
وہ بدنصیب جسے بختِ نارسا نہ ملا

(یگانہ چنگیزی)

نعت

اُٹھ مرے کالی کملی والے

اے آئینۂ انوارِ ازل — اے جلوہ گہِ ہر حسنِ عمل
ہے دیر سے ٹھنڈا دل کا کنول — دیدار دکھا، پردے سے نکل

میرے اندھیرے گھر کے اجالے
اُٹھ مرے کالی کملی والے

جانِ جہاں، مقصودِ دو عالم — فرش نشیں اور عرش کا محرم
اشرفِ انساں، افضلِ آدم — خاک کا پتلا، نورِ مجسّم

میرے اندھیرے گھر کے اجالے
اُٹھ مرے کالی کملی والے

آشفتہ بیانی سُن تو سہی — کچھ دردِ نہانی سُن تو سہی
ہاں، میری زبانی سُن تو سہی — یہ رام کہانی سُن تو سہی

میرے اندھیرے گھر کے اجالے
اُٹھ مرے کالی کملی والے

دیوانہ ہوں لیکن مستِ وِلا گم گشتہ ءمنزلِ سہو وخطا
کچھ دھیان نہ کر جو ہوا سو ہوا گم راہ کو شمعِ جمال دکھا

میرے اندھیرے گھر کے اجالے
اُٹھ مرے کالی کملی والے

روشن کر دے شمعِ امید مار نہ ڈالے حسرتِ دید
جلوہ ترا سو عید کی عید دید کوئی جس کی نہ شنید

میرے اندھیرے گھر کے اجالے
اُٹھ مرے کالی کملی والے

شمعِ جمال کے پروانے تیری طلب میں دیوانے
سنتے ہیں کیا کیا افسانے کس روپ میں تو ہے خدا جانے

میرے اندھیرے گھر کے اجالے
اُٹھ مرے کالی کملی والے

(۱۹۳۱)

بابِ اول

بنام دوارکاداس شعلہ [1]

(۱)

عثمان آباد دکن

۱۰ر جولائی ۱۹۲۸ء

عزیزم شعلہ صاحب زادلطفکم

بعد سلام و دعائے شوق واضح ہو کہ محبت نامہ آپ کا آیا۔ خوش وقت فرمایا۔ پردیس میں دل بہلنے کی صُورت یہی خطوط ہیں جو گھر سے اور ادھر اُدھر سے آجاتے ہیں۔ زیبا صاحب کی خیریت بس آپ ہی سے معلوم ہوتی رہتی ہے، اُن کا کوئی خط کبھی آیا ہی نہیں۔ اُن کا پتا بھی میں بُھول گیا، خود لکھنا بھی چاہوں تو کیسے لکھوں، ساحرؔ اور جوشؔ کا حال معلوم نہیں۔ ان سب کا پتا لکھ بھیجے۔ آپ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ کسی چیز کی ضرورت ہو تو لکھئے۔ اگر آپ کی محبت کا تقاضا یہی ہے تو سُنیے فقیروں کو کمّل کے سوا اور کیا چاہیے۔ کوئی گرم کمّل جو اوڑھنے کے قابل ہو بھیج دیجئے۔ اور آدھ سیر خشک مہندی۔ آپ کے شعر پڑھے اچھے خاصے ہیں۔ چند تازہ رباعیاں ارسال کرتا ہوں، مگر اُنھیں کہیں چھپوایئے گا نہیں کیونکہ ''نیرنگ خیال'' کے ہاتھ فروخت ہو چکی ہیں۔

میں جس مقام پر ہوں جون جولائی کے مہینے میں بھی پچھلے پہر سے خنکی ہو جاتی ہے۔ ۲؎

خیر اندیش

میرزا یگانہ لکھنوی ۳؎

(۲)

عثمان آباد۔ دکن

۲۹ر جولائی ۱۹۲۸ء

۷۸۶

عزیزِ من۔

بعد سلام شوق واضح ہو کہ آپ کا ایک خط کل پہنچا جس میں آپ نے لکھا ہے کہ پھر کھانسی بخار نے ستایا ہے۔ کیا کہوں بار بار آپ کی ناسازی مزاج پر کچھ ہنسی بھی آتی ہے۔ آخر فرمایئے تو سہی نوجوان آدمی کے لئے آئے دن کا یہ جھگڑا کب تک۔ آپ نے مجھے اب تک یہ نہ بتایا کہ آپ کی نظر میں کوئی ایسی صورت (عورت؟) ہے یا نہیں جو آپ کی شریک زندگی ہو کر آپ کے سکون و اطمینان کا سبب ہو سکے۔ آپ اپنے کسی فہمیدہ و معقول عزیز یا دوست کے مشورے سے اپنی زندگی کو سیدھے راستے پر لگایئے۔ ماں کی عدم موجودگی میں بیوی ہی اِک ایسی چیز ہے جو انسان کی ہمدردی، نگہداشت اور خدمت کر سکتی ہے۔ وقت بہت ٹلتا جاتا ہے اور بات کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ میری تو یہی دُعا ہے کہ پروردگارِ عالم جلد آپ کو ایک شریف النفس بیوی عطا کرے۔ آپ نے کمل بھیجنے کو لکھا ہے۔ اُس کے ساتھ ایک یا دو گرم بنیائنیں بھی روانہ کر دیجئے تو عین عنایت ہو۔ یہاں دو بجے شب سے دن کے سات

آٹھ بجے تک اچھی خاصی خنکی محسوس ہوتی ہے۔ مہندی کے لئے تو آپ کو پہلے ہی لکھ چکا ہوں۔ اسی پارسل میں آدھ سیر خشک پسی ہوئی مہندی بھی رکھ دیجئے گا۔

زیادہ شوق دیدار

میرزا یگانہ لکھنوی

(۳)

عثمان آباد دکن

۲۰ ستمبر ۱۹۲۸ء

عزیز من!

بعد سلام ودُعائے شوق واضح ہو کہ محبت نامہ ۱۲ر ستمبر موصول ہوا۔ آپ کا اندازِ تحریر کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی کسی پر عاشق ہو۔ بھائی میری تعریف مجھ سے کیا کرتے ہو۔ میں جیسا ہوں اللہ بہتر جانتا ہے مگر ہاں کچھ نہ کچھ مجھے بھی محسوس ہوتا ہے کہ میں کیا کہوں۔ میرا یہ شعر میری حقیقت کا پتا دیتا ہے۔

سراپا راز ہُوں میں کیا بتاؤں کون ہُوں کیا ہُوں
سمجھتا ہوں مگر دنیا کو سمجھانا نہیں آتا

آپ نے میری رباعی کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ کاش یہ فلسفۂ زندگی غالبؔ کو بھی معلوم ہوتا، میں یہ کہوں گا کہ غالبؔ فلسفۂ زندگی سے آشنا ضرور تھے مگر اسے کیا کیجیے کہ وہ

بیان پر کافی قدرت نہیں رکھتے تھے۔ جاننا اور بات ہے مگر شاعر کی زبان میں ادا کرنا بالکل جُداگانہ بات ہے۔

خیر میرا حال یہ ہے کہ جب سے حیدرآباد سے عثمان آباد آیا ہوں معلوم ہوتا ہے کہ حیدرآباد کے احباب مجھے بالکل بُھول گئے۔ حیدرآباد میں تھا تو لوگ ادھر ادھر سلسلہ جنبانی کرتے رہتے تھے۔ وہاں سے چلا آیا تو اب کوئی کروٹ نہیں لیتا، یہ بڑی مشکل ہے۔

گھر کا حال یہ ہے کہ میری محترم اور جانثار بیوی اور میرے بچّے میرے لئے تڑپ رہے ہیں اور میں اُن کے لئے بے قرار ہُوں۔ اُن کی آواز میرے کانوں میں اور میرے پاؤں کی آہٹ اُن کے کانوں میں گونج رہی ہے۔ آج دس مہینے سے میں اُن کو اور وہ مجھے دیکھنے کو ترستے ہیں اللہ اکبر۔ دل کی دنیا کا یہ منظر بھی کیا عالم دکھا رہا ہے۔ میرے خیال میں بہتر یہ ہے کہ عزیزم آغا جان سلمہ کو آپ بھی ایک خط لکھیے۔ وہ دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔ افسوس ہے کہ آج پانچ برس سے میں ایسی آفتوں میں مبتلا ہوں کہ دم لینے کی مہلت نہیں ملتی۔ آغا جان کی تعلیم اب تک کچھ بھی نہ ہوسکی۔ جب سانس لینا دشوار ہو تو اور فرائض کہاں تک پورے ہوسکتے ہیں۔ اس کا رنج و قلق جو مجھے اور میری اہلیہ محترمہ کو ہے اسے اللہ ہی جانتا ہے۔ آپ نے اپنی چھوٹی بہن کا ذکر کیا ہے کہ وہ مجھے یاد کرتی ہے، حق تعالیٰ اسے خوش رکھے، پروان چڑھائے۔ میری طرف سے بہت بہت دُعا اور پیار۔ مخلصی و محبی انوار صاحب کو میرا سلامِ شوق کہیے۔ آپ کے اشعار اصلاح کر کے بھیجتا ہوں ملاحظہ ہو:

مجھ کو بے تاب کر دیا تو نے — اک ۵ دل درد آشنا تو نے
لے کے دل مجھ کو نعمتِ غم دی — خوب نعم البدل دیا تُو نے
درد کی جب دوا نہ تھی کوئی ۶ — درد پھر کس لئے دیا تو نے
حسن فانی پہ مبتلا کر کے — کیا کیا اے مرے خدا تو نے

عشق کی انتہا بھی ہے شعلہ!

کرتو دی آج ابتدا تو نے

آپ کی حسبِ خواہش اپنی ایک یادگار غزل لکھ بھیجتا ہوں۔ ۷ میرا پتا فقط عثمان آباد دکن لکھا کیجئے۔ شولا پور نہ لکھا کیجئے۔ شولا پور انگریزی علاقہ ہے۔

خیر اندیش

میرزا یگانہ لکھنوی ۸

(۴)

عثمان آباد، دکن

۱۰/اکتوبر ۱۹۲۸ء

عزیز من، سلام و دُعائے شوق قبول ہو۔

آج آپ کا نامہ اخلاص مورخہ ۲۸ر ستمبر صادر ہوا۔ سارے خط کو کئی بار پڑھا۔ آپ نے حریتِ فکر اور آزادیِ خیال کا ذکر کرتے کرتے یہ غضب کیا کہ میرا ایک شعر نقل کر دیا۔

دل اپنا جلاتا ہوں کعبہ تو نہیں ڈھاتا

اور آگ لگاتے ہو کیوں تہمتِ بے جا سے

اُف میں کیا کہوں کس عالم میں تھا اور کہاں پہنچ گیا۔ الٰہی توبہ۔ دل کی دُنیا کا بھی کیا عالم ہے۔ ابھی کچھ تھا۔ ابھی کچھ ہے۔ یہ شعر نقل کر کے آپ نے میرا سارا مزا کر کرا

کردیا۔ آپ کو غالباً معلوم ہے کہ میں اپنی باوفا اور محترم بیوی کا بندہ ہوں۔ چوبیس گھنٹے میں بس جب تک دفتر میں رہتا ہوں یا جب تک شطرنج کھیلتا رہتا ہوں (عثمان آباد آ کر لڑکپن کا یہ شوق جو بالکل بھول گیا تھا، پھر تازہ ہو گیا ہے) وہ گویا مجھ سے جدا ہو جاتی ہیں، باقی ہر وقت میرے دل و دماغ پر اُن کا قبضہ رہتا ہے۔ آج کل میں نے ایک رباعی کہی ہے جس میں اپنے جذبات کی نہیں ان کے جذبات کی ترجمانی کی ہے۔ آپ جانتے ہیں ہندوستان کی بیویاں اپنے شوہروں پر کس درجہ جان فدا کرتی ہیں۔ (خصوصاً ہندو عورتیں جن کی مہرو وفا، صدق وصفا کی نظیر دنیا کی کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی) آپ کو معلوم ہوگا کہ لفظ ''ساجن'' یا ''پیا'' میں محبت کا کیسا اتھاہ سمندر موجیں مارتا ہے۔ جب کسی کا شوہر پردیس جاتا ہے اور اس کی جدائی کو بہت دن گزر جاتے ہیں تو اس وقت عورت کے عالمِ شوق و انتظار کی تصویر ممکن ہی نہیں کہ الفاظ سے کھینچی جا سکے ہاں بس الفاظ ایک دھندلا سا اشارہ کر دیتے ہیں۔ یہ دھندلا سا اشارہ بھی وہی صاحب کمال سخنور کر سکتا ہے جس کو اس کام کے لئے وہبی طاقت ملی ہے۔ ورنہ جذبات کی گہرائیوں کو نگاہ کے سامنے لے آنا قریباً محال ہے، خیر میں رَو میں کہاں سے کہاں نکل گیا۔ ہاں تو جب کسی عورت کو اپنے شوہر کی جدائی میں شوق و اضطراب حد سے بڑھ جاتا ہے اور وہ ہر وقت اس کی آمد آمد کی منتظر رہتی ہے اور اتفاق سے ''کاگا'' (کوّا) آ کر سامنے بیٹھ جاتا ہے تو وہ بیچاری دکھ کی ماری کوّے کو مخاطب کر کے کہتی ہے کہ کاگا ہاں سچ بتا کیا وہ آرہے ہیں۔ ''کاگا راہ تو دے کاگا'' یعنی وہ آرہے ہیں انھیں راستہ دے۔ یہ الفاظ کہنے پر اگر کوا جس مقام پر بیٹھا ہوا ہے۔ وہاں سے اُٹھ کر قریب ہی دوسری جگہ جا بیٹھے یہ فالِ نیک ہے۔ یعنی کاگا نے راہ دے دی۔ اور فال نکل آئی کہ ہاں اب وہ ضرور آرہے ہیں۔ بس آتے ہی ہونگے۔ اسی عالم شوق کو پیشِ نظر رکھ کر میں اپنی اہلیۂ محترمہ کی تصویر اپنے آئینۂ دل میں رکھ رہا تھا کہ آپ کا خط ملا۔ اچھا اب وہ رباعی ملاحظہ ہو۔

دکھ درد کے ماروں کا نصیبہ جاگا
گھر بولتا ہے آج دِلدر بھاگا
دن کاٹے ہیں گن گن کے اسی دن کے لیے
ساجن آتے ہیں راستہ دے کاگا9

اللہ اکبر۔اگر سوز وساز کے ساتھ کوئی ہجراں نصیب بیوی کسی دوسری خوش گلو عورت کی زبان سے یہ رباعی گاتے ہوئے سُن لے تو غور فرمایئے کتنا وجد طاری ہو۔گھر بولتا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ ساجن کی آمد پر گھر کی رُت پھر گئی ہے سارا گھر بزبانِ حالیہ سندیسا سنا رہا ہے کہ وہ آئے وہ آئے۔دِلدّر بھاگا۔یعنی نحوست دُور ہوئی۔دن پھر گئے۔غرض یہ کہ میں آج کل اس رباعی کے مزے میں تھا کہ آپ نے یہ شعر یاد دلا دیا۔

دل اپنا جلاتا ہوں کعبہ تو نہیں ڈھاتا
اور آگ لگاتے ہو کیوں تہمتِ بے جا سے

توبہ توبہ یہ دوسرا عالم ہے! جہاں اس وقت میں آنا نہیں چاہتا تھا مگر آپ نے یاد دلا کر ستم کیا۔ یہ غزل تو ''نیرنگ خیال'' کے سالنامے میں چھپ گئی ہے مگر آپ کہاں ڈھونڈتے پھریں گے، میں اُس کی نقل بھیج دیتا ہوں۔یہ غزل بھی عجیب غزل ہے۔فارسی کی غزل جو آپ نے طلب کی ہے وہ اس پایہ کی نہیں مگر ہاں کچھ اشعار اس کے بھی دیکھنے کے قابل ہے۔یہ آپ نے ایک ہی کہی کہ بیماری میں خدا یاد آتا ہے۔اسلئے بیماری لگی رہے تو اچھا ہے۔بیمار ہوں آپ کے دشمن یادِ خدا کا بہترین طریقہ دردِ دل سے ہے، الحمدُ للہ شکر کیجئے کہ خدا نے آپ کو اپنی عنایت سے یہ دولت عطا فرمائی ہے۔حق تعالیٰ آپ کو مطمئن رکھے اور اعلیٰ مرتبِ انسانیت تک پہنچائے۔

یگانہ

(۵)

عثمان آباد۔دکن

۱۰رمئی ۱۹۲۹ء

عزیزمن سلامت رہو

آج بہت دنوں کے بعد یاد کیا۔ میں تو خط لکھتے لکھتے تھک گیا۔ آپ کے سابق پتے سے کئی خط لکھے ایک کا جواب نہ ملا۔ مختصر یہ کہ میں یہیں عثمان آباد ہوں، اور یہ مہینہ مالی منفعت کے اعتبار سے اچھا گزرا۔ دوسو روپے اس مہینے میں آمدنی ہوئی*۔ مگر آج کل لکھنؤ میں آب و ہوا بہت خراب ہے۔ طاعون کا زور ہے۔ عزیزم آغا جان سلمہٗ اب سے دور بہت علیل ہوگئے تھے، اب رُو بصحت ہیں۔ مگر اُن کی چھوٹی بہن جو پانچ سال کی ہے، علیل ہوگئی ہے۔ میں تو اس فکر میں ہوں کہ کچھ رقم پس انداز ہوتو بچّوں کو لے آؤں۔ مگر اب بیماریوں کا سلسلہ ہے۔ روپے بیماریوں میں اُٹھ جاتے ہیں۔ ڈیڑھ سال سے بچّوں سے جُدا ہوں۔ اللہ اکبر۔ ارادہ ہے کہ آیندہ ستمبر میں بچّوں کو لے آؤں، خیر خدا مالک ہے۔ آپ نے اپنے والد ماجد کی علالت کا ذکر کیا ہے، اللہ تعالیٰ سب پر اپنا فضل و کرم رکھے۔ کیا کہوں ،آج آپ کی خیریت معلوم ہوئی۔ خط برابر لکھتے رہیں۔ یہاں ایسی تنہائی ہے کہ خدا کی پناہ۔ زیادہ شوق دید۔ میرزا یگانہ۔

۱۰؎ میرزا فہیم بیگ صاحب کو کئی خط لکھے۔ آپ کی خیریت دریافت کی مگر اُنھوں نے کسی خط کا جواب نہ دیا۔ شاید خفا ہیں۔ حفیظ صاحب ۱۱؎ کیسے ہیں میرا سلام کہیے۔ زیبا کیسے ہیں، اُن کی خیریت لکھیے۔

میرزا یگانہ

''نیرنگ خیال ۱۲'' میں میاں بے خود موہانی کا مسلسل مضمون شائع ہو رہا ہے، جس میں میرزا غالب کی کھلی ہوئی چوریوں پر ملمع سازی کی جا رہی ہے۔ اُس پر میں نے ایک رباعی کہی جو قول فیصل ہے:

دیوانوں کے یہ زور نہ دیکھے نہ سُنے
نادانوں کے یہ شور نہ دیکھے نہ سنے
جھنڈے پہ چڑھانے کو چڑھاتے ہیں مگر
غالب سے ''چچا چور'' نہ دیکھے نہ سُنے

اس کا ایک ایک حرف کیا ایک ایک نقطہ صداقت سے لبریز ہے۔ انور صاحب کو سلام کہیں اور رُباعیاں اُن کو بھی سُنا دیجئے۔

فقط

میرزا یگانہ

(* آمدنی کے متعلق تفصیل حواشی بابِ سوم کے حاشیہ نمبر ا پر ملاحظہ فرمائیں)

(۶)

عثمان آباد، دکن،

۱۰ر جولائی ۱۹۲۹ء

عزیز من۔ زاد لطفکم۔......۱۳ مرسلہ پارسل پہنچا، ممنون فرمایا۔ اس کے ساتھ آپ کا محبت نامہ بھی............ کہ عنقریب آپ کی شادی ہونے والی ہے۔ میں

برابر آپ سے تقا[ضا]......خوشگوار فرض سے آپ کو جلد ادا ہو جانا چاہیے۔
حق تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ آپ کو............ومسرّت سے ہم آغوش کرے۔

میرے بھوپال جانے کی بھی ایک ہی کہی۔ یاران سرپُل ایسی ہی بے پر[کی]......بھوپال میں تو میرا کوئی شناسا تک نہیں معلوم ہوتا، آج ایک مہینہ ہوا کہ میری پیاری صُغریٰ نے ہمیشہ کے لئے ہم لوگوں کو داغ مفارقت دے دیا۔ میں پردیس میں تنہا ہوں اور تنہا بھی ایسا کہ کسی سے مِلتا جُلتا نہیں۔ چار پانچ گھنٹے دفتر میں گزر جاتے ہیں۔ باقی میں ہوں اور ....میں، اُمِ صغریٰ کی یاد دل کو تڑپاتی ہے۔ میرا تو یہ حال ہے نہ معلوم ....ہوگا۔ بچّے سبھی کو پیارے ہوتے ہیں، مگر یہ مرنے والی تو ایک ......سر سے پاؤں تک یگانہ بیگم کی تصویر تھی۔ اللہ اللہ ...... کہ بھائی ابا اب چلے آئے اب چلے آئے مگر کہاں...... ایسے پاؤں پکڑے کہ وہ غریب مرتے مرگئی اور غریب باپ...... حسرت دل ہی میں لے گئی...... بھائی کچھ نہ پوچھو یہ سوچ کر کلیجہ......پہنچ نہ سکا اور وہ دل کی حسرت دل میں لے گئی۔......عرصے میں میرے سب بچّے کئی کئی بار بیمار پڑے، آخر پیاری صغریٰ کی (جا)ن یوں جاتی رہی۔ اب آج کل میری بڑی بچّی حسن بانو ہا علیل ہے ۔ دُعا کیجئے ...... اللہ اسے شفا دے۔ آغا جان سلمہٗ بھی کئی بار بیمار پڑے۔ بارے آج کل اچھے ہیں......اُسے جلد لکھنوٗ پہنچنا اور بال بچّوں کو یہاں لے آنا چاہیے مگر پھر وہی کہنا پڑتا ہے کہ بندہ مجبورِ محض ہے۔ میں ستمبر کے پہلے ہفتے کے قبل عثمان آباد سے ہل نہیں سکتا۔ اب اس میں جو کچھ بھی گزر جائے آپ کے دیکھنے کو میرا دل بھی تڑپتا ہے اور شادی کے موقع پر پہنچ سکا تو اور بھی خوشی ہوتی۔ مگر کیا کروں۔ مجبور ہوں اگر ستمبر کے مہینے میں آپ کی شادی قرار پائے گی تو شاید کوشش کر کے...... ایک دن کے لئے لاہور آسکوں گا ورنہ جو حال ہے وہ ظاہر ہے۔ [ہر] حال میں شکر اس امر کا کرتا ہوں کہ کسی حالت میں پروردگار عالم کی طرف

سے...... جذبہ شکایت پیدا نہیں ہوا۔ اور یہ جذبہ ٔ عبودیت بھی اُسی ...... کے تصدق میں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ مجھے ہر حال میں ثابت قدم......

آپ کا خیر طلب

میرزا یگانہ

(۷)

شاہ گنج لکھنو

۲۳ر ستمبر ۲۹ء

عزیزم شعلہ صاحب۔

خدا آپ کو خوش رکھے اور پروان چڑھائے۔ محبت نامہ صادر ہوا۔ یہ سن مسرت ہوئی کہ آپ کی شادی کے دن قریب ہے، میں نے بے شک آپ سے وعدہ کیا تھا۔ کہ اگر لکھنؤ میں ہوتا تو شریک ہونا ممکن تھا۔ میرا دل خود آپ کے سے عزیز شفیق کے دیکھنے کا متمنی ہے۔ میں روانگی دکن کی تاریخ یکم اکتوبر مقرر کر چکا تھا۔ آج آپ کا خط ملا کہ ۱۱ر اکتوبر کو آپ کی شادی قرار پائی چونکہ میں بال بچوں کو لے کر دکن جا رہا ہوں اور یہ نہیں معلوم کہ دکن سے پھر لکھنؤ پلٹنے کا موقع مل سکے گا یا نہیں۔ اس وجہ سے میرا دل بھی یہ ہی چاہتا ہے کہ آپ کو خصوصاً ایسے مبارک موقع پر دیکھ لوں لہٰذا میں فقط میں اتنا کر سکتا ہوں کہ اپنی رخصت میں توسیع کروالوں اور آپ سے مل کر پھر لکھنؤ آؤں اور یہاں سے پھر دکن روانہ ہو جاؤں اخراجات وغیرہ کی ذمہ داری آپ نے خود اپنے سر لی ہے، اب مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے مگر یہ

ضرور ہے کہ علاوہ سفر خرچ کے اور بھی کچھ رقم آپ کی اُٹھ جائے گی۔ خیر۔ جیسا مناسب ہو جلد تحریر فرمائیے کہ میں اپنا پروگرام مرتب کرسکوں۔ آغا جان آج کل تو اچھے ہیں۔ آپ کو اکثر یاد کرتے ہیں اور تسلیم کہتے ہیں۔ اگر ممکن ہو تو اُن کو بھی ساتھ لیتا آؤنگا کیونکہ میری روانگیِ دکن کا زمانہ قریب آجانے کی وجہ سے میری جیب بہت کچھ خالی ہوچکی ہے۔ جواب جلد عنایت ہو۔

خیراندیش

میرزا یگانہ ۱۵؎

(۸)

عثمان آباد

۲۵ر دسمبر ۱۹۳۰

مائی ڈیر شعلہ،

آپ کی غزل دیکھ کر جی خوش ہوگیا آپ کے دل کو سوز و گداز سے کافی بہرہ ہے مگر یہ وہ دولت ہے جو انسان کو شاعر بنا کر عرف عام میں دنیاوی اعتبار سے نکما بنا دیتی ہے۔

عشق نے غالبؔ نکما کردیا

ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

میرزا یگانہ

بھی میرا بلاک ضرور بنوا لیجئے اس کے متعلق مفصل خط لکھ چکا ہُوں چاہتا ہوں کہ رُباعیاں چھپ جائیں۔

(۹)

احاطہ محمد حسین کردستانی

گزری منصور علی خاں، آگرہ

۳۰ر اکتوبر ۱۹۳۲ء

مائی ڈیر شعلہ،

بعد سلام و دعائے شوق واضح ہو کہ میں بخیریت و عافیت آگرہ پہنچا ۱۶۔ طبیعت ابھی تک ٹھیک نہیں ہے۔ یونانی علاج ہو رہا ہے سینے پر بلغم بہت جمع ہو گیا ہے۔ جس کے اخراج کے لئے ابھی کئی دن تک علاج کرنا چاہیے۔ یگانہ بیگم صاحبہ تیلوں کی خوشبو سے بہت خوش ہوئیں۔ دُعا فرماتی ہیں۔ آغا جان بھی صندل کے صابن سے بہت خوش ہوئے۔ سب نے نرملا ے ا کو بھی پُوچھا کہ صورت شکل کی کیسی ہے۔ میں نے کہا اچھی خاصی گُجری سی ہے۔ مگر بیماری سے بہت لاغر ہو گئی ہے۔ خیر۔ اپنے والد ماجد کی خدمت میں میرا سلام کہہ دیجئے۔ ''نیرنگِ خیال'' کے ایڈیٹر آپ کے پاس آئیں تو ۶۳ر روپے لے کر رباعیاں اُن کے حوالے کر دیجئے۔ اور تاکید کر دیجئے کہ بہت اعلیٰ درجہ کی کتابت و طباعت کا انتظام کریں۔ میں نے اُن سے ایک سو روپے پر معاملہ اس لئے طے کر لیا ہے کہ انہوں نے انگریزی فیشن کی جلد بندھوانے اور اعلیٰ درجے کی طباعت اور کتابت کا وعدہ کیا ہے۔ میرزا صاحب کی خدمت میں سلام شوق، زیادہ نیاز۔ فوٹو کب تک آئے گا؟

میرزا یگانہ لکھنوی

(۱۰)

احاطہء آغا محمد حسین کردستانی
گزری منصور علی خان، آگرہ

۴ رنومبر ۳۲ء

پیارے شعلہ۔

آپ کا تحفہء اخلاص پہنچا۔ ماشاءاللہ دونوں فوٹو اچھے اور بہت اچھے اُترے۔ نوک پلک ہر ایک کی درست۔ مگر آپ جانتے ہیں۔ عورتوں کی نگاہ نکتہ چینی کے بغیر نہیں رہتی۔ آپ پر یہ الزام رکھا گیا ہے کہ ننھّی کی کنگھی کی نہ کپڑے بدلوائے، گود میں بیٹھا لیا، مگر انہیں کون سمجھائے کہ:

تکلف سے بَری ہے حُسن ذاتی
قبائے گُل میں گل بُوٹا کہاں ہے (آتش)

ولادت مولود مبارک۔ حق تعالیٰ عمر اقبال عطا فرمائے اور زچہ کو صحت بخشے۔ میری طبیعت اب تک ٹھیک نہیں ہے۔ برابر علاج کروا رہا ہوں۔ کچھ افاقہ تو ضرور ہے مگر اندازے سے زیادہ طول ہوا۔ آغا جان سلمۂ اور یگانہ بیگم صاحب کا مزاج بھی ناساز ہے۔ سب کا علاج ہو رہا ہے۔

فوٹو بہت اچھے آئے مگر ضرورت ہے ہر دو فوٹو کی تین تین کاپیاں اور بھیج دیجیے کیوں کہ بعض احباب کے تقاضوں کو ٹالنا مشکل ہوگا۔ آپ تو ماشاءاللہ جوان ہیں مگر میرا فوٹو خزاں کی بہار دکھا رہا ہے اور بعض احباب اس خزاں کی بہار کے زیادہ مشتاق ہونگے۔ زیادہ کیا لکھوں۔

میرزا یگانہ چنگیزی

نیرنگ خیال والوں سے معاملہ طے ہو جائے تو ایک فوٹو اُن کو بھی بلاک بنوانے کے لئے دینا پڑے گا۔ اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں میری طرف سے تسلیم عرض کر دیجئے۔ یگانہ بیگم صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ننھی بٹیا ہے تو پیاری پیاری، پاس ہوتی تو گود میں لیتی، پیار کرتی۔

(۱۱)

احاطہ آغا محمد حسین کردستانی

گزری منصور علی خان، آگرہ

۱۱رنومبر۱۹۳۲ء

مائی ڈیر شعلہ

سلام شوق۔ اتنا تو معلوم ہو [ہوا؟] کہ آپ کے ہاں بچّی پیدا ہوئی ہے۔ اور زچہ کا مزاج ناساز ہے۔ پھر آپ کا کوئی خط نہیں آیا۔ براہِ کرم خیریت سے جلد مطلع فرمائیں۔ کیا بات ہے۔ فوٹو کی تین کاپیاں اور بھیج دیجیے ایک کافی نہیں ہوسکتی۔ اپنے والد ماجد کی خدمت میرا اسلام عرض کیجیے۔

میرزا یگانہ

(۱۲)

احاطہ آغا محمد حُسین کردستانی
گزری منصور علی خاں، آگرہ
۲۸ر دسمبر ۱۹۳۲ء

مائی ڈیر شعلہ۔

سلام شوق۔ ابھی آپ کا خط ملا حالات معلوم ہوئے۔ خداوند عالم جلد سب کو صحت عطا فرمائے اور آپ کو اطمینان بخشے۔

آغا جان کی طبیعت فی الحال بہتر ہے مگر مرض گھڑی گھڑی عود کرتا ہے، اس وجہ سے حالت قابل اطمینان نہیں کہی جا سکتی۔ اِس لڑکے کی علالت نے مجھے سخت پریشان کر ڈالا ہے۔ جو کچھ پس انداز کیا تھا۔ وہ خالسے [خالصے؟] لگ گیا۔ اور مزید مشکلوں میں پڑ گیا ہوں، وہ یہ کہ اس تین مہینے کی رخصت کی وجہ سے میرا انتادلہ ہو گیا ہے۔ عثمان آباد میں جی جمایا بیٹھا تھا وہاں سے سارا سامان دیکھئے کہاں لے جانا پڑتا ہے اور سب سے بڑھ کر مالی نقصان اُٹھانا پڑے گا۔ میں پہلے ہی سمجھتا تھا کہ طویل رخصت لینے سے یہ سب قباحتیں پیدا ہو جاتی ہیں مگر کیا کرتا آغا جان کی علالت اور ماں کی مامتا پر نظر رکھ کر سب کچھ گوارا کرنا پڑا۔ خیر اللہ مالک ہے۔ پھر کوئی اچھا اسٹیشن مل جائے گا۔ اس وقت تو دشواریوں کا سامنا ہے۔ ایک فوٹو آپ کو بھیجتا ہوں غالباً پسند آئے گا۔ میں پرسوں ۳۰ر دسمبر کو حیدرآباد روانہ ہو جاؤں گا۔ اور وہاں سے پھر اپنے مستقر پر پہنچ کر خط لکھوں گا۔ دیکھیے کہاں قیام ہوتا ہے۔ یگانہ بیگم صاحب دُعا کہتی ہیں اور آغا جان تسلیم۔

میرزا یگانہ لکھنوی

(۱۳)

لاتور (دکن)

۱۷/اپریل ۱۹۳۳ء

مائی ڈیر شعلہ۔

سلامت رہو۔ ذرا دیکھو تو سہی کتنے دنوں سے مجھے بھولے بیٹھے ہو۔ زیادہ کیا لکھوں۔ تم خود سمجھ لو۔

میرزا یگانہ لکھنوی

سب رجسٹرار۔

لاتور دکن ۱۸؍

(۱۴)

لاتور، دکن

۹ مئی ۱۹۳۳

عزیزی و شفیقی زاد لطفکم،

سلام شوق۔ آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ کی دلھن کا مزاج زیادہ ناساز ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جلد صحت یاب کرے۔ اور آپ کو اطمینان مرحمت فرمائے۔ دل لگا ہوا ہے۔ اُن کی خیریت سے مطلع کیجئے۔ بچی کا مزاج کیسا ہے۔ وہ بھی آئے دن بیمار رہتی ہے۔ زندگی کے یہی مزے ہیں۔ پندرہ دن سے میں بھی نزلے کی شدت سے تکلیف اُٹھا رہا

ہوں۔ بال بچے آگرے میں ہیں اور خیریت سے ہیں اپنے والد کی خدمت میں سلام شوق عرض کر دیجئے۔

خیر اندیش۔ میرزا یگانہ لکھنوی

سُکھ میں جو سواد ہے تو دُکھ کے دم سے
سُکھ ہی سکھ ہو تو پھر اجیرن ہو جائے
یگانہ

(۱۵)

عزیزی من سلامت رہو۔

کاتب نے مسوّدے میں بین السطور بہت کم چھوڑا تھا۔ خیر میں نے غزلیں دیکھ لیں۔ ان کے صاف کرانے میں کہیں غلطی نہ رہ جائے۔ غور سے مقابلہ کر لینا۔

دوسرا مسوّدہ بھی پہنچ گیا ہے۔ آٹھ دس دن بعد دیکھ کر بھیجوں گا۔ باقی سب خیریت ہے۔

میرزا یگانہ چنگیزی

۲۸ فروری ۱۹۴۵، غوری منزل حیدر گوڑہ، حیدر آباد دکن ۱۹

(۱۶)

غوری منزل، حیدر گوڑہ

حیدر آباد دکن

۲۸ر جون ۱۹۴۵ء

پیارے ۲۰ دوست آؤ تمھیں پیار کر لیں۔ محبت نامہ پہنچا۔ رقم پہنچی۔ دل و دماغ پر جو اتنا بوجھ تھا۔ ہلکا ہوا۔ میں خدا کا کیا شکر یہ ادا کروں کہ یہ اوّل سے آخر تک کس خوبی سے سرانجام پایا۔ میرا فرض تم نے خود اپنے ذمہ لیا اور پورا کر دکھایا۔ کس شریف باپ کے بیٹے ہو۔ کس پاک نفس ماں کی گود کے پالے ہو۔ خدا تمہارے والدین کو جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ نرملا سلمہا کو پروان چڑھائے۔

اپنے پچھلے خط میں میں نے ناسازی مزاج کا حال دریافت کرتے ہوئے ''آیات وجدانی'' (جدید) کا کسی پبلشر سے معاملہ طے کرنے کی بابت لکھا تھا۔ غالباً وہ خط اب تمھیں مل گیا ہوگا۔ یہاں سب خیریت ہے۔ میں اچھا ہوں۔ آغا جان سلام کہتے ہیں۔ وہ ماشا اللہ فہمیدہ ہیں۔ تمہارے کریکٹر کا اُن پر اثر ہے۔

خیر اندیش۔ میرزا یگانہ چنگیزی لکھنوی

اقتباس از ''آیات وجدانی'' (جدید) ۲۱

کیا سمجھتے تھے یگانہ محرم راز فنا

غرق ہو کر آپ اپنا نا خدا ہو جائے گا

مگر آج کل میرزا صاحب پر شعلہ ۲۲ کا یہ شعر

نا خدا ہو نہ میسّر تو سفینا کیا ہے
تم مرے پاس نہیں ہو تو یہ جینا کیا ہے

دو متضاد کیفیتیں پیدا کر رہا ہے۔یعنی واقعات کے لحاظ سے پہلا مصرع غلط ثابت ہو کر قدرے سکون کا باعث ٹھہرا ہے اور دوسرا مصرع صحیح ثابت ہو کر دل کو تڑپا تا رہتا ہے۔ اس باسٹھ برس کے سن میں بھی وہی اقتصادی کشمکش نے میرزا یگانہ کو لکھنو کا دردِ مفارقت برداشت کرنے پر مجبور کیا ہے۔اس نازک وقت میں شعلہ کا آڑے آجانا یادگار رہے گا۔(میرزا مراد بیگ ۱۹۴۴ء)

(۱۷)

غوری منزل، حیدر گوڑہ
حیدرآباد دکن،
۱۹ر جولائی ۱۹۴۵ء

پیارے عزیز سلامت رہو، محبت نامہ پہنچا۔ حالات معلوم ہوئے۔تمہارے دوست نے اگر اپنا وعدہ وفا نہیں کیا تو خیر جانے دو، مگر ہاں یہ امر قابل افسوس ہے ضرور کہ اُنھوں نے تمھیں ذلیل کرنے کی کوشش کی۔تعجب ہے۔خیر تمھارا دل بڑا ہے معاف کر دو۔ انساں ہی تو ہے سہو و خطا کا پُتلا۔

ارے یار یہ کیا بات ہے، لکھنؤ سے تمھاری مادرِ محترمہ کا خط آیا ہے کہ حسب معمول جو منی آڈر انھیں پہنچتا تھا، وہ اس مہینے نہیں پہونچا۔ مجھے کل سے فکر ہوگئی ہے۔غالباً تمھارے ہاں سے کوئی بھول ہوگئی ہے۔ مجھے جو رقم تم نے بھیجی تھی، وہ تو میں نے بانٹ دی۔قرض کا

بوجھ ہلکا ہوا۔ خیر منی آرڈر کے بارے میں اطلاع دو کہ یہ کیا معاملہ ہے۔

''آیاتِ وجدانی'' (جدید) کے بارے میں مجھے یہ کہنا ہے کہ وہاں کسی پبلشر ۲۳ سے مثلاً تاج کمپنی یا اور کوئی میرا مجموعہ کلام شائع کرنے پر آمادہ ہو تو اُس سے ایک ایڈیشن کا معاملہ کر لیا جائے۔ تم کہو تو اس کا مسوّدہ تمھارے پاس بھیج دوں۔ بچّی کو دُعائیں۔ آغا جان تسلیم کہتے ہیں۔ میرزا یگانہ

ہاں کئی مہینے سے اک ضروری بات لکھنا چاہتا ہوں، مگر بھول جاتا ہوں۔ آغا جان نے پارسال ۱۹۴۴ء میں منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ مگر اب تک اُس کا سرٹیفکیٹ نہیں آیا۔ ۲۷ رفروری ۱۹۴۵ء کو رجسٹرار صاحب پنجاب یونی ورسٹی کو درخواست کے ساتھ پانچ روپے کا منی آرڈر بطور ارجنٹ فیس روانہ کیا گیا اور اس کے بعد دو دفعہ یاددہانی بھی کی گئی۔ مگر وہاں سے کوئی جواب ہی نہیں آتا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی تاخیر کیوں ہو رہی ہے۔ اس معاملے میں ذرا کسی سے پوچھو تو سہی کہ اب تک سرٹیفکیٹ (جاری) نہ کرنے کی وجہ کیا ہے؟

(۱۸)

غوری منزل، حیدر گوڑہ

حیدرآباد، دکن

۷ اگست ۱۹۴۵

پیارے عزیز سلامت رہو۔ دو خطوط پہنچے۔ حالات معلوم ہوئے۔ میں پہلے ہی سمجھتا تھا کہ کوئی بھول ہوئی ہے جو منی آرڈر حسبِ معمول پہنچ نہ سکا۔ خیر گھر سے بھی رسید کا خط آ گیا۔ اخبار کا تراشہ جو تم نے بھیجا ہے اچھی چیز ہے۔ دلچسپ۔ ہنسنے کے قابل۔ مجھے تو یہ آتی ہے کہ بیچارہ عبدالمجید کس ذہنی کوفت میں مبتلا ہے۔ کیا کیا اول فول بکتا گیا ہے۔ مگر اسے کیا کیجیے کہ ایک کالم سیاہ کر لینے کے بعد بھی اس کی کوفت ہرگز مٹی نہ ہوگی۔ وہی یگانہ کی ایک

رباعی اور ایک شعر رہ رہ کے یاد آتا ہوگا۔

دکھتی رگ پکڑ لی بلبلا اٹھا

ستلج سے نیل تک حکومت کا خیال

غریب اپنے دل کو یہ کہہ کر جھوٹی تسلی دیتا ہے کہ (یگانہ) کو کبھی ایک بامعنی شعر لکھنے کی توفیق نہ ہوئی۔ نہ کبھی چار انسانوں کو اپنے کمال کا قائل بنا سکے۔ جی ہاں۔ یہ تمہاری زبان بول رہی ہے یا دل بول رہا ہے۔ ''چار آدمیوں کو اپنے کمال کا قائل نہ بنا سکے''، یہ کیا معنی؟ اور تو کون ہے؟ یہ اتنا اول فول بک گیا۔ یہ خود ثبوت نہیں ہے لوہا مان لینے کا۔ کمال کی قدر ہر جگہ محبت سے نہیں ہوتی۔ کسی کو محبت ہو جاتی ہے اور ہزاروں کو عداوت۔ دونوں باتیں ثبوت ہیں اپنی اپنی جگہ۔

کہتا ہے کہ ''ذیل کے تین اشعار اور ایک نثر کا فقرہ پڑھیے''۔ اس کے بعد میری اک رباعی اور ایک شعر اور اک فقرہ نثر کا نقل کیا ہے۔ یہ شخص رباعی کو رباعی نہیں دو شعر سمجھتا ہے۔ ہت تیرے اناڑی کی دم میں نمدا۔

ارے میاں، اب لکھنو اور غالب کے معاملے کو کیا تازہ کرو گے۔ وہ دونوں بت ٹوٹ چکے ہیں۔ دونوں مقدمے فیصل ہو کر مثلیں داخل دفتر ہو چکیں۔ غنیمت ہی جانوں کہ یگانہ نے اقبال کی طرف توجہ نہ کی۔ دو چار رباعیوں پر ہی بلا ٹل گئی اور کہیں اقبال کو بھی مرزا نے نمبر پر لے لیا ہوتا تو پھر دیکھتے اقبالچیوں کا حال۔ بڑی خیر گزری۔ اور یہ رباعیاں بھی خود اقبالچیوں نے اشتعال دے کر کہلوائی ہیں۔ خیر یہاں تک تو اک زخم خوردہ اقبالچی کا معاملہ تھا۔ اب کچھ اور باتیں کرلوں۔ آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ ''آیاتِ وجدانی کا معاملہ کسی سے طے ہو جائے تو پھر کتاب کی طباعت کے سلسلے میں پریس والوں سے سر پر کون سوار رہے گا؟'' بھئی یہ سوال تو خارج از بحث ہے۔ اتنی کسے فرصت کہ پریس والوں کے سر پر سوار

رہے گا۔ بس اصل معاملہ طے ہو جائے۔ یعنی ایک ایڈیشن ایک ہزار جلد کی جو رقم قرار پائی ہے وہ وصول کر کے مسودہ حوالے کر دیا جائے، اس شرط کے ساتھ کہ کاپیاں اور پروف دفعہ دفعہ کر کے وہ میرے پاس بھیج دیا کریں۔ میں صحت کر کے بھیج دوں تو چھاپنا شروع کر دیں اور جہاں تک جلد ممکن ہو چھاپ دیں۔ میں عنقریب مسودہ آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔ کسی پبلشر سے بات کر کے معاملہ طے کر لیجیے۔

ہاں نرملا سلمہا کو بہت بہت دعائیں۔ بے شک لڑکی کے لیے بر کا سوال نہایت پیچیدہ اور غور طلب ہوتا ہے۔ خدا اس کا نصیبہ بلند کرے۔ کسی شریف نیک بخت خوش نصیب انسان کا ساتھ ہو کہ زندگی کامیاب گزرے۔ الٰہی آمین۔

میں آجکل اچھا ہوں۔ آغا جان تسلیم کہتے ہیں۔

میرزا یگانہ

(۱۹)

غوری منزل، حیدر گوڑہ

حیدرآباد

۲۳ اکتوبر ۱۹۴۵ء

عزیزمن۔ سلامت رہو۔

بہت دنوں سے نہ میں نے کوئی خط لکھا ہے نہ تم نے۔ کوئی خاص بات قابلِ ذکر

ہے بھی نہیں۔ اور ہے تو یہ ہے کہ میرے اک کرم فرمائے مخلص مسٹر فراقؔ گورکھپوری پروفیسر الٰہ باد یونیورسٹی جو ابھی جھوٹے ترقی پسندوں کی انجمن کے جلسے میں شرکت کی غرض سے یہاں آئے تھے، جو اک تعلیم یافتہ ہونے کے علاوہ شعر وسخن کا بھی صحیح ذوق رکھتے ہیں، یہاں ریڈیو پر اور ترقی پسندوں کے مشاعرے میں جو نظم اور رباعیاں سنا گئے اس پر یہاں کے بہترین تعلیم یافتہ اصحاب نے نہایت بیزاری کا اظہار کیا۔ یہ سن کر مجھے سناٹا آ گیا کیوں کہ میں ہرگز فراقؔ کی ایسی کایا پلٹ کا متوقع نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ ترقی پسندوں میں شریک ہو کر ان کی مت بھی پلٹ گئی اور وہ بھی اردو شاعری کی تخریب ہی پر تُل گئے۔ افسوس۔

ہاں بھئی جلٹ کی سب پتیاں ختم ہو گئیں۔ چند پیکٹ جلد سے جلد بھیج دیجیے۔ نرملا سلمہا کو دعائیں۔ باقی سب خیریت ہے۔

جرمنی کی ایک پیٹنٹ دوا ہے NESTROPINE۔ اگر لاہور میں کہیں مل سکے تو بھیج دو۔ آج کل کچھ دنوں سے پیشاب میں سوزش بڑھ گئی ہے۔ پُرانا مرض ہے۔

یکم اکتوبر کے ''آج کل'' میں ''ادب خبیث'' کے نام سے میرا مضمون نکلا ہے۔ اس میں بلینک ورس کی بحث ختم کر دی گئی ہے۔ اب اس پر کوئی معقول بحث نہیں ہو سکتی ڈھٹائی کی اور بات ہے۔*

خیر اندیش

میرزا یگانہ لکھنوی

(* 'ادبِ لطیف' اور 'ترقی پسند نظریہء ادب' کی غزل بیزاری، آزاد نظم اور نظمِ معریٰ کی مخالفت میں یگانہؔ کا اول مضمون بہ عنوان 'ادبِ خبیث' آجکل دہلی کے شمارے یکم جنوری ۱۹۴۵ء میں شائع ہوا۔ اس کے جواب میں سال بھر یہ بحث چلتی رہی۔ آخرِ کار اسی عنوان پر یگانہؔ کا دوسرا مضمون یکم اکتوبر ۱۹۴۵ء آجکل میں شائع ہوا، پھر آگے یہ بحث نہ بڑھ سکی۔ خاکسار)

(۲۰)

غوری منزل۔ حیدر گوڑہ

حیدر آباد دکن

۱۲۔نومبر ۱۹۴۵ء

پیارے عزیز سلامت رہو۔

تمھارا خط پا کر رنج ہوا۔ آشوب چشم کی تکلیف کے ساتھ تم پر یہ سانحہ اور زیادہ باعثِ رنج وغم ہے اور موت بھی کسی قدر غیر معمولی تمھاری دُلھن اور نرملا سلمہا اس وقت جتنی بھی غمگین ہوں بجا ہے۔ حق تعالیٰ مرحوم و مغفور کو جوارِ رحمت میں جگہ دے تمھاری دُلھن کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا۔ اِس وقت اِس دُکھے ہوئے دل کو تسکین کی ضرورت ہے۔ یقین ہے تمھاری دل جوئی اُن کو سہارا دے گی۔ خداوند عالم صبر عطا فرمائے۔

بچّی کو دُعا، میں بحمد اللہ اچھا ہوں۔ آغا جان تسلیم عرض کرتے ہیں۔ امید ہے کہ اپنے مزاج کی حالت سے جلد اطلاع دو گے۔ دل لگا رہے گا۔ غالباً اب درد میں افاقہ ہو گیا ہو گا۔

میرزا یگانہ

(۲۱)

غوری منزل، حیدر گوڑہ

حیدرآباددکن،

۲۳/نومبر ۱۹۴۵ء

پیارے عزیز سلامت رہو۔

تمھارے پچھلے خط سے تمھارے آشوبِ چشم اور تمھارے خُسر صاحب کے انتقال کی خبر سن کر میں نے خط لکھا تھا۔ معلوم نہیں تمہارا مزاج کیسا ہے۔ امید ہے اب آنکھیں اچھی ہوگئی ہونگی۔ اپنی خیر و عافیت سے مطلع کرو۔ دل لگا رہتا ہے۔

میں بقرعید کے ایک دن پہلے بیمار پڑا کئی دن تک جاری بخار سے پریشان رہا اور بہت ناتواں ہوگیا۔ اب اچھا ہوں۔ مگر ناتوانی ابھی تک باقی ہے۔ باقی سب خیریت ہے۔ بچّی کو بہت بہت دُعائیں۔ آغا جان تسلیم کہتے ہیں۔

خیراندیش

میرزا یگانہ

(۲۲)

غوری منزل۔ حیدر گوڑہ

حیدر آباد دکن

۱۴ر دسمبر ۱۹۴۵ء

پیارے عزیز سلامت رہو

سیفٹی ریزر کی پتیوں کا پارسل پہنچ گیا۔ مگر مجھے یہ معلوم نہیں کہ اب تمھارے آنکھوں کا کیا حال ہے۔ ایک خط جو تمہارے کارخانے کے کسی صاحب کا لکھا ہوا تھا، ملا تھا، جس سے معلوم ہوا کہ آشوب میں کمی نہیں ہوئی۔ دل لگا ہوا ہے۔ اپنی خیریت سے جلد اطلاع دو۔ میں بحمد اللہ اچھا ہوں۔ شکر ہے۔

آغا جان تسلیم کہتے ہیں بچی کو دُعائیں۔

میرزا یگانہ

(۲۳)

غوری منزل حیدر گوڑہ

حیدر آباد دکن

۲۰ فروری ۱۹۴۶ء

پیارے عزیز سلامت رہو۔

تمہارا محبت نامہ مورخہ ۹ر فروری پہنچا جس سے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ

تمھارے بھائی اسمبلی انتخاب میں کامیاب ہو گئے۔ خدا مبارک کرے۔

تم نے دو خطوں میں لکھا کہ منی آرڈر لکھنؤ روانہ کر دیا گیا ہے۔ مجھے اب تک لکھنؤ سے کوئی ایسی اطلاع نہیں آئی۔ معلوم نہیں رسید تمھارے پاس پہنچی یا نہیں۔ خدا کرے تم اپنے کاروبار حسب سابق مستعدی سے کرتے رہو۔ معلوم نہیں مجھے حیدر آباد سے رخصت ہونے اور لکھنؤ آباد کرنے کا موقع کب ملے گا۔ غیب سے کوئی سامان ہو تو ہو۔ جب انسان سے کچھ بنائے نہیں بنتی تو عالم بالا کی طرف دیکھتا ہے۔ بچّی کو بہت بہت دُعائیں۔

میرزا یگانہ

(۲۴)

غوری منزل۔ حیدر گوڑہ

حیدر آباد دکن

یکم اپریل ۱۹۴۶ء

پیارے عزیز سلامت رہو

میں بحمد اللہ اچھا ہوں۔ مگر:

جزائے خیر دے اللہ اس دیرینہ دشمن کو
بلائے زندگی لپٹی ہے اب تک نیم بسمل سے

تمھارے اشعار جواب تک پڑے رہ گئے۔ اُس کی ایک وجہ تو یہ ہی ہے کہ اب یہ کام کیا کسی کام کی طرف طبیعت رجوع نہیں ہوتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اب مزاج کا حال تولہ ماشہ۔ ہر گھڑی ذرا ذرا سی تکلیف بہت معلوم ہوتی ہے۔ ذہن کے سامنے فرائض فرائض فرائض اور اُن کے متعلق اپنی کوتاہی یا مجبوری کے سوا اور کچھ نہیں۔ زیادہ کیا لکھوں۔ نرملا سلمہا کو دُعائیں۔

۲۴ کبھی کبھی اپنی والدہ کو خط ضرور لکھ دیا کرو۔ یہ بھی گویا ایک قسم کی دوا ہے۔

میرزا یگانہ

(۲۵)

غوری منزل۔حیدر گوڑہ

حیدرآباد دکن

۱۳؍جون ۱۹۴۶ء

پیارے عزیز خدا تمہیں خوش رکھے۔

یہ کیا اتنی جلدی بال سفید کر لئے۔میرے بال تو ابھی تک ساتھ دے رہے ہیں مگر حیدرآباد کے پانی نے دانتوں کو بہت نقصان پہنچایا۔منھ بہت بدنما ہوگیا۔خیر یہ تو ہونے والی بات تھی۔مگر ادھر چھ مہینے سے میرے داہنے پاؤں کی ایڑی میں درد شروع ہوا اور بڑھتا چلا گیا، چنانچہ ایک مہینے سے تکلیف بہت بڑھ گئی ہے، پاؤں کی طاقت کم ہوتی جاتی ہے۔یہ سب سِن کا اقتضا ہے، کوئی انہونی بات نہیں ہے۔ میں جلد سے جلد لکھنؤ پہنچنا چاہتا ہوں۔ اور بخاری (ذوالفقار) نے ابھی ایک مہینہ ہوا کوئی آٹھ سو روپیے دلوا کر (جس میں سے ایک معقول حصہ ممبئی ۲۵ ہی میں خرچ ہوگیا، حالات ہی ایسے پیدا ہوتے گئے) لکھنؤ پہنچنے کا انتظام کر دیا ہے مگر میں اب بھی حیدرآباد میں اٹکا ہوا ہوں، حالانکہ ایک ایک دن مجھ پر کھٹن ہے۔ بخاری نے آغا جان کو اناؤنسر کی جگہ دے دی ہے۔میرا بہت کچھ لحاظ کیا۔اگر آغا جان کی یہ نوکری، آئندہ چل کر مستقل ثابت ہوئی تو غالباً وہ ۵۰ روپۓ مہینہ گھر بھیج سکیں گے۔ اس وقت تقریباً نصف بوجھ تمہارے کاندھوں سے اتر جائے گا۔لکھنؤ پہنچنے کے بعد اس معاملے میں کوئی رائے قائم کر سکوں گا۔بچی کو بہت بہت دُعائیں۔

یگانہ

(۲۶)

سرکاری مسافر خانہ نام پلّی ۲۶ے
حیدر آباد دکن،
یکم اگست ۱۹۴۶ء

پیارے عزیز سلامت رہو۔

امید ہے تم لوگ مع الخیر ہو گے۔ ڈاک خانے کی ہڑتال نے بڑی طوالت پکڑی، سمجھ میں نہیں آتا تم لکھنؤ کا انتظام کیا کرو گے کیوں کر کرو گے۔ میں ''آیات وجدانی'' کی طباعت کی دُھن میں ہوں۔ طباعت کا کام قریب ختم آ پہنچا۔ اب جلد بندی کا انتظام کرنا ہے۔ دیکھیں لکھنؤ کب تک جانا ہوتا ہے دم بہت گھبرا گیا ہے۔ نرملا سلمہا کو بہت بہت دُعائیں۔

یہاں میرے حالات نے ایک نئی کروٹ لی۔ مسافر خانے میں ٹھہرا ہُوا ہوں۔ یہاں ایک مہینے کا انتظام ہو گیا ہے۔

خیر اندیش

میرزا یگانہ چنگیزی

(۲۷)

میرزا یگانہ چنگیزی
علی اختر ہاؤس۔ اسٹیشن روڈ ۲۷
حیدرآباد دکن
۲۶ ستمبر ۱۹۴۶ء

پیارے عزیز سلامت رہو

۷ ستمبر کو مجھے بڑے زور شور سے بخار آیا لرزہ کے ساتھ۔ کمر میں اس قیامت کا درد رہا کہ عجب نہ تھا منہ سے چیخ نکل جاتی۔ چوبیس گھنٹہ بعد بخار تو اُتر گیا مگر کسر چھوڑ گیا یعنی آج انیس دن ہو چکے ہیں خفیف حرارت رہتی ہے۔ اور بارہ بجے رات سے جُھر جُھری ہونے لگتی ہے۔ دوائیں کر رہا ہوں کوئی فائدہ نہیں۔

بھئی اب تمھیں مجھے لکھنؤ پہنچا دو، اس کا مطلب یہ ہے کہ کہیں سے تین سو روپے فراہم کرلو۔ میں نے لکھنؤ روانہ ہونے کا سامان کرنے کے لئے تین سو روپے فراہم کر لئے تھے مگر انسان کا ہر منصوبہ پورا نہیں ہوتا۔ کچھ ہوتا ہے اور بہت کچھ نہیں ہوتا۔ وہ ڈھائی برس کی کوششوں کا یہ نتیجہ تو نکلا کہ ''آیاتِ وجدانی'' کا جدید ایڈیشن چھپ کر شائع ہو گیا۔ زندگی کا ایک بڑا کام انجام پا گیا۔ مگر بکھیڑا یہ پڑ گیا کہ وہ تین سو روپے جو میں نے لکھنؤ جانے کے لئے رکھے تھے وہ غیر متوقع اسباب کی بنا پر کتاب کی طباعت اور جلد بندی میں خرچ ہو گئے۔ اب کتاب تیار ہوئی تو سہی مگر اس کے گاہک کتنے؟ وہی ایکا دکا دو دو چار (چار) کر کے کچھ جلدیں نکلیں اور کچھ دام ملتا گیا وہ صرف ہوتا گیا۔ اک دم سے پچاس جلدیں نکل نہیں سکتیں

۔اب اس کتاب کے ذریعے سے اتنی رقم مہیّا نہیں ہوسکتی کہ میں لکھنؤ پہنچ جاؤں۔ضعف بہت ہوگیا۔اورحرارت کسی طرف دفع نہیں ہوتی۔اب مجھے لکھنؤ جانا چاہیے وہاں پہنچ کر تین مہینے آرام کے بعد میرا قیاس یہ ہے کہ تم پر جو ماہانہ اخراجات کا بوجھ ۱۹۴۳ء سے پڑ رہا ہے۔وہ شاید بالکل ہلکا تو نہ ہوگا البتہ پچاس سے گھٹ کر تیس روپے ہوجائیں گے۔یہ میرا ذہنی تخمینہ ہے۔الغرض ذراہمت کرکے مجھے لکھنو پہنچادو۔بچّی کو بہت بہت دعائیں۔

میرزا یگانہ

(۲۸)

میرزا یگانہ چنگیزی
علی اختر ہاؤس،اسٹیشن روڈ،
حیدرآباد دکن
یکم اکتوبر ۱۹۴۶ء

پیارے عزیز سلامت رہو۔

معلوم نہیں تم کیسے ہو اور تمھارے کاروبار کا کیا رنگ ہے۔

۲۷ر ستمبر کو میں ایک نہایت ضروری خط تمھیں بھیج چکا ہوں۔یقین ہے پہنچ گیا ہوگا۔اپنی ناسازیِ مزاج اور بڑھتے ہوئے ضعف کو پیشِ نظر رکھ کر پھر لکھتا ہوں کہ مجھے اب ہرگز یہاں ٹھہرنا نہیں چاہیے۔اب تمھیں مجھے لکھنؤ پہنچادو۔اس کے لئے کم از کم مجھے تین سو روپے کی

ضرورت ہے اور یہ رقم تمھیں فراہم کرنا ہے۔ جیسا میں پچھلے خط میں لکھ چکا ہوں۔ کہ لکھنؤ جانے کے لئے میں نے تین سو روپے مہیا کر لئے تھے۔ مگر آیات وجدانی کی طباعت وجلد بندی کی مد میں اُٹھ گئے۔ خیر کتاب شائع تو ہوگئی زندگی کا آخری کام انجام پا گیا۔ مگر ابھی تک صرف تین سو جلدیں بندھ سکیں باقی جلد بند کے ہاں پڑی ہیں اور ادھر میری مسلسل علالت سے اتنا ضعف بڑھتا جاتا ہے کہ یہاں ایک دن بھی ٹھہرنا خلافِ عقل ہے۔ اس لئے سب سے ضروری کام یہ ہے کہ میں لکھنؤ چلا جاؤں۔ ۲۵/ اکتوبر کو مجھے یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیے اور یہ کام تمھیں پر موقوف ہے، وہاں پہنچ کر مجھے اُمید ہے کہ جلد صحت ہو جائے گی، اس کے بعد کتاب کے معاملے پر غور کروں گا۔ آیندہ دیکھا جائے گا۔

میرزا یگانہ

(۲۹)

سلطان بہادر روڈ ۲۸

لکھنؤ

۹/ نومبر ۱۹۴۶ء

پیارے دوست سلامت رہو

تمھارا خط مورخہ ۲۹/ اکتوبر مجھے حیدر آباد میں ملا۔ خیر خدا خدا کر کے میں لکھنؤ پہنچ گیا۔ آغا جان بھی میری علالت کی طوالت سے گھبرا کر یہاں چند ہفتوں کے لئے آ گئے ہیں۔ تمھیں بہت بہت سلام کہتے ہیں تمھاری والدہ دعا کہتی ہیں اور بہنیں تسلیم کہتی ہیں۔ میں اب کسی قدر بہتر ہوں مگر قدرتی طور پر ضعف اور اپنے حالات کی وجہ سے کشمکش کا مقابلہ

کئے جاتا ہوں۔ خدا تمھاری پریشانیوں کو جلد رفع کرے بچی کو بہت بہت دعائیں۔

میرزا یگانہ چنگیزی

(۳۰)

سلطان بہادر روڈ۔ لکھنؤ

۳ دسمبر ۱۹۴۶ء

عزیزی وشفیقی سلام شوق

میں لکھنؤ پہنچ گیا مگر حیدر آباد دکن میں چار سال کی مسلسل کوششوں کے باوجود کچھ بن نہ پڑا۔ مدو معاش کی کوئی صورت نہ نکلی۔ خالی ہاتھ آیا۔ اک شاعر اور مجھ ایسے شاعر کے حصے میں روایاتی ناکامی کے سوا اور کیا آسکتا۔

آغا جان سلمہٗ دو سال سے سخت جفاکشی کے بعد بھی اب تک کامیاب نہ ہوسکے۔ گزشتہ اپریل میں ذوالفقار علی شاہ بخاری نے (یادش بخیر) بمبئی ریڈیو میں اُنھیں اناؤنسر کی جگہ دے دی تھی جس سے اُمید بندھی تھی کہ آغا جان کچھ ہم لوگوں کی مدد کرسکیں گے اور اس طرح تمھارے کاندھوں سے کچھ بوجھ اُتر جائے گا۔ مگر زمانے کی بدلتی ہوئی رفتار کا کیا ٹھکانا ہے بخاری ریڈیو سے غالبًا الگ ہوکر امریکہ چلے گئے اور آغا پھر اُسی کشمکش حیات میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ معلوم نہیں اب وہ بمبئی میں کس حال سے بسر کریں گے۔ میں حیدر آباد میں بڑی مشکل سے ''آیات وجدانی'' کی کچھ جلدیں فروخت کرکے دو سو روپے مہیا کرکے لکھنؤ پہنچا تھا۔ یہاں پہنچتے پہنچتے اور نومبر کا مہینہ گزار لینے کے بعد وہ رقم اور تمھارے بھیجے ہوئے پچاس روپے سب خرچ ہوگئے۔ خدا کرے تمھارے حالات اصلاح پر آجائیں اور ادھر توجہ کرنے کا تمھیں موقع مل سکے۔

یگانہ

(۳۱)

میرزا یگانہ چنگیزی

سلطان بہادر روڈ۔ لکھنؤ

۱۱؍دسمبر ۱۹۴۶ء

پیارے عزیز سلامت رہو

منی آرڈر پہنچا۔ یہاں لکھنؤ آ کر غلّہ تو غلّہ مٹی کے تیل اور جلانے کی لکڑی کا وہ توڑا [۲۹] ہے کہ بعض اوقات اندھیرے میں رہنا پڑتا ہے۔ بن پڑے تو یہاں کسی دوکان سے مٹی کے تیل کا ایک پیپا مجھے دلوادو۔ تا کہ کچھ دیر لکھنے پڑھے کا کام کر سکوں۔ زیادہ کیا لکھوں۔

میرزا یگانہ

(۳۲)

۲۵۰۔ سلطان بہادر روڈ

منصور نگر۔ لکھنؤ

۵؍فروری ۱۹۴۷ء

مائی ڈیر

[۳۰] امید ہے خیریت سے ہو گے۔

یہاں کرفیو لگا ہوا ہے۔ اپنے گھر سے نہیں نکل سکتا۔ ۷۰۰ سُنّی گرفتار ہوئے ہیں اور کچھ شیعہ بھی۔

تمھارا

یگانہ

(۳۳)

میرزا یگانہ چنگیزی

۲۵۰ سلطان بہادر روڈ،

منصور نگر، لکھنؤ

۱۷/ مارچ ۱۹۴۷ء

پیارے عزیز سلامت رہو

ہم لوگ نہایت تشویش میں ہیں، اپنی خیریت سے جلد مطلع کرو۔ ایک خط پہلے بھی لکھ چکا ہوں۔ خدا تم سب کو امن وامان میں رکھے۔

میرزا یگانہ

(۳۴)

میرزا یگانہ چنگیزی

۲۵۰ سلطان بہادر روڈ

منصور نگر، لکھنؤ

۲۲/ مارچ ۱۹۴۷ء

عزیز شفیق سلامت رہو

تمھارا خط مورخہ ۱۰/ مارچ ۴۷ء موصول ہوا۔ تمھاری خیریت تو منی آرڈر پہنچنے ہی سے معلوم ہو گئی تھی۔ ملک کے حالات تو جیسے کچھ ہوتے جا رہے ہیں دیکھتے رہنے کے سوا کیا چارہ ہے۔

اب تمھارے خط سے تمھاری خانگی حالت معلوم ہوئی البتہ یہ بات تشویش کی

ہے، بٹوارہ ہوجائے گا۔ سب الگ الگ ہو جائیں گے، مگر ہم لوگ تمھارے ہی حصے میں رہے اور رہیں گے۔ ظاہر ہے کہ اتحادو یک جانی میں جو قوت ہے وہ کہاں باقی رہے گی۔ خیر جیسی خدا کی مرضی۔

تمہاری والدہ تمھیں بہت بہت دُعائیں کہتی ہیں۔

خیراندیش

میرزا یگانہ

(۳۵)

میرزا یگانہ چنگیزی لکھنوی
ایم آرٹن کمپنی۔ باغ عام روڈ
حیدرآباد دکن ۳۱
۳۰/اکتوبر ۱۹۴۷ء

پیارے عزیز سلامت رہو۔

عزیزی درگا داس کے خط سے اتنا معلوم ہوگیا کہ تم لوگ جانیں بچا کر صحیح سلامت لاہور سے نکل آئے اور جائداد جو کچھ تھی وہ آزادی کی بھینٹ چڑھ گئی۔ خیر جان بچی لاکھوں پائے۔

میں اب تک چل رہا ہوں، پھر رہا ہوں، بس اور کیا کہوں آج لکھنؤ سے تمھاری والدہ کا خط آیا ہے۔ کئی بار تمھاری خیریت پوچھ چکی ہیں۔ دعائیں کہتی ہیں۔ اپنی خیریت کا خط اُن کو بھی لکھ بھیجو تو مناسب ہے۔

خیراندیش

میرزا یگانہ

(۳۶)

میرزا یگانہ چنگیزی
بنگلہ نواب شہید یار جنگ بہادر
حیدر گوڑہ۔ حیدرآباد دکن
۲۳ر جولائی ۱۹۴۸ء

پیارے دوست تم کس قدر یاد آتے ہو۔ مگر یاد کر کے خاموش رہ جاتا ہوں۔ خط تک نہیں لکھتا! لکھوں تو کیا لکھوں، شکنجے میں جکڑا ہوا ہوں۔ کچھ بنائے نہیں بنتی۔ اپنی فیملی کے لئے گویا میں مر چکا ہوں۔ خیر، تو تم اپنی خیریت سے جلد آگاہ کرو۔ بہت دنوں سے کچھ معلوم نہیں کہاں ہو کیسے ہو۔ تمھارے حالات کیا ہیں۔ بچّی کیسی ہے۔ اُس کی شادی کے فرض سے ادا ہوئے یا نہیں۔ خدا اُسے پروان چڑھائے۔ خیراندیش

میرزا یگانہ ۳۲

(۳۷)

مکان کورٹ صاحب
سلطان بہادر روڈ لکھنؤ
۲۶ر مارچ ۱۹۴۹ء

فرزند عزیز ۳۳

خدا تمھیں سلامت رکھے تم خود سمجھ سکتے ہو کہ تمھارا خط پا کر مجھے اور میرزا صاحب کو (جو بیمار ہو کر یہاں آئے ہیں) کتنی مسرت ہوئی، کتنی تسکین پہنچی کہ ہمارا عزیز ہم لوگوں کو کسی حال میں نہیں بھولا، سلطنت حیدرآباد کی تباہی سے بہت پہلے میرزا صاحب کا ایک خط

مجھے ملا تھا جس سے یہ معلوم کر کے رنج ہوا تھا کہ تم بالکل تباہ ہو کر لاہور سے دہلی آ گئے ہو۔ میں اس وقت کوئی خط تمھیں اس وجہ سے نہ لکھ سکی کہ میرزا صاحب کے خط میں تمھارا صحیح پتہ درج نہ تھا اور پھر یہاں میرے حالات روز بروز سخت ہوتے گئے۔ پریشانیوں میں پھر کچھ نہ سوجھا۔ آغا جان ادھر سے اُدھر نوکری کے لئے پریشان پھرتے رہے۔ پھر یہاں تمہارا چھوٹا بھائی حیدر بیگ تنگ دستی کے سبب انٹر میڈیٹ کی تعلیم ترک کرنے اور تلاشِ روزگار میں ترک وطن کرنے پر مجبور ہوا اور کراچی چلا گیا۔ خیر وہاں اُسے اک جگہ مل گئی اور آغا جان بھی کوئی چھے سات ماہ سے کراچی میں آ گئے ہیں، ریڈیو میں نوکر ہو گئے ہیں۔ اب یہ دونوں بھائی تو غالباً وہیں کے ہو گئے۔

میرزا صاحب سے تمہارا حال معلوم کر کے دل بہت کڑھا۔ سارا گھر بار لٹ جانے کے بعد جانیں سلامت رہ گئیں۔ خیر یہی بہت ہے، شکر ہے مالک کا۔ اپنی دُلہن اور بیٹی نرملا کو بہت دُعائیں کہو۔ معلوم نہیں لڑکی کی شادی سے فراغت پائی یا نہیں۔ تمھاری بہن اقبال بیگم تسلیم کہتی ہیں۔ خیریت سے ہیں۔ تمھاری چھوٹی بہن عامرہ بیگم تسلیم کہتی ہے۔ میرزا صاحب سخت بیمار ہوئے اور غنیمت ہے اُن کے بعض دوستوں نے یہاں تک پہنچا دیا، ورنہ خدا جانے وہاں کیا حال ہوتا۔ وہ تمھیں خود بھی ایک خط لکھ رہے ہیں۔ جو اسی خط کے ساتھ ملفوف ہے۔ تم نے ہر حال میں ہم لوگوں کو یاد رکھا ہماری دُعائیں تمھارے ساتھ ہیں۔ خوش رہو آباد رہو۔

آغا جان کا پتہ یہ ہے،

میرزا آغا جان

اناؤنسر۔ پاکستار یڈیو۔ کراچی

دعا گو۔ یگانہ بیگم

(۳۸)

میرزا یگانہ چنگیزی
مکان کورٹ صاحب،
سلطان بہادر روڈ
لکھنؤ۔ ۲۶/ مارچ ۱۹۴۹ء

پیارے دوست خدا تمھیں آباد رکھے۔

ابھی ابھی تمھارا خط پا کر تمھاری والدہ کو جتنی مسرت ہوئی اور مجھے اس کا کہاں تک شکر ادا کروں۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ میں سخت بیمار ہو کر حیدر آباد سے یہاں پہنچا ہوں اور ہنوز تندرست نہیں ہُوا ہُوں۔ تمھارا خط پڑھ کر دل کو کتنی تسکین پہنچی۔

واقعہ یہ ہے کہ ۲۱/ فروری کو حیدر آباد میں مجھے شدید بخار آیا۔ چار دن تک تو یوں ہی اپنے مقام پر پڑا رہا۔ ۲۵/ فروری کو ڈاکٹر کے پاس گیا۔ اس نے دیکھ کر کہا کہ فوراً عثمانیہ اسپتال میں داخل ہو جائیں، نمونیا ہو گیا ہے۔ خیر میں اسی وقت اسپتال پہنچا۔ بھرتی ہو گیا۔ علاج شروع ہوا۔ بخار تو وہاں جانے کے دوسرے ہی دن اُتر گیا۔ مگر علاج ہوتا رہا۔ آٹھ دن تک علاج ہونے کے بعد مجھے بس اتنا محسوس ہوا کہ سینہ بلغم سے تو صاف ہو گیا ہے۔ مگر درد موجود ہے اور ضعف بڑھتا جاتا ہے۔ آخر بڑھتی ہوئی ناتوانی اور اسپتال کی خوفناک فضا سے تنگ آ کر دل گھبرانے لگا، بال بچے یاد آنے لگے۔ میں نے ڈاکٹر سے کہا 'مجھے اب جانے کی اجازت دیجئے'۔ خیر وہاں سے رخصت ہو کر میں اپنے مقام پر پہنچا اور ایک ہفتہ تک بے علاج پڑا رہا کہ شاید رفتہ رفتہ طبیعت درست ہو جائے کیونکہ بخار تو اُتر گیا تھا مگر ایسا نہ ہُوا ضُعف بڑھتا ہی گیا۔ آخر ۱۲/ مارچ کو لکھنؤ روانہ ہو گیا۔ ۱۴/ مارچ کو یہاں پہنچ گیا۔

میں نے آرام لینے کے بعد حکیم سے رجوع کیا۔ اب معلوم ہو گیا کہ نمونیا کے بعد ورم جگر اور خم معدہ میں ورم باقی ہے۔ اس کا علاج شروع ہوا۔ پانچ دن کے علاج میں حکیم کی دوا سے کوئی فائدہ محسوس نہ ہوا تو یہاں ڈاکٹر سے رجوع کیا۔ آج پانچواں دن ہے۔ ڈاکٹر کے علاج سے یقیناً فائدہ محسوس ہو رہا ہے مگر پیٹ میں ابھی کسر باقی ہے۔ انشا اللہ تعالیٰ چند روز بعد طبیعت بحال ہو جائیگی۔ میں اپنی اور اپنی زندگی (کی) تلخیوں کا کیا ذکر کروں۔ مگر زندگی پیچھا چھوڑتی ہی نہیں (بلائے زندگی لپٹی ہے اب تک نیم بسمل سے)

آغا جان بمبئی ریڈیو سے الگ ہونے کے بعد کوہ مری، پشاور اور کہاں کہاں مارے مارے پھرے۔ اب کراچی ریڈیو اسٹیشن میں انھیں جگہ مل گئی ہے۔

جون ۱۹۴۷ء میں میں جب حیدر آباد پہنچا تھا تو اُس وقت تمھارا چھوٹا بھائی حیدر بیگ یہاں انٹرمیڈیٹ میں پڑھ رہا تھا۔ مگر حیدر آباد پہنچ کر میں اتنا مجبور ہو گیا کہ گھر پر خرچ بھیجنا بالکل بند ہو گیا۔ حیدر بیگ بے چارہ ان سختیوں سے مجبور ہو کر کراچی چلا گیا۔ تعلیم ترک ہو گئی۔ غنیمت ہے اُن کو وہاں ٹیلیفون آپریٹر کی جگہ مل گئی ہے۔ اور وہ اپنی ماں کو خرچ بھیج دیتے ہیں۔

میں وہی پندرہ روپئے کی پنشن لے کر پھر یہاں آ گیا ہوں۔ جب حیدر آباد کی سلطنت باقی تھی تو اس وقت ارکانِ دولت نے میری قابلِ رحم حالت کا کوئی لحاظ نہیں کیا، تو اب تو سلطنت ہی مٹ گئی ۴۸ء قصہ ختم ہُوا۔

یہ تو میرا حال تھا، اب اپنا حال لکھو، خدا تمھیں خوش رکھے تمھارا روزگار چلنے لگے۔
بیٹی نرملا سلّمہا کو بہت بہت دُعائیں۔ اُس کی شادی کی فراغت ہو چکی یا ابھی نہیں۔

دُعا گو۔ میرزا یگانہ

(۳۹)

میرزا یگانہ چنگیزی

۲۵۰۔سلطان بہادر روڈ۔کاظمین

لکھنؤ،۱۰/اپریل ۱۹۴۹ء

پیارے عزیز سلامت رہو۔

ڈاکیے نے آواز دی۔ تمھاری بہن اقبال بیگم سلّمہا نے لفافہ دیکھتے ہیں کہا کہ لیجئے شعلہ بھائی کا خط آ گیا۔ پڑھ کر ذرا اطمینان ہُوا تمھارے حالات نسبتاً اب بہتر ہو چلے ہیں۔ خیر جو ہونا تھا سو ہوا۔ دھن دولت گئی تو گئی روزی کا سہارا اک دُکان تو رہ گئی۔ جانیں تو سلامت ہیں، آگے اللہ مالک ہے۔ وہ بڑا مسبب الاسباب ۳۵ ہے۔ لاہور میں بعض دوستوں نے تمھارے لئے قربانیاں کیں، تمھارے جیسے شریف انسان کو ایسے دوست ملے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ہاں مگر ایسے شیطانی دور میں یہ امر یقیناً بسا غنیمت ہے۔ لالہ رتن چند بھی آپ ہی کی طرح تباہ ہو کر دہلی آ گئے اور آنکھوں سے معذور ہو گئے۔ افسوس ہے۔ میرا بہت بہت سلام کہیے۔

ہاں بھی تم نے یہ بات میرے دل کی کہی، اک بار پھر ملاقات ہو جائے تو بہت اچھا ہے، جو دم ہے غنیمت ہے کیا جانیے کل کیا ہو۔ تین کم ستر برس کو پہنچ چکا ہوں۔ بہتر تو یہی ہے کہ اسی اپریل میں اس کام سے فارغ ہو جاؤں کیونکہ گرمی اور بڑھتی جائے گی میں اب کسی قدر اچھا ہوں اگر چہ کمزور ہوں۔ تاریخ مقرر کرو تو مناسب ہے۔ تمھاری والدہ بہت دُعائیں کہتی اور بہن تسلیم کہتی ہیں۔ تم نے جو یہ کہا ہے کہ:

پلٹ کے آ نہ سکیں گے کبھی وہ دن شاید
کہ تم بھی شاد رہو اور شادماں ہم بھی

تو بلا سے نہ آئیں وہ دن۔ ہمارے قالب پر چاہے جتنی سختیاں گزریں، ہماری روح کو سکون ضرور حاصل ہے اور یہ بہت بڑی بات ہے۔ زیادہ شوق دید۔ خیر اندیش میرزا یگانہ۔

۳۶ آپ کو سلطان بہادر روڈ کا پتہ نہ مل سکا تو کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ یہ سڑک بہت کم مشہور ہے اس کے ساتھ محلّہ کاظمین کا پتہ دینا ضروری ہے۔

(۴۰)

میرزا یگانہ چنگیزی

۲۵۰۔ سلطان بہادر روڈ۔ کاظمین

لکھنؤ۔ ۸/جون ۱۹۴۹ء

پیارے عزیز سلامت رہو

بھئی ۳۷ اب تو میں پھر واپس چلا اگرچہ ہاتھ پاؤں کمزور ہو چکے ہیں۔ بات یہ ہے کہ تمھاری والدہ پر بہت سختیاں گزری ہیں میری پینشن وہی پندرہ روپے، لڑکے نوکر تو ہیں مگر افسوس کی بات کہ بہت کم توجہ کرتے ہیں۔

میرے واپس جانے کا بڑا سبب یہ ہے کہ کرایہ مکان دو سال ۲۴۰ روپئے کا سخت تقاضہ ہو رہا ہے۔ ۳۱/جولائی تک مہلت مانگی ہے، جا تو رہا ہوں مگر یہ نہیں معلوم کہ وہاں یہ رقم کیوں کر فراہم کر سکوں گا۔ حالات بالکل بدل گئے ہیں۔

غالباً ۱۵/جون تک روانہ ہو جاؤں گا ۳۸۔ بچّی کو دُعائیں۔ یگانہ

(۴۱)

میرزا یگانہ چنگیزی

۲۵۰۔ سلطان بہادر روڈ، کاظمین

لکھنؤ ۲؍اپریل ۱۹۵۰ء

پیارے شعلہ سلامت رہو

تمھارا محبت نامہ مورخہ ۲۵ فروری جب سے اب تک میز پر رکھا رہا۔ اسی انتظار میں کہ اپنے فرض سے ادا ہو جاؤں تو جواب لکھوں۔ خدا کا شکر ہے کہ ۳۱؍مارچ کو تمھاری چھوٹی بہن عامرہ بیگم کی شادی کی تقریب خوشی خوشی سرانجام پا گئی۔ ہاں اب مَیں تمھارے پاس آسکتا ہوں تم مجھے پہچان تو لو گے مگر افسوس کرو گے۔ پوپلا مُنھ، جُھکا ہوا ڈیل دیکھ کر، خیر خدا نے مجھے بڑے فرض سے سبکدوش کیا اب کوئی زیادہ فکر کی بات نہیں ہے۔ جو کچھ ہونا ہے ہو جائے کچھ پرواہ نہیں۔

لا اُبالی جیے خوشی سے مرے
رات دن غم کے مارے مرنا کیا؟

تمھاری والدہ کو یہ سُن کر بڑی خوشی ہوئی کہ اب تمھارا مکان بن گیا۔ اب خدا تمھیں اپنی بچّی کے فرض سے سبکدوش کرے۔ آمین۔ لالہ رتن چند کا آنکھوں سے معذور ہو جانا میرے ذہن ہی میں نہ تھا۔ خیر علاج کے لئے یورپ جا رہے ہیں مناسب ہے۔

سیف شادانی صاحب کو میرا اسلام کہیے۔ میرزا فہیم بیگ کا واقعہ سن کر رنج ہوا۔ ہاں اب قتل و غارت گری کے واقعات میں کوئی اہمیت نہیں رہی۔

وڈیا سلمہا نرملا سلمہا کو بہت بہت دُعائیں۔ بقدر ضرورت سفر خرچ بھیج دو تو میں آجاؤں۔

زیادہ شوق دید۔

خیر اندیش

میرزا یگانہ چنگیزی

(۴۲)

میرزا یگانہ چنگیزی

۲۵۰/سلطان بہادر روڈ۔ کاظمین

لکھنؤ۔۷/اپریل ۱۹۵۰ء

مائی ڈیر شعلہ سلامت رہو

محبت نامہ ملا۔ کل ہفتے کے دن منی آڈر مل گیا تو میں انشاء اللہ تعالیٰ اتوار کے دن ۹/اپریل کو شام کی گاڑی سے روانہ ہو جاؤں گا۔ ابھی مجھے ٹھیک طور پر معلوم نہیں کہ شام کو کوئی گاڑی جاتی ہے یا نہیں۔

زیادہ شوق دید

میرزا چنگیزی

(۴۳)

میرزا یگانہ چنگیزی

۲۵۰۔سلطان بہادر روڈ۔ کاظمین

لکھنؤ۔۲۰/اپریل ۱۹۵۰ء

پیارے دوست سلامت رہو

میں خیریت سے پہنچا۔ امید ہے اب چند روز کسی قدر سکون سے گزریں گے۔

جن کے سخت تقاضے تھے اُن سے پیچھا چھوٹا، خدا کا شکر ہے۔ میرے نام کا منی آرڈر آپ کے دُکان پر پہنچا ہوگا۔ اگر وصول ہوگیا ہوتو مجھے بھیج دیجیے۔ تمھاری اماں بہت بہت دُعائیں کہتی ہیں۔ صابن اُنہیں پسند آیا۔ عامرہ بیگم تسلیم کہتی ہے۔ وڈّیا رانی ۳۹؎ اور نرملا سلمٰہا کو دُعائیں۔ تمہاری والدہ نے مجھے دیکھ کر ہنسی ہنسی میں فرمایا کہ شعلہ کے ہاں آٹھ دس دن رہ کر گھی کھانے کو ملا تو چہرے کی روہت پھر گئی* میں نے کہا تو کیا وہیں جا کر رہوں۔ مگر ابھی تو کئی مہینے کے لئے وہ گھی کافی ہے جو اُنھوں ے میرے ساتھ کر دیا ہے۔ یار زندہ صحبت باقی۔

خیر اندیش

میرزا یگانہ

(*'روہت پھرنا' ہندی الاصل محاورہ ہے جس کا تعلق رونے سے ہے۔ خاکسار)

(۴۴)

میرزا یگانہ چنگیزی

۲۵۰، سلطان بہادر روڈ

کاظمین، لکھنؤ

۲۹/اپریل ۱۹۵۰ء

پیارے عزیز سلامت رہو

پچھلے خط میں اپنے پہنچنے کی اطلاع دے چکا ہوں۔ منی آرڈر جو میرا تعاقب کرتا ہوا آپ کی دُکان تک پہنچا تھا وہ پھر میرا تعاقب کرتا ہوا یہاں واپس آیا اور مجھے مل گیا۔ بھائی کیا کہوں، آپ نے تو پانچ سیر گھی کا حکم دیا تھا مگر یہاں آکر دیکھتا ہوں تو گھی کیسا گھی کی تو بُو باس بھی نہیں۔ خدا جانے کون سا تیل ہے، یہ تو ڈالڈا بھی نہیں ہے، کسی گھانس کا روغن ہے۔

معلوم نہیں یہ دُکان دار کا فریب ہے یا کسی اور کا۔ اچار بہت مزے دار ہے۔

اپریل کا مہینہ گزر جانے کے بعد اب کل سے گرمی کا آغاز ہوا ہے۔ آج تو ہوا میں کچھ لُو کی کیفیت پیدا ہے۔ خیر اندیش۔ میرزا یگانہ چنگیزی

وڈیا اور نرملا کو سلمہا کو دُعائیں

(۴۵)

میرزا یگانہ چنگیزی

۲۵۰، سلطان بہادر روڈ

کاظمین، لکھنؤ

۱۶راگست ۱۹۵۰ء

عزیز شفیق زاد لطفکم

سلام شوق۔ ادھر کئی ہفتوں سے آپ لوگوں کا حال معلوم نہیں۔ کیا بات ہے۔ میں نے ۲۴رجولائی کے بعد دو خط بھی بھیجے مگر جواب نہ ملا۔ اپنی خیریت سے جلد آگاہ کیجیے۔

بچّی کو بہت بہت دُعائیں

میرزا یگانہ

(۴۶)

میرزا یگانہ چنگیزی ۴۰۔

۲۵۰، سلطان بہادر روڈ

کاظمین، لکھنؤ

۱۶راکتوبر ۱۹۵۰ء

میرے پیارے دوست سلامت رہو

میں جانتا ہوں تم غیر مطمئن حالت میں ہو ورنہ اتنے دنوں تک مجھ سے بے خبر نہ رہتے ۔ خیر جس حال میں ہو اب فوراً اُٹھ کھڑے ہو۔ اپنی والدہ اور عامرہ بیگم کے لئے پرمٹ بنوا کر پشاور تک ممکن نہ ہو تو کم از کم لاہور تک پہنچادو، کسی معتبر شخص کے ساتھ۔ وقت اب ایسا ہی آ گیا۔ مگر میں تو ہر گز لکھنؤ نہ چھوڑوں گا۔ بواپسی ڈاک اس کا جواب اثبات میں بھیجو جیتے رہو۔ خوش رہو۔ آباد رہو۔

جواب بیرنگ بھیجنا آج کل یہاں خط بہت تلف ہو رہے ہیں۔

خیر اندیش

میرزا یگانہ چنگیزی

(۴۷)

سلطان بہادر روڈ

منصور نگر، لکھنؤ

۶ راگست ۱۹۵۱ء

میرے پیارے عزیز سلامت رہو

عزیزی عرشؔ ملسیانی نے مجھ سے میری تازہ تصویر مانگ بھیجی تھی۔ میں تو فوٹو وو ٹو کھچواتا نہیں۔ اتفاق سے پنشن کے کاغذات کے ساتھ مجھے دو فوٹو حیدر آباد بھیجنے تھے۔ ایک میرے پاس رکھا تھا۔ میں ابھی لفانے میں رکھ کر (تمھارا یہ رجسٹری شدہ خط ملنے سے پانچ منٹ پہلے) عرشؔ کو بھیج دیا اور یہ بھی لکھ دیا کہ یہ فوٹو دیکھ کر آپ لوگ کھل کھلا پڑیں گے۔ شعلہؔ کو بھی فوٹو دکھا دینا۔ کہاں تو وہ فوٹو جو شعلہؔ نے لاہور میں کھچوایا تھا اور کہاں یہ فوٹو!

الغرض تمھاری عمر دراز کہ تھوڑی دیر بعد تمھارا خط آ گیا۔ شکروں سے لبریز۔ دیکھ

کرہنسی آئی۔ میں وہ خط جا بجا نوٹ لکھ کر اس خط کے ساتھ ہی ملفوف کرتا ہوں۔ میرے خط نہ لکھنے کی وجہ ظاہر ہے کہ تمھاری والدہ کو کراچی [۴۱] بھیجنے کے لئے سال بھر سے میں کئی دماغی الجھنوں میں مبتلا تھا۔ اس کام سے فراغت نصیب ہوئی تو اب مناسب معلوم ہوا کہ تمھیں بھی اطلاع کردو۔ پنڈت ہری چند اختر کے مصائب اور اُن کی عالی ظرفی سبق حاصل کرنے کے قابل ہے۔۔ سلام ہو ایسے بہادروں پر۔[۴۲]

اس پہلے تمھارا کوئی خط سادہ یا رجسٹری شدہ مجھے نہیں ملا۔

خیر اندیش

میرزا یگانہ چنگیزی

(۴۸)

میرزا یگانہ چنگیزی

معرفت مولانا رشید ترابی[۴۳]

[۴۴] ا۔ کلیٹن روڈ۔ کراچی (پاکستان)

۱۱ر جنوری ۱۹۵۲ء

پیارے عزیز سلامت رہو

بہت دنوں بعد تمھاری خیریت مسٹر رام رتن مہتا سے معلوم ہوئی۔ لکھنو سے یہاں آنے کے بعد میں نے تمھیں کوئی خط نہیں لکھا۔ کیا کیا حالات پیش آئے کیا کہوں مختصر یہ کہ:

ایک موج پریشاں ہوں عجب ہلچل میں

عارضی پرمٹ پر آیا تھا لڑکوں کو دیکھنے کے لئے۔ مگر کیا کہیے ناگزیز حالات کے

باعث واپسی کی تاریخ گزرگئی اور میں یہاں اٹک کر رہ گیاہوں مگر میں ہرگز یہاں نہیں رہوں گا۔لوگ کہتے ہیں اب جانا نہیں ملے گا۔خیر دیکھیں کیا ہوتا ہے۔کل اک D.O. گورنمنٹ آف انڈیا میں ہائی کمیشنر کے دفتر سے بھیج دیا گیا ہے جس میں میرے معاملات کی طرف توجہ دلائی اور سفارش کی گئی ہے۔۴۴

بھائی اب ذرا اُٹھ کھڑے ہواور مجھے جلد یہاں سے نکالو۔ D.O کا جواب جلد سے جلد بھجوانے کی کوشش کرو۔اب تک زندگی میں کوئی غم (لڑکی مرنے کے سوا) نہیں اُٹھایا تھا۔مگر وطن چھوٹنے کا غم اُٹھایا نہ جائے گا۔دیکھو جلدی کرو۔کھانسی کا مرض تو بہت دنوں سے ہے مگر اب تنفس اتنا بڑھ گیا ہے کہ دس قدم چل کر ہانپنے لگتا ہوں۔پانچ منٹ باتیں کروں تو دم پھولنے لگتا ہے۔زیادہ کیا لکھوں نرملا سلمہا کو بہت بہت دعائیں۔

خیر اندیش

میرزا یگانہ چنگیزی

(۴۹)

میرزا یگانہ چنگیزی

معرفت مولانا رشید ترابی

۱۴،کلیٹن روڈ،کراچی (پاکستان)

۱۴رجنوری ۱۹۵۲ء

پیارے عزیز سلامت رہو

۱۱رجنوری کو اک خط لکھ چکا ہوں۔یقین ہے مل گیا ہوگا۔اور تمھیں بھی رنج پہنچا ہوگا میں جس حال میں ہوں۔اب جس طرح بن پڑے کوئی وسیلہ ڈھونڈھ کر میری رہائی کی

تدبیر کرو تاکہ یہاں سے نجات ہو۔ یہاں سے ہائی کمشنر کے دفتر کا جو اک D.O ،
گورنمنٹ آف انڈیا میں بھیج دیا گیا ہے۔ اُس کا جواب حسب دلخواہ بھجوا دینے کی جلد فکر کرو
تاکہ میں وطن پہنچ کر مروں۔ مسٹر رام رتن مہتہ سے جو کچھ ممکن تھا انھوں نے کیا۔ خدا انھیں
خوش رکھے مگر دفتر والے حسب عادت کچھ نہ کچھ......۴۵

میرزا یگانہ چنگیزی

(۵۰)

میرزا یگانہ چنگیزی
معرفت مولانا رشید ترابی
۱۴۔ کلیٹن روڈ۔ کراچی (پاکستان)
۱۸ر جنوری ۱۹۵۲ء

پیارے عزیز سلامت رہو، آباد رہو

کل تمھارا خط پا کر بڑا سہارا ملا۔ تسکین ہوئی۔ یہاں تو ہر طرف سے یہ آواز آ رہی
ہے کہ اب یہاں سے چھٹکارا نہیں ہوگا۔ لاحول ولاقوۃ۔ بات یہ ہے کہ مسٹر مہتہ حسن اتفاق
سے چند روز کے لئے پرمٹ آفیسر کی جگہ پر آ گئے تھے۔ میری مثل (مسل؟) اُن کی نظر سے
گزری تو انھوں فوراً چھٹی لکھ کر مجھے بلوایا اور میں بیماری کی حالت میں اُن کے پاس دفتر
میں پہنچ گیا۔ پہلے انھوں نے یہی چاہا کہ فوراً پرمٹ دلوا دیں مگر اُن کے اسیسٹنٹ نے کہا کہ
یہ نہیں ہوسکتا۔ ۲۱۔ نومبر کو مدت گزر گئی اب گورنمنٹ آف انڈیا اجازت دے تو ہوسکتا ہے
۔ اُس پر انھوں نے دوسرے ہی دن یعنی ۱۰ر جنوری کو ایک D.O. گورنمنٹ آف انڈیا کو
لکھا۔ جس میں میرا معاملہ سمجھا کر سفارش کی گئی ہے۔ الغرض جتنی مدد وہ کر سکتے تھے کی۔ اب

وہ .D.O گورنمنٹ آف (انڈیا) کے دفتر متعلقہ پرمٹ میں ہوگا۔ وہاں کے اہل کارانِ دفتر سے مل کر اس کا جواب حسبِ دلخواہ بھجوانا ہے۔ جب تک اہل دفتر نہ چاہیں کام نہیں بن سکتا۔ جوشؔ سے مشورہ کرو کیا صورت اختیار کی جائے۔ عرشؔ ملسیانی اور جگن ناتھ آزادؔ سے بھی پوچھو، کوئی تدبیر بتائیں۔ مہتہ صاحب اب اپنی سابق جگہ پر چلے گئے ہیں۔ اب میرا معاملہ گورنمنٹ آف انڈیا کے ہاتھ میں جاچکا۔ وہیں سے اجازت ملے تو رہائی ہو۔ زیادہ کیا لکھوں، دن گن رہا ہوں۔ بہت کمزور ہوگیا ہوں۔ جلاوطنی کا غم بری بلا ہے۔

خیر اندیش۔ یگانہ

(۵۱)

میرزا یگانہ چنگیزی
معرفت مولانا رشید ترابی
۱۴۔ کلیٹن روڈ۔ کراچی

۲۱/فروری ۱۹۵۲ء

پیارے عزیز سلامت رہو

تمھارا خط مورخہ ۲۸/جنوری پیشِ نظر ہے۔ میں کئی ہفتے سے کوشش کر رہا ہوں کہ مسٹر مہتہ سے ملوں، انھوں نے وقت بھی مقرر کیا مگر میں خود ناسازیِ مزاج کی وجہ سے وہاں تک پہنچ نہ سکا۔ ذراسی ہوا لگ جاتی ہے تو طبیعت حال سے بے حال ہوجاتی ہے۔ ابھی میں نے اُن سے کوئی رقم نہیں لی ہے مگر اب ضرورت ہے۔ چاہتا ہوں آئندہ اتوار کو اُن کے ہاں جاؤں۔

آج میں جوشؔ کو بھی ایک خط لکھ رہا ہوں کہ کئی ہفتے ہوچکے کہ اب تک کچھ حال

معلوم نہیں لہٰذا پہلے لکھنؤ ایک تار بھیج کر یاددہانی کریں اور اس سے بھی کام نہ چلے تو وہ خود جا کر اس کام کو انجام دیں۔ میری صحت بگڑتی جارہی ہے۔ تنفس بہت بڑھ گیا ہے۔ دن گزرتے جاتے ہیں۔ خدا جانے کل کیا ہو۔ ابھی تو کوئی ایسا خطرہ نہیں ہے مگر یہ سختیاں کب تک برداشت کرسکوں گا!

میرزا یگانہ

(۵۲)

۱۴۔ کلیٹن روڈ۔ کراچی

۳ر مارچ ۵۲ء

پیارے عزیز سلامت رہو

چار مہینے تک کوشش کرتے کرتے ۱۴ر فروری کو میں مسٹر مہتہ سے ملا۔ گھڑی گھڑی بیمار پڑ جاتا ہوں۔ اُن سے مل کر آیا تو دوسرے دن ۲۵ر فروری سے پھر بیمار پڑ گیا۔ بخار آنے لگا، ڈاڑھ کے درد کی وہ شدّت کہ مُنہ پُھول گیا۔ دیکھ کر ڈر معلوم ہوتا تھا۔ خیر مسٹر مہتہ سے میں نے ۱۱۰ روپئے ۲۴ر فروری کو لئے اور اب اپنے اور تمہاری والدہ کے علاج کی طرف ہوا ہوں۔ مگر یہ سب دل کو بہلانے کی تدبیریں ہیں۔ یہاں رہ کر کچھ بھی نہ ہوگا۔ تمہاری والدہ کی ناسازیِ مزاج سے طبیعت کو اور فکر پیدا ہوگئی ہے۔ مگر کیا چارہ ہے۔ میں آج

پھر جوش کو خط لکھ رہا ہوں کہ وہ خود لکھنؤ جا کر میرے کاغذات کی تکمیل کرا کے بھجوا دیں تو مجھے یہاں سے نجات حاصل (ہو) ورنہ معلوم نہیں وہاں دفتری کاروائی کب ختم ہوگی۔

زیادہ شوقِ دید

میرزا یگانہ چنگیزی

(۵۳)

سلطان بہادر روڈ

منصور نگر، لکھنؤ ۴۸

۴؍اکتوبر ۱۹۵۲ء

عزیزِ من سلامت رہو

۔۔۔۔۔۔ کی ٹکیوں سے کچھ فائدہ تو محسوس ہوا۔ اور کچھ دنوں تک استعمال کروں تو بہتر ہوگا۔ چند شیشیاں بھیج دو یا Solomon کمپنی کو لکھ دو کہ مجھے دے دے اور تمہارے حساب میں لکھ لیں۔ زیادہ کیا لکھوں۔ خدا جانے یہ خرچہ کب تک چلے گا۔ ستر برس تو چل چکا۔

راقم

میرزا یگانہ چنگیزی

(۵۴)

سلطان بہادر روڈ

منصور نگر، لکھنؤ

۱۴؍اکتوبر ۱۹۵۲ء

پیارے عزیز سلامت رہو

کوئی دس بارہ دن ہوئے کہ ایک کارڈ لکھ چکا ہوں جس کا کوئی جواب نہیں آیا۔ اب پھر یاد دلاتا ہوں کہ...... کی چند شیشیاں بھیج دو یا یہاں Solomon کمپنی کو لکھ دو کہ وہ مجھے مہیا کرائے اور تمہارے حساب میں لکھ لے۔ میرے مزاج کا تو وہی حال ہے۔ اور چار پانچ دن سے بخار بھی آ رہا ہے۔ اپنی خیریت لکھو۔

میرزا یگانہ

(۵۵)

پیارے عزیز سلامت رہو۔ ۴۹ء

تمہاری خیریتِ مزاج معلوم نہیں۔ دل لگا ہوا ہے۔ جلد اطلاع دو۔ میں اپنے اسی حال میں روز و شب گزار رہا ہوں۔ آٹھ دن قبل کی احتیاط اور دوا سے اتنا ہوسکا کہ میں ۵/اکتوبر کو لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن کے مشاعرے میں شریک ہوسکا۔ کوئی تین گھنٹے تک بیٹھا رہا۔ ۵۰ء

بالکل خلافِ توقع حاضرین مشاعرہ نے جتنی تحسین و آفرین کی میرے کلام کی، وہ میری موجودہ گئی گزری حالت کو دیکھتے ہوئے تعجب کی بات تھی۔ اہل لکھنؤ کو یہ معلوم کر کے یقیناً جلن پیدا ہوا ہوگا۔ *

یگانہ

(* 'جلن پیدا ہوا ہوگا'، خط لکھتے وقت ذہنی برانگیختگی اور طبیعت کے انتشار سے بعض مرتبہ املا اور قواعد کی ایسی فروگذاشتیں در آتی ہیں، وگرنہ 'جلن' اور اس کی تانیث بالکل سامنے کی چیز ہے۔ وسیم فرحت کارنجوی)

(۵۶)

سلطان بہادر روڈ
منصور نگر، لکھنؤ
۲۹/ اکتوبر ۱۹۵۲ء

پیارے عزیز سلامت رہو۔

-----کا پارسل مل گیا اور خط بھی۔ امید ہے اب تمہارا مزاج بخیر ہوگا۔ بیمار پڑنا تو اب میرا کام ہے۔ تمھیں بیمار پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔

مشاعرہ میں میرا آنا مشتبہ ہے۔ اگر طبیعت بحال رہی تو چلا آؤنگا۔

زیادہ شوقِ دید

میرزا یگانہ

(۵۷)

سلطان بہادر روڈ
منصور نگر، لکھنؤ
۱۳/ نومبر ۱۹۵۲ء

پیارے عزیز سلامت رہو۔

ارادہ تو کر رہا ہوں کہ کل رات کو روانہ ہو کر پرسوں ۱۵/ نومبر کی صبح کو

دہلی پہنچوں۔ مگر بھائی جان اس دفعہ میرے ٹھہرنے کا انتظام وہیں چاندنی چوک کسی ہوٹل میں کرو۔ اس کی ذمہ داری بلانے والوں پر ہوں گی۔ اخراجات اُنہی کے ذمہ رہیں گے۔ زیادہ شوقِ دید۔ نرملا کو دُعائیں۔ لالہ دوارکا داس کو دُعائیں۔

میرزا یگانہ چنگیزی ۵۱

(۵۸)

۲۵۰۔ سلطان بہادر روڈ
کاظمین، لکھنؤ ۵۲

پیارے دوست سلامت رہو

امید ہے تم سب خیریت سے ہو گے۔ میں بحمد اللہ اچھا تو ہوں مگر چار پانچ دن بعد سوکھنے کی نوبت آجائے گی۔ کچھ بھیج دو تو سوکھے دھانوں پانی پڑ جائے۔ واہ کیا شریفانہ زندگی گزار رہا ہوں۔ توبہ ہی توبہ۔

یگانہ

(۵۹)

میرزا یگانہ چنگیزی
سلطان بہادر روڈ
منصور نگر، لکھنؤ
۶ دسمبر ۱۹۵۲ء

میرے پیارے دوست خدا تمہیں خوش رکھے۔

تمہارا خط مورخہ ۲۶/نومبر میرے سامنے رکھا ہے ایک ہفتہ سے۔

میں ۷ انومبر کو دہلی سے بخار میں مبتلا ہو کر یہاں آیا۔ جب سے اب تک بیمار ہی پڑا ہوں۔ دو ایک دن بخار کم ہوتا ہے پھر آ جاتا ہے۔ طاقت بہت کم ہوتی جاتی ہے۔ سال بھر سے یہی حال ہے۔

تمہارے عزیز دوست پر حادثہ غم کی خبر سُن کر افسوس ہوا۔ ہاں اسی تلخی و شیرینی کے پھیر بدل ہی میں تو زندگی ایک کیفیت مسلسل میں ڈوبی رہتی ہے اور بڑھتی ہے ورنہ:

سکھ ہی سکھ ہو تو پھر اجیرن ہو جائے

فلک کو میری طرف سے دعائیں۔ محترمی حضرتِ جوشؔ ملسیانی کی خدمت میں میرا اسلام لکھ بھیجو۔

میرزا یگانہ

(۶۰)

سلطان بہادر روڈ

منصور نگر، لکھنؤ

۶/دسمبر ۱۹۵۲ء

پیارے عزیز سلامت رہو

جب سے جو پڑا ہوں تو اب تک اُٹھا نہیں۔ دو ایک دن بخار کم ہوا۔ تیسرے دن پھر آ گیا۔ پھر وہی پھر وہی۔ طاقت اب اتنی نہیں کہ جلدی سے پلٹ آئے۔ غذا دو لقمے زیادہ کرلوں تو الٹا نقصان پہنچے۔ خیر یہی ہے اور رہے گا۔ کھانسی کی وہ شدت کہ الاماں۔ کیا کہوں

راتیں کیوں کر کٹتی ہیں۔

کہنا یہ ہے کہ بیچارے آغا جان کی طرف جلد توجہ کرو، ایسا نہ ہو کہ تمہارا یہ بھائی بے روزگاری کے ہاتھوں خدانخواستہ ذہنی اعتدال کھو بیٹھے۔ وہ آج کل کراچی میں ہیں۔ تلاشِ معاش میں۔ تم اُن کے متعلق بجائے خود کوئی منصوبہ بنا کر ہمدردانہ لب ولہجہ میں ان سے باتیں طے کرلو۔ اور جیسا مناسب سمجھو انھیں ہدایت کرو۔ راہ پر لے آؤ۔ ایسے میں سویرا ہے۔

میرزا یگانہ

ان کا پتا:

میرزا آغا جان چنگیزی، معرفت ایڈیٹر صاحب ''منصف''

ابراھیم جی حکیم جی بلڈنگ۔ پرارتھنا سماج روڈ۔ بندر روڈ۔ کراچی

(۶۱)

میرزا یگانہ چنگیزی

معرفت نیشنل ٹریڈنگ کمپنی

سانگلی بنک بلڈنگ

۲۹۶۔ بازار گیٹ، فورٹ بمبئی ۵۳

۱۹ دسمبر ۱۹۵۲ء

پیارے عزیز سلامت رہو۔

تمھارا خط جو آغا جان کے بارے میں ہے۔ لکھنؤ ہوتا ہوا مجھے یہاں ملا۔ میں بیمار

پڑا ہوا ہوں، بخار کسی دن نہیں اُترا۔ یہاں ایک ڈاکٹر کا علاج ہو رہا ہے۔

میرے ایک مخلص عزیز جو سن میں تمھارے ہی قریب ہیں اور خلوص و محبت میں بھی مگر تم ان سے بہت سینیر ہو، انہوں نے مجھے یہاں بلا کر چاہا کہ شاید کچھ تبدیلی آب و ہوا سے اور کچھ علاج سے فائدہ ہو جائے وہ مجھ پر بہت مہربان ہیں خاص توجہ رکھتے ہیں۔ مگر کوئی کیا کرے۔ کھانسی کی شدت کے وقت ہر شب کو موت کے قریب ہو جاتا ہوں۔ تمہاری والدہ اپنی سادگی اپنے بیوقوفی کے ہاتھوں اور زیادہ تر احکام کی سختیوں کے باعث وہاں پڑی ہوئیں ہیں ۵۴ئ، اور یہاں میں جس حال میں ہوں تم جانتے ہو۔ قانونی مواخذہ کے ڈر سے اُنھوں نے وہاں جا کر اپنی قومیت بدل دی ہے یعنی پاکستانی ہوگئی ہیں۔ افسوس! میں نے آغا جان کو لکھ دیا ہے کہ مستقل واپسی کے متعلق کاغذات مرتب کر کے مسٹر مہتہ کے پاس پیش کردیں اور تم بھی مسٹر مہتہ کو خاص توجہ دلواؤ کہ اس کام میں جہاں تک ممکن ہو ہائی کمشنر صاحب کو خاص توجہ دلائیں کہ یہ معاملہ بس ایک غریب شاعر کا ہے کسی لکھ پتی کا نہیں ہے۔ اور دہلی میں بعض افسروں کی مدد لو کہ یو پی گورنمنٹ سے بصیغہ ضروری بذریعہ تار اجازات بھجوادیں کہ یگانہ بیگم صاحبہ کو لکھنؤ میں مستقل طور پر سکونت اختیار کرنے میں اسٹیٹ گورنمنٹ کو کوئی عذر نہیں ہے کیونکہ جب شوہر کو مستقل سکونت کی اجازت مل گئی تو بیوی کے لئے کوئی امر مانع تو نہیں ہے۔

جوشؔ سے مشورہ کرو۔ کام لو۔ معلوم ہوا ہے کہ وہاں تمہاری والدہ کا دماغی سکون بھی بُری طرح پامال ہو رہا ہے۔

میرزا یگانہ چنگیزی

(۶۲)

سلطان بہادر روڈ

منصور نگر، لکھنؤ

۱۲/فروری ۱۹۵۳ء

پیارے عزیز سلامت رہو۔

معلوم ہوتا ہے تم آج کل زیادہ فکر مند ہو ورنہ اتنے دنوں تک مجھ سے غافل ہرگز نہ رہتے۔ دیکھو میں اب تک جی رہا ہوں۔ ۲۳/دسمبر کو ممبئی میں خاتمہ بالکل قریب تھا مگر پھر آئی ہوئی ٹل گئی۔ لکھنؤ تک زندہ پہنچ گئے۔ یہاں وہی حال، ہر آٹھ دس دن کے بعد حال سے بدحال ہو جاتا ہوں۔ تلووں اور پنڈلیوں کا دم نکلا جا رہا ہے اور آس پاس کوئی نہیں۔ گھر میں جو لوگ ہے وہ اوپر کا کام تو کر دیتے ہیں مگر بُرے وقت اپنے پاس کون آئے؟ بیگم وہاں پھڑ پھڑا رہی ہیں کچھ بنائے نہیں بنتی۔ ہر قدم پر دفتری اڑنگے۔ پرمٹ کے بعد پاسپورٹ کا طریقہ نکلا ہے ۵۵ھ۔ پاسپورٹ کے لئے انھوں نے درخواست دی۔ کئی مہینے کے بعد یہ جواب دیا جاتا ہے کہ جن بیویوں کے شوہر ہندوستان میں ہی ہیں۔ انہیں پاکستانی نہیں سمجھا جائے گا نہ پاسپورٹ دیا جائے گا۔ لیجیے صاحب اب یہاں اس گورنمنٹ سے رجوع کیجیے، مگر یہ کون کرے۔ گھر سے باہر تو نکلنے کی طاقت نہیں۔ اچھا یہ سب فضول باتیں لکھ گیا۔ ایک شیشی (MENDICO) کی جلد بھیج دو۔ زیادہ کیا کہو۔

۵۶ھ کتنی سیدھی اور سادہ سی بات ہے کہ جب شوہر کو یہاں کی گورنمنٹ نے مستقل طور پر واپس لے لیا تو پھر اُس کی بیوی کے بارے میں مزید گفتگو کا کیا موقع ہے۔ مگر ہائی کمشنر صاحب سے یہ کون کہے گا؟

یگانہ

(۶۳)**

لکھنو

۲۵فروری ۱۹۵۳ء

عزیزی خوش رہو۔

میں تو اپنی علالت کے سبب کیا کہوں کس حال میں ہوں۔طاقت گھٹتی جا رہی ہے۔کشمکش حیات جاری ہے۔

یگانہ

(۶۴)

سلطان بہادر روڈ

منصور نگر،لکھنؤ

۳۰اپریل ۱۹۵۳ء

پیارے عزیز،خدا تمہیں خوش رکھے آباد رکھے۔

ہزار ہزار شکر ہے تمہاری اور مسٹر رام رتن مہتہ کی توجہ و کوشش سے بیگم مجھ تک پہنچ گئیں۔۲۴/اپریل کو یہ بڑا کام ہو گیا۔تمھیں اور تمھاری بیوی بچوں کو بہت بہت دُعائیں فرماتی ہیں۔

تمھارا محبت نامہ مورخہ ۱۳/اپریل میرے سامنے ہے۔آج جواب لکھنے کے قابل ہوا ہوں۔میرے پیارے تم نے صحیح کہا ان بیہودگیوں ۵۷ اور بدمعاشیوں کا میرے ذہن پر کوئی برا اثر نہیں ہوا۔بیگم نے بھی دیکھ لیا کہ اتنے بڑے واقع پر بھی مجھ میں کوئی بدحواسی نہیں پائی گئی ۵۸۔کیونکہ میں نے جو کچھ کیا اُس پر مطمئن ہوں۔عزت جسے کہتے ہیں

وہ اپنی ذات میں موجود ہوتی ہے۔ کوئی خارجی چیز نہیں ہے۔ ان غریب جاہلوں کو یہ نہیں معلوم کہ انہوں نے میرا منہ کالا کیا کہ اپنا اور اپنی قوم کا؟

خیر بھائی جان اب تو یہ مسئلہ طے ہو گیا کہ میری لاش کا وارث کوئی نہ ہوگا (بیوی کے سوا) اور جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کی وارث گورنمنٹ۔ مسلمان تو ہرگز میری میت کے پاس کھڑا نہ ہوگا۔ نہ کسی قبرستان میں دفن ہونے دے گا۔ آگے تم جانو تمھیں اس بارے میں کیا کرنا چاہیے۔

میں اب سارے محلے، سارے لکھنؤ سے Cut off ہوں۔ خدا خوش رکھے میرے بھائی محمد تقی سلمٰہ نے بڑے بڑے کام کیے اور وہی روزانہ اپنے ہاں سے کھانا دانا بھجوایا کرتے ہیں اور میرے خدمت کرتے ہیں۔

میرے مکان پر سپاہی کا پہرا ہے۔ جان کا خطرہ ہے مگر اب ویسا نہیں جیسا پہلے دو تین دن تک تھا۔ مقدمے کی پیشی نہ معلوم کب ہوگی۔ یہاں جان میں جان نہیں ضُعف کے مارے برا حال ہے۔ عدالت کیوں کر جاؤں گا کیا کروں گا۔ مقدمہ پولیس چلا رہی ہے حراستِ بے جا کا۔ پانچ ملزمین گرفتار ضمانت پر رہا ہے۔ I am too short of money

میرزا یگانہ چنگیزی

(۶۵)

سلطان بہادر روڈ

منصور نگر، لکھنؤ

۱۲ مئی ۱۹۵۳ء

پیارے عزیز، خوش رہو، آباد رہو

دیکھو تو سہی میں اب تک جی رہا ہوں۔ رنجیدہ تو میں ہوا نہیں البتہ ناتوانی اور سخت جانی کے ہاتھوں تکلیفیں اٹھا رہا ہوں۔ کہتے ہیں مصیبت کبھی تنہا نہیں آتی۔ اور سو مصیبتوں کی ایک مصیبت ہے وجہ معاش کی تنگی۔ خدا کی پناہ۔

(MENDICO) نے مجھے کچھ یوں ہی سہارا سا تو ضرور دیا مگر جو شیشی آپ نے بھیجی تھی وہ بس آٹھ دن کی تھی۔ کم سے کم ۳۲ دن کے لیے کچھ شیشیاں بھیج دو۔ تمھاری والدہ محترمہ آگئی ہیں اور ان کے لیے دو بوتل تیل کی بھیج دو۔ بچّی اور بچّے کو دُعائیں۔

درگا داس سلمہٗ کو دُعائیں

میرزا یگانہ

(۶۶)

میرزا یگانہ چنگیزی

سلطان بہادر روڈ

منصور نگر، لکھنؤ

۲۲ مئی ۱۹۵۳ء

پیارے عزیز سلامت رہو۔

کوئی دس بارہ دن ہوئے میں نے پوسٹ کارڈ لکھا تھا، جواب میں (MENDICO) کا انتظار کر رہا ہوں۔ ۹۶ گولیوں کی ایک شیشی بھجوادو۔ سخت ضرورت ہے۔ اپنی خیریت لکھو کیسے ہو، کاروبار کا کیا حال ہے۔ تمھاری والدہ دُعائیں کہتی ہیں۔

خیر اندیش

میرزا یگانہ

(۶۷)

سلطان بہادر روڈ ۵۹
منصور نگر، لکھنؤ۔
۲۵ رمئی ۱۹۵۳ء

میرے پیارے

تم مجھ سے اتنے مایوس کیوں ہو۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میں نے اپنے فرض کی خاطر تکلیف اٹھائی ہے۔ لیکن بڑے کاموں کے لئے بڑی قربانیاں درکار ہوتی ہیں۔ ازرہِ کرم بلا تاخیر MENDICO (۹۶ گولیاں) بھیج دو، اور اگر ممکن ہو تو کچھ رقم بھی۔ نرملا اور درگا داس کے لئے میری بہترین خواہشات۔

تمہارا

میرزا یگانہ

(٦٨)

('نقوش' خطوط نمبر، لاہور، ۱۹۵٦ء میں شائع اس خط پر تاریخ ١٤ جون ۱۹۵۲ء درج ہے، جب کہ مرحوم مشفق خواجہ نے اپنے پرچے ''تخلیقی ادب ۲'' ۱۹۸۰ء میں صفحہ نمبر ۵۱۲ پر اس خط کی تاریخ ١٤ جون ۱۹۵۳ء درج کی ہے۔ چونکہ تخلیقی ادب کا شمارہ نقوش خطوط نمبر کے بعد شائع ہوا، نیز مشفق خواجہ تحقیق کے معاملے میں بڑے سخت واقع ہوئے تھے، بہ ایں ہمہ مشفق خواجہ کی مندرج تاریخ کو درست تسلیم کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ وسیم فرحت کارنجوی)

سلطان بہادر روڈ

منصور نگر، لکھنؤ

١٤ / جون ۱۹۵۳ء

پیارے عزیز سلامت رہو

دوا کا پارسل پہنچا اور خط بھی ملا۔ افسوس ہے لالہ رتن چند سے آپ سے ان بن ہوگئی۔ بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے۔ یہ دیکھ کر رنج ہوتا ہے کہ تمھاری مالی حالت پریشانی کا باعث ہے۔

خیر۔ ''زمانے پر نہ سہی دل پہ اختیار رہے''

معلوم ہوا کہ ''ریاست'' میں کوئی مضمون میرے متعلق شائع ہوا ہے۔ وہ پرچہ کسی طرح حاصل کر کے مجھے ضرور بھیج دو۔ خدا تمھیں خوش رکھے۔ بھائی میرے مسوّدات جو کچھ بھی ہیں منتشر پڑے ہیں۔ مگر اب ان کا میرے پاس رہنا بیکار ہے۔ تم کہو تو ایک باکس میں بند کر کے بھیج دوں۔

میرزا یگانہ

(۶۹)

سلطان بہادر روڈ، ۶۰
منصور نگر لکھنو
۲۲ جون ۵۳ء

میرے پیارے شعلہ

میرے عظیم دوست، بمبئی کے ہاشم صاحب سے ملو، دو ہی تو میرے دوست ہیں، ایک دوار کا داس اور دوسرے ہاشم اسمٰعیل جو ہمیشہ میری دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں۔ ازرہِ کرم ''گنجینہ'' (کا مسودہ) ان کے حوالے کردیں تا کہ وہ جس طرح چاہیں اس کو کام میں لائیں۔ تمھارا۔

میرزا یگانہ

(۷۰)

میرا موجودہ پتا: ۶۱
میرزا یگانہ چنگیزی
پیلا مکان شاہ گنج لکھنؤ
۱۸/ جولائی ۱۹۵۳ء

پیارے عزیز سلامت رہو

محبت نامہ مورخہ ۹/ جولائی پیشِ نظر ہے جس سے معلوم ہوا میرا رجسٹری شدہ لفافہ آپ کو مل گیا۔ الحمدللہ۔

آپ نے جو شعر لکھا ہے بالکل میرے حسبِ حال ہے۔دن بدن حالتِ دل خستہ ہوتی جاتی ہے۔ دو دن بخار بھی آیا مگر کھانسی کی وہ شدت ہے دن رات کہ پیٹ میں سانس نہیں سماتی۔ پاؤں میں اتنی طاقت نہیں کہ باہر نکل سکو۔ چکر آنے لگتا ہے۔ان حالات میں مَیں ۲/جولائی کو وہ مکان جس میں سولہ سال سے تھا۔ جبراً وقہراً چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۶۲۔ اہلِ محلّہ نے اتنا ستایا کہ ٹرنک اور بستر اور بیوی کو ساتھ لے کر نکل کھڑا ہوا سارا سامان چھوڑ کر گھر میں قفل ڈال کر چلا آیا۔ اور زیادہ بیمار پڑ گیا۔۱۲/جولائی کو معلوم ہوا کہ مکان پر یاروں نے قبضہ کر لیا اور سامان بھی لٹ گیا۔ مجھ میں اتنا بھی دم نہیں کہ تھانے جا کر رپٹ لکھواسکوں۔ یہاں سانس لینا اتنا دشوار ہے تو تھانہ پولس کیسا؟ کیسا گھر کیسا بار۔

Persecution of Yagana going on.

اب کچھ معلوم نہیں کہاں جاؤں گا اور کہاں ٹھہروں گا.................۶۳

میرزا یگانہ چنگیزی

(۷۱)

میرزا یگانہ چنگیزی
پیلا مکان شاہ گنج لکھنؤ
۱۸/جولائی ۱۹۵۳ء

پیارے عزیز خوش رہو آباد رہو۔

بہت دنوں سے تمھارا حال کچھ معلوم نہیں۔ کیسے ہو حالات کیا ہے۔ اپنی خیریت

کبھی کبھی لکھ بھیجا کرو۔

میں ادھر دن چار دن سے کچھ اچھا ہوں یعنی دو روٹیاں کھالیتا ہوں اور لیٹا رہتا ہوں۔ ادھر دو ہفتوں تک طبیعت بہت نڈھال ہوگئی تھی۔ ایک روٹی مشکل سے کھالیتا تھا۔ اب ذرا اچھا ہوں، مگر تلوؤں اور پنڈلیوں کی طاقت گھٹتی جا رہی ہے:

اسیر جسم ہیں میعادِ قید لا معلوم
یہ کس گناہ کی پاداش ہے خدا معلوم

دُعا گو۔ میرزا یگانہ

(۷۲)**

لکھنؤ

۲۹/اگست ۱۹۵۳ء

پیارے عزیز۔ سلامت رہو

آخر اہل محلّہ نے مجھے گھر سے نکل جانے پر مجبور کیا۔ گرہستی کا سارا سامان اور اپنی بیش قیمت کتابیں، آیاتِ وجدانی کی قریباً پچاس جلدیں۔ برتن باسن۔ الگ پلنگ، میز کرسیاں سب چھوڑ آیا ہوں۔ یاروں نے سب لوٹ لیا۔ نہایت قیمتی مسودات میرے لکھے ہوئے نہ معلوم کن ہاتھوں میں پڑیں گے۔

میں اپنی علالت سے سخت ایذا میں ہوں۔ تھوڑی دور چلتا ہوں تو ہانپنے لگتا ہوں۔ نہایت غیر مستقل اور تکلیف کی حالت میں مکان کوئی ملتا نہیں۔ خدا جانے کہاں جاؤں گا۔

یگانہ

**(۷۳)

لکھنؤ

۲۹ ستمبر ۱۹۵۳ء

عزیز من سلامت رہو۔

آپ کے کئی خط ملے۔ میرا مزاج ناساز ہے۔ گھر ہی میں تھوڑی دور چلتا ہوں تو سانس پھولنے لگتی ہے۔ میرے پاس اب نہ کوئی بیاض رہی نہ کوئی مجموعہ کلام۔ تمام گرہستی کا سامان لوٹ لیا گیا۔ نہایت قیمتی کتابیں اور میرے قلمی مسودات لٹ گئے۔ میرے پاس کوئی کتاب نہیں۔ دن رات لیٹا رہتا ہوں۔ کھانسی کی شدت رہتی ہے۔ سینہ کمزور ہے۔ پاؤں کمزور ہے۔ پاؤں روز بروز کمزور ہوتے جاتے ہیں۔

زیادہ کیا لکھوں۔ خدا تم کو خوش رکھے۔

میرزا یگانہ

(۷۴)

میرزا یگانہ چنگیزی

پیلا مکان، شاہ گنج

لکھنو

۱۲ اکتوبر ۱۹۵۳

پیارے عزیز سلامت رہو خوش رہو

پچھلے خط میں تم نے اپنی ناسازی مزاج کی اطلاع دی تھی۔ دل لگا ہوا ہے۔ اب کیسا مزاج ہے۔ امید ہے کہ اب کوئی شکایت نہ ہوگی۔ میں آج کل کسی قدر بہتر ہوں، یعنی ضعف میں کچھ کمی ہے۔ گھر میں ضرورت سے چل پھر لیتا ہوں۔

راقم

میرزا یگانہ چنگیزی

(۷۵)

میرزا یگانہ چنگیزی
پیلا مکان شاہ گنج لکھنؤ
۱۱ نومبر ۱۹۵۳ء

پیارے عزیز سلامت رہو

۲۰۰ روپے کا ایک چیک بھیج رہا ہوں اپنے کھاتے میں جمع کرا کے رقم میرے پاس بھیج دو۔ مزاج کئی دن سے ناساز ہے۔ آج سے کل تک طبیعت ٹھیک ہوگئی تو لکھنؤ ریڈیو سے میری ایک تقریر ہوگی۔ اپنی شاعری کے باب میں، یعنی شعر مع تبصرہ۔

کوئی تین ہفتے گزر گئے میں نے اک خط لکھا تھا کوئی جواب نہیں آیا۔ اب تمھارا مزاج کیسا ہے۔ اپنی خیریت ذرا جلد لکھ کر بھیجا کرو۔ جی لگا رہتا ہے۔

یگانہ

(۷۶)

پیلا مکان شاہ گنج لکھنؤ

۱۵ دسمبر ۱۹۵۳ء

میرے پیارے عزیز سلامت رہو

تمہارا خط مورخہ ۹ ردسمبر سامنے ہے۔ میں نے غالباً دوسرے ہی دن تمہاری تجویز کے مطابق بیگم کے معاملے کے متعلق تفصیلی حالات جوشؔ کو لکھ بھیجے۔ غالباً وہ کچھ نہ کچھ سلسلہ جنبانی کرر ہے ہونگے۔ اپنی طبیعت کا یہ حال ہے کہ تمہارے خط کا جواب لکھنے میں ۷ دن گزر گئے۔ اتنا ضعف ہے کہ پڑے رہنے کے سوا کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ بہت دنوں سے چاہتا ہوں کہ ایک دن سکریٹریٹ جا کر خود دریافت کروں کہ بیگم کے کاغذات منزل بہ منزل یہاں تک پہنچے یا نہیں۔ غالباً مہتہ صاحب کاغذات گورنمنٹ آف انڈیا کو بھیج چکے ہوں گے۔ اب چند روز باقی رہ گئے ہیں ۲۴ ، خاموش دم سادھے بیٹھا ہوں۔ قانونی شکنجے سے خدا بچائے۔ بات یہ ہے کہ تم لوگ موجود ہو تو میرا دل قوی ہے، ورنہ بڑی پریشانی کی بات ہے۔ کہ اتنے دن قریب آ گئے (ارجنوری) اور یہاں کچھ معلوم ہی نہیں کہ اس معاملہ میں کیا ہو رہا ہے۔ خیر۔ ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا،

ہاں مسٹر ہاشم اسمٰعیل نہایت شائستہ شریف انسان ہیں۔ اور دل میں ہم ایسوں کا درد رکھتے ہیں۔ پہلے گورنمنٹ آف انڈیا میں ملازم تھے، ایران اور افریقہ میں سفیر کی حیثیت سے رہ چکے ہیں۔ میری ہر وقت دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں۔ خدا انھیں خوش رکھے۔ اب میں منتظر تمھارے جواب کا کہ بیگم کے کاغذات گورنمنٹ آف انڈیا سے یو پی گورنمنٹ میں پہنچے یا ابھی کچھ دیر ہے۔

خدا حافظ۔ یگانہ

(۷۷)

پیلا مکان، شاہ گنج

لکھنو

۱۷ر دسمبر ۱۹۵۳ء

پیارے عزیز خوش رہو

تمہارا خط پا کر ذرا سکون ملا۔ خدا کرے جلد سے جلد تمہیں صحت نصیب ہو۔ تم نے آج حضرت پنڈت کیفی کا ذکر کیا۔ کیا کہوں زندگی گزر گئی اور کبھی اتنا موقع نہ ملا کہ اون (اُن) کے پاس بیٹھتا اور دل کھول کر باتیں کرتا۔ وہ خاصان ادب میں بڑے نکتہ شناس ہم سب کے محبوب لیڈر۔ افسوس تو یہ ہے کہ پارسال میں کشاں کشاں دہلی گیا اور مشاعرے میں شریک بھی ہوا اور وہ بھی مشاعرے میں تشریف لائے تھے مگر اپنی ناسازی مزاج نے اتنا موقع نہ دیا کہ اون (اُن) سے مل سکوں۔ اونھیں میری پنشن کے بارہ میں جو اطلاع ملی ہے وہ اک حد تک صحیح ہے مگر لائف پنشن نہیں ہے، فقط ایک سال کے لیے الاؤنس منظور ہوا ہے۔ سو روپیہ ماہوار۔ چونکہ یہ معمولی سی بات تھی اس لیے میں نے اب تک کسی سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ گورنمنٹ کی یہ مہربانی یقیناً قابل تشکر ہے مگر یہ نہیں معلوم یہ الاؤنس ملے گا کب؟ الہٰ آباد کے اکاؤنٹنٹ جنرل صاحب چناں چنیں کر رہے ہیں۔

مسٹر محروم کو میرا بہت بہت سلام کہو۔ میں اپنی طبیعت کا حال کیا لکھوں۔

جو دم غنیمت ہے کیا جانیے کل کیا ہو!

یگانہ

(۷۸)

پیلا مکان شاہ گنج لکھنو

۲۲؍جنوری ۱۹۵۴ء

پیارے عزیز سلامت رہو

یہ تو ممکن ہی نہیں کہ تم مجھ سے اتنے دنوں تک غافل بیٹھے رہو ایسے حال میں۔ ہونہ ہو کوئی ایسی ہی پریشانی ہے جو مجھ سے بے خبر ہو۔ تمہاری Financial اور Social Condition کی طرف جو اشارہ پایا جاتا ہے وہ البتہ۔۔۔۔ ۶۵ مختصر یہ کہ میں دن رات کی کھانسی اور تنفس کی شدّت سے بے چین رہتا ہوں۔ بیگم کے ویزا کی مدت ۲؍جنوری کو ختم ہوگئی اور مجھ میں اتنا دم نہیں کہ گھر سے باہر نکل سکوں۔ خیر حسنِ اتفاق سے ۱۰؍مارچ تک اور مہلت مل گئی ہے۔ یہاں کے پاس پورٹ۔۔۔۔ ۶۶ سے میں بڑی محنت اور کوشش کے بعد ایک دن ملا تھا انہوں نے بیگم کی Permanent settlement کے معاملے میں بالکل اکھڑی اکھڑی باتیں کی کہ قانون کے معاملے میں ہم کیا مدد کر سکتے ہیں، اور یہ بھی کہہ دیا کہ یہ معاملہ تو گورنمنٹ آف انڈیا کے ہاتھ میں ہے۔ اور یہاں سے جو کچھ لکھا جا چکا ہے وہ ہم آپ پر ظاہر بھی نہیں کر سکتے۔ غرض یہ کہ بالکل اکھڑے اکھڑے ہوئے تھے۔ حالانکہ اصل منظور State Government کی ہے، انہوں نے گورنمنٹ آف (انڈیا) پر ٹال دیا۔

معلوم ہوتا ہے مہتہ صاحب نے جو کاغذات بھجوادئے ہیں وہ یہاں پہنچ گئے ہیں۔ اور خفیہ پولیس کے حوالہ کر دئے گئے ہیں تحقیقات کے لئے۔ خفیہ پولیس بھلا نقصان پہنچانے کے سوا اور کیا مدد کرے گی۔ معلوم ہوتا ہے مہتہ صاحب نے بیگم کے کاغذات اس طرح مستحکم کر کے نہیں بھیجے جس طرح مسٹر سہگل نے میرے معاملے کو مستحکم کر کے تار بھیج کر

یو پی گورنمنٹ سے اجازت منگوالی تھی۔ سیدھی سی بات ہے شوہر زندگی کی آخری منزل میں ہے، ایسی حالت میں بیوی کی یہ درخواست بالکل واجب اور قابل منظور ہے مگر معاملہ خفیہ پولس ہاتھوں دے دیا گیا۔ افسوس مَیں گھر سے باہر طاقت نہیں رکھتا، پیروی کون کرے۔

جوشؔ نے اپنی مہربانی سے ایک دوست صدیق حسن صاحب آئی سی ایس کو ایک چھٹی لکھ دی اور مجھے لکھا تھا کہ اُن سے ملو، وہ کچھ مدد کریں گے مگر میں دن رات پلنگ پر پڑا رہتا ہوں، تھوڑی دور بھی رکشہ پر جانے کی ہمت نہیں پڑتی۔ دیکھوں کب اُن سے ملنے کی نوبت آتی ہے۔ اب تو مدت بس ۱۰ مارچ تک ہے، پھر اللہ جانیں کیا ہوگا۔ یہاں تو گھڑی گھڑی حالت نازک ہو جاتی ہے۔ کراچی میں میری لڑکی اور داماد وغیرہ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ میں یہاں موجود ہوں اور دہلی میں شعلہؔ صاحب موجود ہیں وہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک کرلیں گے مگر یہاں کا یہ حال ہے اور تمھارا وہ حال ہے۔ آگے تم جانو زیادہ کیا لکھوں لکھا نہیں جاتا۔ ہاں ایک ضروری بات یہ ہے کہ میں تمھیں ڈیڑھ سو روپئے بھیجنا چاہتا ہوں تا کہ تم کراچی خط لکھ کر شہر یار میرزا سلمہٗ ۶۷ کو دلا دو۔ اب بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہیے رقم یہاں Solomon.co کے پاس جمع کر دُوں یا براہِ راست تمھیں بھیج دُوں۔

یگانہ

(۷۹)

پیلا مکان شاہ گنج لکھنو

۳ر فروری ۱۹۵۶ء

پیارے عزیز سلامت رہو

تمھارا خط پہنچا۔ مہتہؔ صاحب کے خط کا خلاصہ بھی دیکھا۔ تانت باجی راگ بوجھا ۶۸۔ اب بتاؤ کیا ہوگا۔ جوشؔ سے کیا باتیں ہوئیں، کیا طے پایا۔ میں تو پلنگ پر پڑا رہتا

ہوں۔ سینہ اور پیٹھ سردی کے مارے اور کھانسی کے مارے نہایت کمزور۔ آج ڈاکٹر کے ہاں گیا کشاں کشاں رکشا پر بیٹھ کر۔ دوسرا نسخہ لکھا ہے۔ زیادہ کیا لکھوں۔

دُعا گو

میرزا یگانہ

(۸۰)

پیلا مکان شاہ گنج، لکھنو

۱۳ر فروری ۱۹۵۴ء

پیارے عزیز سلامت رہو

میرا پچھلا خط کتنا ضروری تھا مگر معلوم نہیں تم کیا کر رہے ہو۔ کل پھر میں نے جوش کو لکھا ہے۔ یہاں کے پاسپورٹ افسر کے پاس کشاں کشاں پہنچا۔ اُنہوں نے کہا کہ آپ کی اہلیہ کے کاغذات آئے ہوں گے تو گورنمنٹ آف انڈیا میں بھیج دیئے گئے ہوں گے۔ یا بھیج دئے جائیں گے، میں بتا نہیں سکتا۔ یہاں سے کیا لکھا گیا۔ مگر یہاں مستقل سکونت کی منظوری گورنمنٹ آف انڈیا دے گی، جب سے پاسپورٹ کا رواج ہوا ہے اسٹیٹ گورنمنٹ مستقل سکونت کی منظوری نہیں دیتی یہ اُن کا بیان ہے۔ اللہ جانے حقیقت کیا ہے۔ ممکن ہے پاسپورٹ جاری ہونے کے بعد قاعدہ قانون بدل گیا ہو۔ اچھا بھائی گورنمنٹ آف انڈیا منظوری دے گی تو پھر تم اور جوش مل کر جلد منظوری حاصل کرنے کی تدبیر کرو۔ مہلت تو یہاں بہت کم ہے یعنی ۱۰ر مارچ کو (خدانخواستہ) بیگم کو روانہ ہونا چاہیے۔

(۸۱)

پیلا مکان شاہ گنج لکھنو

۱۵فروری ۱۹۵۴ء

پیارے عزیز، سلامت رہو

کل سے جی نڈھال ہو رہا ہے، پرسوں ایک خط تمہیں بھیج چکا ہوں اور ایک خط پرسوں ترسوں جوشؔ کو بھیج چکا ہوں۔ بیگم کے پاسپورٹ کی مدت ختم ہو رہی ہے ۱۰ مارچ تک۔ یوپی کے پاسپورٹ افسر کہتے ہیں، ان کے کاغذات کے متعلق یہاں سے کیا لکھا گیا یہ بتایا نہیں جائیگا، مگر اب PERMANENT SETTLEMENT کی منظوری گورنمنٹ آف انڈیا دے گی۔ اسٹیٹ گورنمنٹ کو اب اختیار نہیں۔ اللہ جانے حقیقتِ حال کیا ہے۔ تو بھائی جان اب تو میں پڑا ہوا ہوں نڈھال۔ اور گورنمنٹ آف انڈیا سے کام پڑا ہے تو تم اور جوشؔ جلدی جلدی منظوری حاصل کرو ورنہ خدا جانے کیا ہو۔

میرزا یگانہ

(۸۲)

پیلا مکان شاہ گنج لکھنو

۲۰/مارچ ۱۹۵۴ء

پیارے عزیز سلامت رہو، خوش رہو

تمہارا محبت نامہ مورخہ ۲۶/مارچ ملا۔ کیا کہوں کتنے رنج کی بات ہے۔ کہ اب تم بھی اپنے حالات اور صحت کے لحاظ سے دُکھی رہنے لگے ہو، خیر کبھی کے دن بڑے کبھی کی راتیں۔ یہ دُکھ بھی گزر جائے گا۔

نہ جانے بیگم کا Over Stay کتنی پریشانی کا باعث ہوگا مگر میں کیا کروں اور

کوئی کیا کرے۔ اچھا مجھے جلدی یہ بتاؤ کہ مسٹر سہگل (خدا انہیں خوش رکھے) جو کراچی میں پرمٹ آفیسر تھے۔ اور جنہوں نے مجھے پاکستان سے رہائی دلائی تھی، وہ آج کل کہاں ہے؟ وہ R.G. سہگل ہیں یا K.G. سہگل۔ ۲۳ دسمبر ۵۲ء کو ریل پر ایک صاحب سے یہ معلوم ہوا تھا کہ اب اُن کا تبادلہ کراچی سے گورنمنٹ آف انڈیا کے کامرس ڈپارٹمنٹ میں ہو گیا۔ لہٰذا ان کا صحیح نام اور پتہ مجھے جلد لکھ کر بھیجو شاید وہ میری مدد کر سکیں۔

میرزا یگانہ

''کھانا پسند تو کیا آیا ہو گا مگر وہ تعریف بھی فرماتے رہے اور زہر مار بھی کرتے رہے، زہر مار کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔ غالباً تمھارا مطلب یہ ہے کہ کھانا مزے کا تو نہ تھا مگر کھا لیا۔ اُگل نگل کے، مگر کیا بات ہے؟ محبت سے کھلایا تو باسی ٹکڑے بھی ہوتے تو مزا دے جاتے۔ ۶۹

(۸۳)

پیلا مکان شاہ گنج، لکھنو

۳۰/ مارچ ۱۹۵۴ء

پیارے عزیز سلامت رہو

تمھارے خط کا جواب دے چکا ہوں۔ دو تین دن سے مزاج پھر زیادہ ناساز ہے۔ آج دیکھتا ہوں تو Mendico کی شیشی میں بھی تین گولیاں پڑیں ہیں دو گولیاں ابھی کھالیں۔ اچھا تو اب جلدی سے ایک شیشی Mendico 24 Day Size بھیج دو۔ زیادہ کیا کہوں۔ خدا تمہارے بگڑے کام سنوار دے۔

میرزا یگانہ

(۸۴)

میرا موجودہ پتا ہے

میرزا یگانہ

چوکی نخاس۔شاہ گنج لکھنؤ

یکم مئی ۱۹۵۶ء

پیارے عزیز خوش رہو آباد رہو

تمہارا خط مورخہ ۲۸ راپریل رجسٹری شدہ آج ملا جو تمہاری دیرینہ محبت کا ثبوت ہے۔تم میرے متعلق اتنے فکر مند ہو اور ہونا ہی چاہیے۔

اچھا تو سنو میرے ہوش وحواس تو اب تک درست ہیں مگر سینہ اتنا کمزور ہے کہ ہر وقت ہنپی لگی رہتی ہے *اور دونوں پنڈلیاں کمزور ہوتی جارہی ہیں۔تلووں کی طاقت خرچ ہو رہی ہے، مختصر یہ کہ میں بڑی مشکل سے اُٹھ کر پاخانہ تک جاتا ہوں ۔بیگم میرے پاس نہیں ۔اب تک کچھ نہیں معلوم کہ گورنمنٹ آف انڈیا نے اُن کی درخواست Permanent settlement پر کیا فیصلہ صادر کیا۔ کچھ نہیں معلوم پولیس کیا کاروائی کرے گی۔اب یہ سب باتیں دریافت کرنا مجھ سے ممکن نہیں جو ہو سو ہو۔ جوشؔ تو بالکل گونگے کا گڑ کھا کر بیٹھ رہے۔عرشؔ نے جو تم سے بیان کیا اُس کی مکرر تصدیق معتبر ذریعے سے کر کے مجھے جلد اطلاع دو کہ گورنمنٹ آف انڈیا نے منظوری دی تو کب دی اور وہ کاغذات یوپی گورنمنٹ کو واپس بھیج دئے گئے یا نہیں۔ یہاں تو یہ حالت ہے کہ میں اپنے دروازے سے باہر نکل نہیں سکتا۔ایک غریب آدمی کو دو دن (۲۸/۲۹ راپریل) سیکریٹریٹ بھیج کر دریافت کرانا چاہا کہ بیگم کے کاغذات پر کیا حکم ہوا۔مگر یہاں اندھیر کہ سیکریٹریٹ کے دروازے پر جو لوگ Admission Ticket دینے کے لئے معمور ہیں۔وہ غریبوں کو سخت پریشان کرتے

ہیں اور ٹکٹ نہیں دیتے۔ داخلہ مل جاتا تو وہ اندر جا کر پاسپورٹ آفیسر سے ملتے اور دریافت کرتے، مگر اندر جا ہی نہ سکے۔ واپس آ گئے، اب میں کیا کر سکتا ہوں۔

تم کسی طرح صحیح طور پر اتنا دریافت کر کے اطلاع دو کہ گورنمنٹ آف انڈیا نے بیگم کو ہندوستان میں مستقل طور پر رہنے کی اجازت دے دی یا نہیں دی۔ اور وہ کاغذات لکھنؤ بھیج دیے گئے یا وہیں پڑے ہیں۔

میرزا یگانہ

Mendico کی دو چھوٹی شیشیاں آٹھ آٹھ دن کی مل گئیں۔ معلوم ہوا دوا ان کے پاس تھی، شہر بھر میں کہیں نہیں ہے۔ (یہ عبارت خط کی دوسری طرف لکھی ہے)

(*'دپنی لگنا'۔ ہانپنا کی خوردا کائی ہو سکتی ہے۔ تاہم یہ لفظ یا محاورہ کسی لغت میں نہیں پایا گیا۔ وسیم فرحت کارنجوی)

(۸۵)

میرزا یگانہ

چوکی نخاس۔ شاہ گنج لکھنؤ

۴؍مئی ۱۹۵۴ء

پیارے عزیز سلامت رہو

تمہارے رجسٹری شدہ خط کا جواب اسی دن بھیج چکا ہوں کہ بیگم اب تک میرے پاس ہیں۔ اُن کے ویزا کی مدت گزر چکی ہے اور اب تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ گورنمنٹ آف انڈیا نے اُن کی درخواست (مستقل سکونتِ ہندوستان) کے بارے میں کیا فیصلہ کیا۔ میں نے اُسی خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ عرش ملسیانی کی زبانی جو کچھ تمھیں معلوم ہوا ہے اس کی معتبر ذرائع سے تصدیق کر کے مجھے اطلاع دو کہ گورنمنٹ آف انڈیا نے کیا فیصلہ کیا۔ یہاں تو کوئی

اطلاع نہیں ہے نہ کوئی ذریعہ ہے کہ دریافت کرسکوں۔ میرے پاس کوئی آدمی نہیں۔

یگانہ

(۸۶)

میرزا یگانہ چنگیزی

چوکی نخاس۔ شاہ گنج لکھنؤ

۹ مئی ۱۹۵۴ء

عزیزِ من سلامت رہو۔

اتنی کوشش کرنے کے بعد بھی تمھیں کچھ معلوم نہ ہوسکا، اب میں کیا کروں اُدھر دو دن میں شاید کسی سے کچھ معلوم ہوسکا ہوتو اطلاع دو۔ سخت الجھن میں پڑا ہوں۔

مسٹر سہگل کا پورا نام اور پتا لکھ بھیجو، غالباً وہ کامرس ڈپارٹمنٹ میں ہیں۔ گورنمنٹ آف انڈیا میں۔

میرزا یگانہ

(۸۷)

میرزا یگانہ

جناب کی گلی،

شاہ گنج لکھنؤ

۲۲ رمئی ۱۹۵۴ء

پیارے عزیز سلامت رہو

بہت دنوں سے تمھارا خط نہیں آیا۔۔۔۔۔۔۔۲ے میں نے ایک پوسٹ کارڈ تمھیں بھیجا ہے۔اُس کے بعد تمہارا ایک پوسٹ کارڈ ملا پھر دوسرا پوسٹ کارڈ۔

کل سے میری طبیعت پھر نڈھال ہے۔لیٹا رہتا ہوں۔کھانسی کی بھی شدت ہے میرے پاس تو اب ایک پرزہ ایک پرچہ تک نہیں رہا۔سلطان بہادر روڈ سے جب نکلا ہوں تو سارا گھر یونہی چھوڑ کر نکلا تھا۔گرھستی کا سارا سامان لوٹ لیا گیا اور رنج تو اس کا ہے کہ زندگی بھر کی کمائی Manuscripts بھی لٹ گئی کون جان سکتا ہے، کہ اس دفتر پریشان میں کیا کیا چیزیں تھیں ۳ے

یگانہ

(۸۸)

میرزا یگانہ چنگیزی

چوکی نخاس

شاہ گنج لکھنؤ

۲۴/ جون ۱۹۵۴ء

پیارے عزیز سلامت رہو

آج طبیعت ذرا بحال ہے تو خط لکھنے بیٹھا ہوں۔۱۶/ جون کو شہریار میرزا سلمہٗ پاکستان سے دہلی اور آگرہ ہوتے ہوئے مجھ تک پہنچے۔معلوم ہوا کہ انھیں اور میرے نواسے جاوید سلّمہٗ کو تم نے خوب خوب پلاؤ اور پکوان کھلائے، ماشااللہ کیوں نہ ہو۔امید ہے نرملا

سلمہا اور اُن کا بچہ اچھا ہوگا۔

۲۱ رجون کو خفیہ پولس کا ایک جوان ایک سرکاری مراسلہ بیگم کے دستخط کے لئے لایا جسے سرسری طور پر دیکھ کر معلوم ہوا کہ گورنمنٹ آف انڈیا نے انہیں ہندوستان میں رہنے کی اجازت دے دی ہے۔ شکر ہے۔

میرزا یگانہ

(۸۹)

میرزا یگانہ
چوکی نخاس
شاہ گنج لکھنؤ
۱۴ راگست ۱۹۵۴ء

ارے یار کیا بات ہے کیوں مجھے بھلا بیٹھے۔ یہ جانتا ہوں کہ تم نہایت غیر مطمئن حالات سے گزر رہے ہو مگر اتنی بے خبری بھی کیا۔ کبھی کبھی ادھر کی کروٹ بھی لے لیا کرو۔ اور دیکھ لیا کرو میں کیوں کر صبح سے شام اور شام سے صبح کرتا ہوں اور جیئے جاتا ہوں۔ کوئی کام کرنے کے قابل نہیں۔ سانس لینا دو قدم چلنا مصیبت ہے۔ کیا کہوں۔

میرا Manuscript ۴ کے کہاں ہے کس حالت میں ہے۔

یگانہ

میرزا حیدر بیگ سلمہٗ کا خط آیا ہے کہ کراچی سے جس میں میرا ایک مطلع نقل کیا ہے:

زمانے پر نہ سہی دل پہ اختیار رہے
دیکھا وہ زور کہ دنیا میں یادگار رہے

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اُس لڑکے نے میرا اُصولِ زندگی، میری سیرت کو سمجھا ہے۔ یہ دیکھ کر جی خوش ہوا غالباً تم بھی اُس کی نظرِ انتخاب کی داد دو گے۔

یگانہ

(۹۰)

چوکی نخاس
شاہ گنج لکھنؤ
۶ ستمبر ۱۹۵۴ء

پیارے عزیز سلامت رہو

دن رات کی ایذا سے دم الٹنے لگا ہے۔ سینے میں سانس نہیں سماتی۔ دونوں پاؤں اور تلوے سنسناتے رہتے ہیں۔ دو قدم چلنا مصیبت ہے۔ خیر یہ دکھڑا کب تک رویا جائے گا۔

کہنا یہ ہے کہ ۲ر جولائی ۵۳ء کو جب میں سلطان بہادر روڈ سے چلا گھر بار اور تمام اثاثہ اور کتابیں، مسودات وغیرہ چھوڑ کر تو دو تین ٹرنک اور بستر ساتھ لے لیے تھے اور یہ ریڈیو۔ پانچ valve کا فرگوسن ریڈیو (انگلش) نہایت اعلیٰ۔ اب میرے لئے بیکار ہے۔ میں اسے پیاری نرملا کو اپنی یادگار کے طور پر دیتا ہوں۔ جس طرح بن پڑے کسی آتے جاتے کے ہاتھ ریڈیو منگوالو۔ اِس کا لیسنس ۲۱ر دسمبر ۵۴ء تک کا موجود ہے۔

میرے مسوّدات اب یورپ بھیج دو یا کوئی تجویز پیش کرنا چاہو تو کرو۔

جواب کا منتظر

میرزا یگانہ

(۹۱)

چوکی نخاس
شاہ گنج لکھنؤ
۱۰ر ستمبر ۱۹۵۴ء

پیارے عزیز سلامت رہو

یہ خط ذرا بے چینی کی حالت میں لکھ رہا ہوں۔ سانس زور زور سے چل رہی ہے۔ پاؤں میں دم نہیں۔ مگر ابھی گھبرانے کی بات نہیں ہے۔
۶ر ستمبر کو میں نے اک رجسٹری شدہ لفافہ تمہیں بھیجا ہے۔ اُس کے جواب کا ہنوز انتظار ہے۔ امید ہے تم ہر طرح خیریت سے ہو گے۔

میرزا یگانہ

(۹۲)

میرزا یگانہ چنگیزی
چوکی نخاس
شاہ گنج لکھنؤ
۲۹ر ستمبر ۱۹۵۴ء

میرے پیارے عزیز خوش رہو آباد رہو

منا بابو اور عزیزی لالہ مدن لال آئے اور تمھارا خط دیا۔ پڑھ کر دل بھر آیا۔ اور

اب یہ دوسرا خط مورخہ ۲۵ ستمبر کا بھی سامنے ہے۔ جس میں تم نے مجھے ''حبیب'' کا مرتبہ عطا کیا ہے اور اپنے کو ''خاکپائے حبیب'' لکھا ہے۔ خلوص ووفا کی اس نعمت کے سامنے دنیاوی مکروہات وزندگی کی تلخیاں کیا حقیقت کیا وزن رکھتی ہیں، کچھ بھی نہیں۔ میری خوش نصیبی میں شک کیا ہے۔ شکر کا مقام ہے کہ میں تمھیں خوش رکھ سکا اور تم نے اِس خلوص ومحبت کے ساتھ مجھے اپنے دل میں جگہ دی۔ اپنا حبیب جانا۔ اس سے بڑھ کر میری عزت اور کیا ہوتی، اس کے سامنے تمام ''رسوائیاں'' ہیچ اور بے معنی ہیں۔

مگر اس آخری وقت میں فقط تم اور مسٹر ہاشم اسمٰعیل دونوں مجھے پیش نظر رکھتے ہیں۔ باقی جتنے احباب تھے، ایسے انجان ہو گئے جیسے کبھی جان پہچان ہی نہ تھی۔

غنیمت ہے کہ اب تمھارے مرض میں افاقہ ہے۔ تم نے نرملا سلّمہا کے بارے میں لکھا ہے کہ بڑی نیک بیٹی ہے، بڑی توجہ سے تیمارداری کرتی اور تمھاری پائنتی سنبھالے رہتی ہے۔ مگر مجھے یہ سُن کر بڑی ہنسی آئی کہ اُس کا خلوص جاٹوں کا سا خلوص ہے بندے مار!۔ واہ جی واہ۔

یہ معلوم کر کے اطمینان ہوا کہ تمھیں MSS نقل رکھنے کی بھی فکر ہے۔ ہاں یہی ہونا چاہیے مگر اس کے متعلق میں اتنا ضرور کہوں گا کہ جس بھی نقل کراؤ اپنے سامنے بٹھا کر نقل کراؤ۔ کاغذات اُسی کے حوالے نہ کرو۔ کیونکہ یہ کاغذات ایسے تو ہیں نہیں اور جس کسی کو دو چار صفحے سے زیادہ نہ دو۔ پُورا مسودہ ہرگز نہ دو۔ چار پانچ جو ایک نشست میں نقل ہو سکیں۔ اُتنے ہی دو۔ اب دوسری بات یہ ہے کہ نقل کرنے والا ایسا ہو جو صحیح نقل کر سکے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی...... سے یہ کام لیا نہیں جا سکتا۔ میرے خیال میں بشیشر پرشاد منور لکھنوی کو ہموار کر کے اُن سے یہ کام لے سکو تو لے لو۔ میں جانتا ہوں وہ میرے ہمدرد ہیں، بہی خواہ ہیں مگر یہ فقط میرا اک خیال ہے۔ کام تو تمھیں اپنی رائے پر کرنا ہے۔ اپنے بھروسے کے آدمی سے

کام لینا ہے۔ نقل میں کچھ غلطی رہ جائے گی تو اُسے میں دُرست کردوں گا۔ الغرض ان
مسودات کو یورپ بھیجنا ضرور ہے۔

میرزا یگانہ

(۹۳)

موجودہ پتا:
پیلا مکان۔ شاہ گنج لکھنؤ
۱۹؍دسمبر ۱۹۵۴ء

پیارے عزیز سلامت رہو

کتنے دن ہوگئے تمھارا کوئی خط نہیں آیا۔ عرش ملسیانی سے بھی تمھاری خیریت دریافت کی وہاں سے بھی کوئی جواب نہ ملا۔

ایک مہینہ بیس دن سے میں نہایت سختیوں میں گزار رہا ہوں۔ ڈاکٹری علاج چھوڑ کر اب یونانی علاج کر رہا ہوں، فقط دل کی تسلّی کے لئے۔ گھڑی بھر میں دل و دماغ کی حالت کچھ سے کچھ ہوجایا کرتی ہے۔

گورنمنٹ آف انڈیا میں میرے الاؤنس کی تجدید کی کاروائی پیش تھی ۔ ذرا دریافت کرو کیا فیصلہ ہوا۔ خدا تمھیں خوش رکھے۔

جوشؔ کو گزشتہ تین مہینوں میں کوئی تین خط لکھ چکا ہوں، کچھ جواب نہیں۔

یگانہؔ

(۹۴)

موجودہ پتا:

میرزا یگانہ چنگیزی

پیلا مکان۔شاہ گنج لکھنؤ

۲۶/دسمبر ۱۹۵۴ء

پیارے عزیز سلامت رہو

تمھارا محبت نامہ مورخہ ۲۴/دسمبر ملا۔ اِس سے پہلے کا خط نہیں ملا کیونکہ میں پھر سابق جگہ پر مجبوراً واپس ہوا ہوں۔ ۵ ے حالات سخت سے سخت ہوتے گئے۔تمہاری صحت کی حالت میں گنتاڑا پڑتا جاتا ہے۔اور بروز اُلجھن بڑھتی جاتی ہے، یہ اور رنج کی بات ہے کہ تمھیں دمہ کی شکایت پیدا ہوگئی ہے۔

معلوم نہیں میرے مسودات کہاں ہیں۔ہاں اب اُنھیں جلد Oxford بھیج دو اور مجھے اطلاع دو۔اپنے پاس رکھنا ہرگز مناسب نہیں ہے۔میری حالت آج کل یہ ہے کہ پلنگ کے پاس ہی تسلہ لگا دیا جاتا ہے اور یہیں رفع حاجت کو بیٹھ جاتا ہوں۔اتنا دم نہیں کہ کمرے سے نکل کر انگنائی نانگھ کر پائخانے تک جاؤں۔زیادہ کیا لکھوں خدا تم پر اپنا فضل و کرم رکھے۔

یگانہ

(۹۵)

پیلا مکان
شاہ گنج لکھنؤ

۲۱رفروری ۱۹۵۴ء

میرے پیارے عزیز۔ خدا تمہیں تندرست رکھے، خوش رکھے۔ آج کتنے انتظار کے بعد تمھارا محبت نامہ مورخہ ۱۸رفروری ملا۔ تمام حالات تمام سرگزشتیں معلوم کرنے کے بعد قدرے اطمینان ہوا کہ خیر جو کچھ بھی ہوا سو ہوا اب تک خدا کا فضل ہے۔ میں بہت بے چین تھا۔ اتنے دنوں تک خط نہ آنے کی وجہ سے آج میرے ہوش وحواس کچھ بہتر ہیں۔ آج ہی خط کا جواب لکھ رہا ہوں۔

میرے مسوّدات کی نقل لینے کی کوشش تم نے کی ہے، اُمید ہے کہ اب یہ کام انجام پائے گا۔ مگر تمہارے تھوک میں خون آنے کی اطلاع سے وحشت ہوتی ہے۔ تمہارے عزیز دوست کی موت کی خبر بھی سُنی۔ خیر خدا کی مرضی۔ سگریٹ پینا۔ نہ تم چھوڑو گے نہ میں، جو کچھ بھی ہو، کیا کیا جائے۔ خیر، اک رباعی سنو اور غور کرو۔ ٦ے

یگانہ

(۹۶)

پیلا مکان۔شاہ گنج لکھنؤ

۳؍مارچ ۱۹۵۴ء

پیارے عزیز خوش رہو

تمھارا محبت نامہ مورخہ ۱۸؍فروری پہنچا، پڑھ کر اطمینان ہوا کہ مسودات کے بارے میں تم ضروری تدابیر کررہے ہو۔اس خط کا جواب میں دے چکا ہوں جو تمھیں مل چکا اور جس کے جواب میں تم نے Continuation Sheet پر دوسرا خط لکھا ہے۔اس کا جواب اب تک نہیں دے سکا۔دیکھ کر جی خوش ہوا کہ تم میرے پاس آنا چاہتے ہو۔تمھارا اور ہاشم اسمٰعیل کا خط آجاتا ہے تو دل کو ایک پھاہا سا لگ جاتا ہے۔بھلا اس سے بڑھ کر مسرت اور کیا ہوگی کہ خود تم میرے پاس آجاؤ اور تمھیں اپنے پاس بٹھا کر کچھ باتیں کروں۔ہاشم صاحب کے بھی کئی خط آئے ہیں جن کا ابھی تک میں جواب نہیں دے سکا۔وہ پھر کراچی جارہے ہیں۔اب وہی کے پتے سے اُن کو خط لکھوں گا۔اُنھوں نے میرا فوٹو مانگا ہے۔ڈیڑھ مہینے تک ناسازی مزاج کی وجہ سے میں امین آباد تک بھی جانے کے قابل نہ تھا۔کل جاسکا اور فوٹو کھچوایا۔تیار ہوکر آجائے تو اُنھیں بھیج دوں۔وہ میری اک مختصر سی سوانح عمری لکھنا چاہتے ہیں، اس کے لئے فوٹو کی ضرورت ہے۔

آج تمھارا خط مورخہ دیروزہ ملا، جس سے معلوم ہوا کہ تمہارے نواسے ےے کو کھسرہ ہوگئی تھی جس سے وہ بہت پریشان رہا۔خیر خدا نے فضل کیا اور اب وہ ماشاءاللہ اچھا ہورہا ہے۔شکر ہے تم مجھ سے ملنے کے لئے بے قرار ہو آؤ میرے پیارے جلد آؤ اس سے بڑھ کر اور کیا مسرت ہوسکتی ہے۔تم مجھے پڑھا لکھا دانائے راز کہتے ہو۔بھلا علم و فضل سے

مجھے کیا علاقہ ۔ ہاں میرے لئے باعثِ فخر وہ باتیں ہیں جنھیں تم نے جانچا ہے اور مجھ سے محبت کرتے ہو! کسی موقع پر تم نے میرے بارے میں لکھا تھا۔ He means what he saysاس سے زیادہ تعریف کیا ہوگی؟ ہاں یہ بھی بڑی بات ہے کہ آخر عمر میں مجھ پر فریب۔۔۔۔ایسا کھل گیا کہ توبہ ہی توبہ۔

مردانِ عمل کو اجر کی پروا کیا؟
خود ذوقِ عمل اجر ہے اندیشہ کیا؟
دُنیا میری بلا سے خوش ہو کہ نہ ہو
میں اپنے سے خوش ہوں توغمِ دنیا کیا؟

میرزا یگانہ

جلد آؤ اور آکر دیکھو میں جسمانی ایذاؤں کے علاوہ رہائش اور اپنے حالات کے اعتبار سے کیا کیا امتحان دے رہا ہوں، اور بحمد اللہ اب تک ثابت قدم ہوں کتنا خوفناک مستقبل ہے مگر یہاں برپشمِ قلندر۔

(۹۷)

پیلا مکان
شاہ گنج لکھنؤ

۲۱/اپریل ۱۹۵۵ء

پیارے عزیز سلامت رہو

آج کئی دن ہوئے تمھارے اک خط کی نقل مجھے پہنچ گئی تھی ۔مگر میں کیا کہوں کس

حال میں ہوں اگر چہ نسبتاً بہتر حالت میں ہوں۔ دوسطریں لکھنے کی نوبت نہیں آتی۔ اُس خط کی نقل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تمہارے پاؤں میں چوٹ آگئی ہے اور اب تک اُس کی تکلیف دفع نہیں ہوئی۔ غالباً اب دفع ہوگئی ہوگی۔ کیفیتِ مزاج سے جلد اطلاع دو۔ میں اب اس حال میں ہوں کہ ڈاک خانے میں خط ڈلوانا چاہتا ہوں اور کوئی آدمی نہیں ملتا۔

یگانہ

(۹۸)**

پیلا مکان
شاہ گنج لکھنؤ
۱۶ مئی ۱۹۵۵ء

عزیزِ من سلامت رہو۔

تمہارا کارڈ مورخہ ۸ مئی پہنوچا (پہنچا)۔ میں نے کون سی رباعی تمہیں بھیجی تھی کچھ یاد نہیں۔ اوس (اُس) کا مصرع لکھ بھیجو۔ ماہنامہ ساقی کراچی میں میرے خطوط کی پہلی قسط شائع ہونے کی مجھے کوئی اطلاع نہیں۔ ۸ ے قریباً اٹھارہ سال سے شاہد احمد صاحب سے کوئی خط وکتابت نہیں ہوئی۔ مگر یہ اون (اُن) کی مہربانی ہے جو اس خاکسار کو یاد کیا۔

ساقی کے جس پرچے میں یہ خطوط شائع ہوئے ہیں وہ مجھے بھی بھیج دو۔ دیکھ کر واپس کردوں گا۔

میرزا یگانہ

(۹۹)

موجودہ پتہ:
معرفت کوٹھی ادبستان ۹ ے
دین دیال روڈ۔لکھنو

پیارے عزیز خوش رہو

اکیلا رہ گیا ہوں ۔ یہاں جھوپڑی ڈال کے پڑا ہوں۔ دنیا بڑی بے وفا ہے۔ ادھر کئی دن سے طبیعت زیادہ نڈھال ہے۔موسم ہے برسات کا۔

کیا بات ہے کیوں اتنے دنوں سے بے خبر ہو۔ کیسے ہو، صحت کا کیا حال ہے۔

یگانہ

(۱۰۰)

پیلا مکان
شاہ گنج، لکھنؤ
۹ر ستمبر ۱۹۵۵ء

پیارے عزیز سلامت رہو۔

وہاں پروفیسر مسعود حسن کے باغ میں چھپّر ڈال کر ایک مہینہ چوبیس دن رہا۔مگر برسات کا زور بندھا تو پھر میں زمین پر نہ تھا۔آب وگل میں پڑا تھا اور مرض کی شدّت نے اور زیادہ پریشان کیا، آخر مجبور ہو کر ۹ر اگست کو پھر یہاں چلا آیا۔کیا کہوں صبح سے شام اور

شام سے صبح کیوں کر ہوتی ہے دن میں کئی بار حالت خراب ہو جاتی ہے۔ وہ تو چالیس برس کا ساتھ چھوڑ کر ۲ ستمبر کو کراچی روانہ ہوگئیں ۸۰ ء۔ اب میں ہوں اور تمھاری توجہ۔ جلد ایک نوکر مہیا کرو۔ پچیس روپیہ ماہوار خشک۔ تیمارداری کرنے والا کوئی نہیں۔ دن کو خیر ایک آدھ آدمی خبر گیری کر لیتے ہیں۔ مگر ہر وقت کون خبر لے۔ حالت نازک ہوتی جا رہی ہے۔ کئی مہینے سے ایک ایک سے کہتا ہوں کہ کوئی آدمی نوکر رکھوا دو مگر نا کے سوا ہاں کوئی نہیں کہتا۔ ایک آدمی ملا تھا مگر چور نکلا۔ جوشؔ کو بھی لکھا ہے۔

یہاں تو کوئی سنتا نہیں۔ میری کون سنے گا۔

یگانہؔ
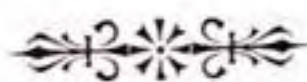
(رسالہ 'نقوش' لاہور سے اضافہ شدہ پانچ خطوط پر ** کا نشان لگا دیا گیا ہے۔ خاکسار)

حواشی

بابِ اول

۱) دوارکا داس شعلہؔ۔ یگانہ کے عزیز، یگانہ انہیں بیٹے کی طرح چاہتے تھے۔اور بلا شبہ شعلہ نے بھی آخر لمحے تک اپنے معنوی والد کی خدمت کی۔ یگانہؔ کے خطوط سے بھی شعلہؔ اور یگانہ کی محبت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ شعلہؔ خوش فکر شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ تہذیبی رکھ رکھاؤ والے آدمی تھے۔ پیشے سے کیمسٹ اور لاہور کے معزز گھرانے سے آپ کا تعلق رہا۔ یگانہ سے شعلہؔ کی ملاقات یگانہ کے قیامِ لاہور کے زمانے ۱۹۲۶ء میں ہوئی۔ اس سے پیش تر شعلہ ابوالاثر حفیظؔ جالندھری سے اصلاح کلام لیا کرتے تھے۔ ۱۹۲۶ء سے قائم ہوا یہ تعلق یگانہؔ کی موت تک برقرار رہا۔ ۱۹۲۶ء تا یگانہ کی وفات ۱۹۵۶ء مکمل احوال شعلہ نے اپنے سیر حاصل وعقیدت مندانہ مضمون ''یہ تیس برس کا قصہ ہے'' میں بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ شعلہ نے اپنے شعری مجموعے ''شعلہ زار'' میں بھی یگانہ کو بڑے اچھے الفاظ سے یاد کیا ہے۔

۲) یہ جملہ بعد میں حاشیے پر اضافہ کیا گیا ہے۔ (م)

۳) خط کی دوسری جانب یگانہ نے اپنی چھ رباعیاں بھی لکھی ہیں۔ یہ سب مطبوعہ ہیں اور ''ترانہ'' میں صفحہ نمبر ۶۸، ۸۶، ۸۸، ۱۱۰، ۱۷۴، ۱۷۵ پر موجود ہیں۔ (م)

۴) خط کے آخر میں یگانہ نے اپنی دو رباعیاں لکھی ہیں جو ترانہ میں صفحہ نمبر ۱۱۰ اور ۱۸۶ پر موجود ہیں۔ (م)

۵) یگانہ نے لفظ ''اک''، قلم زد کر کے اس کی جگہ ''ہاں'' لکھا ہے اور حاشیے میں یہ عبارت لکھی ہے۔ ''اس مصرع میں لفظ 'ہاں' سے زور نہ دیا جائے تو ردیف بے کار ہو جائے گی۔ (م)

٦) یگانہ نے یہ مصرع قلم بند کر کے مصرع لکھا ہے: 'ہائے جب اس کی کچھ دوا ہی نہ تھی'

۷) اس خط کے ساتھ یگانہ نے اپنی مشہور غزل ''جب تک خلشِ دردِ خدا یاد رہیگی'' الگ کاغذ پر لکھ کر بھیجی تھی۔ غزل کا عنوان ''اناالموجود'' ہے۔

۸) اصل خط کا عکس ''بخطِ یگانہ'' میں دیا گیا ہے۔ مذکورہ خط قومی عجائب گھر کراچی کی ملکیت میں ہے جس کا اندراج نمبر این۔ ایم 23/215-1963 ہے۔

۹) اس رباعی کے متعلق یگانہ فرماتے ہیں کہ ''گھر بولتا ہے، یعنی گھر کی رت ایسی بدل گئی ہے، ایسی رونق آ گئی ہے کہ گویا منہ سے بول رہا ہے۔ دلدر بھاگا، یعنی نحوست دور ہوئی۔ ہندوستانی سہاگن کو جب اپنے ساجن یعنی شوہر کی آمد آمد اور پردیس سے واپسی کا انتظار ہوتا ہے، اور دن گنتے گزرتا ہے تو عالمِ انتظار میں وہ کوے سے شگون لیتی ہے۔ جب کوئی کوا دیوار پر آ بیٹھتا ہے تو ہاتھ کے اشارے سے یہ کہہ کر اڑا دینا چاہتی ہے کہ ساجن آ رہے ہیں، راستہ تو دے کا گا۔ اگر اس کے کہنے پر اور ہاتھ کے اشارے پر کوا اڑ جاتا ہے تو اپنے عقیدے کے بموجب اسے شگون مل جاتا ہے اور یقین کر لیتی ہے کہ ساجن اب آتے ہی ہوں گے۔ کوے نے راہ دے دی ہے۔ اس لیے اس کے جذبۂ شوق کی تسکین ہوتی ہے۔'' (ترانہ۔ یگانہ چنگیزی مطبوعہ اردو بک اسٹال، لوہاری دروازہ لاہور ستمبر ۱۹۳۲ صفحہ نمبر ۱۱۸)

۱۰) یہ عبارت حاشیے پر اضافہ ہے۔ (م)

۱۱) 'شاہنامۂ اسلام' کے مصنف ابوالاثر حفیظ جالندھری۔ شعلہؔ اول اول حفیظؔ سے اصلاح لیا کرتے تھے۔

۱۲) یہ عبارت خط کی دوسری جانب اضافہ کی گئی ہے۔اس سے پہلے چار رباعیاں ہیں جو ''ترانہ'' میں صفحہ نمبر ۱۲۴، ۱۵۲، ۱۵۷، ۱۵۹ پر موجود ہیں۔(م)

۱۳) یہ خط مخزونہ قومی عجائب گھر کراچی، شعبۂ مخطوطات نمبر شمار 1963-215/89 ہے۔ خط کی دریدگی نے کئی ایک الفاظ ضائع کر دیے ہیں۔لہٰذا ضائع الفاظ کے مقامات پر نقطے لگا دیے ہیں۔

۱۴) یگانہ کی بڑی بیٹی بلند اقبال کا تاریخی نام حسن بانو تھا۔

۱۵) اس خط کے ساتھ ایک پرچی بھی منسلک ہے جس کا اوپر کا حصہ ضائع ہو چکا ہے۔اس پر جو عبارت باقی رہ گئی وہ یہ ہے:''۔۔۔۔۔۔اکتوبر تک لاہور پہنچ کر آپ سے ملوں گا۔آغا جان سلمہ بھی ساتھ ہوں گے۔فی الحال تیس روپے بھیج دیجیے۔خیر اندیش۔میرزا یگانہ چنگیزی (م)

۱۶) مشفق خواجہ کے مرتبہ سوانحی خاکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یگانہ پہلی مرتبہ ۱۹۲۷ء کے اخیر میں تلاش معاش میں حیدر آباد گئے تھے۔وہاں محکمہ رجسٹریشن واسٹامپ میں سب رجسٹرار کے عہدے پر ملازمت مل گئی۔اور عثمان آباد میں تقرر ہوا۔چند برس ہوئے تھے کہ یگانہ کے بڑے بیٹے آغا جان کی صحت خراب ہونے لگی۔خرابیِ صحت کا سلسلہ ۱۹۳۲ء تک جاری رہا۔چار و ناچار یگانہ بچوں کو ساتھ لے کر دہلی بغرض علاج روانہ ہو گئے۔راستے میں آگرہ پر یگانہ کے دوست نجم آفندی نے انہیں روک لیا۔اکتوبر ۱۹۳۲ء میں یگانہ آگرہ پہنچے۔(یگانہ کے ساتھ چند لمحے، میکش اکبر آبادی، مطبوعہ نقوش لاہور، اکتوبر ۱۹۵۸ء صفحہ نمبر ۲۳۸) یگانہ اکتوبر ۱۹۳۲ء تا ۳۰ دسمبر آگرہ میں رہے۔تین مہینے کی طویل رخصت (Leave) کی وجہ سے ان کا تبادلہ عثمان آباد سے لاتور کر دیا گیا۔(مکتوب بنام شعلہ بتاریخ ۲۸ دسمبر ۱۹۳۲ء)

۱۷) دوارکا داس شعلہؔ کی اکلوتی بیٹی۔(شعلہ زار۔دوارکا داس شعلہؔ۔مطبوعہ اردو رائٹرز

کوآپریٹیو سوسائٹی، دہلی ۱۹۶۲ء صفحہ نمبر ۲۹)

۱۸) خط کی پشت پر دو رباعیاں لکھی ہیں۔ان میں سے پہلی ''ترانہ'' میں صفحہ نمبر ۸۷ پر موجود ہے اور دوسری رباعی'' کلامِ غیر مطبوعہ'' کے تحت مرحوم مشفق خواجہ نے ''تخلیقی ادب ۲'' ۱۹۸۰ء کے شمارے میں شائع کی۔قارئین کی سہولت کے پیشِ نظر رباعی یہاں درج کی جاتی ہے۔

موجی من کی یہ ایک دُھن کیا کم ہے
پاپی ہی سہی مگر یہ پُن کیا کم ہے
کس پریم کی دیوی کا پجاری ہوں میں
گُن کوئی نہیں مگر یہ گُن کیا کم ہے

۱۹) یگانہ کا محررہ ۹ مئی ۱۹۳۳ء کا خط لاتور سے لکھا گیا تھا،تخلیقی ادب۔۲ میں اس خط کے فوراً بعد ۲۸ فروری ۱۹۴۵ء کا خط ملتا ہے۔ان بارہ برسوں میں شعلہ سے کی گئی مراسلت سے کوئی خط تخلیقی ادب میں شامل نہیں۔میری کوششیں جاری ہیں۔اگر ان درمیانی عرصے کے خط میسر آئیں تو انشاالله'حیاتِ یگانہ چنگیزی' کی دوسری اشاعت میں شامل کیے جائیں گے۔ یگانہ ۱۹۳۳ء تا ۱۹۳۸ء لاتور میں مقیم رہے۔قیامِ لاتور ہی کے دوران یگانہ کی شہرہ آفاق تصنیف مجموعہء رباعیات ''ترانہ'' لاہور سے شائع ہوئی تھی۔لاتور سے یگانہ کا تبادلہ سیلو (ایک چھوٹا سا قصبہ جو پربھنی اور جالنہ کے درمیان ہے، تحقیق کے دوران خاکسار نے بھی سیلو کی خاک چھانی، مزید یہ کہ فراقؔ کے نام یگانہ کا مشہور خط نما مضمون یا مضمون نما خط اسی مقام سے لکھا گیا تھا، جو میری زیرِ طبع کتاب 'نگارشاتِ یگانہؔ' میں شامل ہے) پربھنی ،ہنگولی اور کنوٹ، تھوڑے تھوڑے وقفے کے لیے ہوتا رہا۔۱۹۳۹ء میں یگانہ کا تبادلہ کنوٹ (دکن کا آخری حصہ) سے یادگیر (موجودہ ریاستِ کرناٹک) ہوا جو قدرے بڑا شہر ہے۔یادگیر چار برس یگانہ کا مستقر رہا۔رٹائرمینٹ کے متعلق واقعہ بھی قارئین کی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔اعظم

حسین اعظم نے اپنے مضمون ''میرزا یگانہ چنگیزی'' میں لکھا ہے کہ ''اواخر ۱۹۴۲ء میں جب کہ میرزا یگانہ کی ملازمت ۵۵ سالہ کی بناء پر ختم ہونے والی تھی، پرنس معظم جاہ بہادر نے میرزا صاحب سے خود فرمایا کہ آپ وظیفے سے پہلے چھ ماہ کی باتنخواہ رخصت (Leave with pay) لے کر میرے پاس کیوں نہیں آجاتے۔ پرنس کی یہ تجویز سن کر میرزا صاحب دل میں بہت گھبرائے کہ یہ تو وہی بات کہہ رہے ہیں جو مجھ ایسے شخص سے کبھی ممکن نہیں یعنی دربار داری۔ میرزا صاحب نے پرنس کا جواب نہیں دیا اور خاموش رہے۔ ادھر ان کا انسپکٹر جنرل بھی اس امر کا خواہاں ہوا کہ میرزا صاحب جگہ خالی کردیں تو وہ اپنا مہرہ اس جگہ بٹھا دے۔ میرزا صاحب نے رخصت نہیں لی مگر انسپکٹر جنرل نے میرزا صاحب کا تبادلہ تعلقہ یادگیر سے ایسی جگہ کیا جہاں میرزا جانا پسند نہیں کرتے تھے۔ آخر وہ نہیں گئے اور رخصت لے کر ملازمت سے سبکدوش ہوگئے۔'' (مطبوعہ، نقوش لاہور، شخصیات نمبر، ۱۹۵٦ صفحہ نمبر ۸٦۹) اس کے بعد یگانہ محض پندرہ روپے پنشن لے کر لکھنو آگئے۔ لیکن کچھ ہی وقت کے بعد پھر حیدرآباد چلے گئے۔ جہاں وہ اپنے دیرینہ دوست غلام پنجتن کے یہاں مقیم ہوئے۔ غلام پنجتن کا مکان حیدر گوڑہ، حیدرآباد میں واقع تھا۔ (یگانہ بیتی، کچھ سنی کچھ دیکھی۔ محمد رضا انصاری، مطبوعہ ماہنامہ آجکل، دہلی، اگست ۱۹۷۴ء صفحہ نمبر ۱۱) یہ وہی مکان ہے کہ جس میں یگانہ پہلی مرتبہ حیدرآباد پر ٹھہرے تھے۔ مذکورہ خط یہیں سے لکھا گیا۔

۲۰) خط کے شروع میں لفظ ''Personel'' لکھا ہے اور سرخ روشنائی سے ذیل کا اضافہ کیا ہے:

دکھ درد تو ہی سمجھے نہ سمجھے
گونگا تو گونگا کس کو پکارے
وہی سب کی سنتا ہے اور داد کو پہنچتا ہے'' (م)

۲۱)اس عنوان کے بعد ''از میرزا مراد بیگ'' کے الفاظ لکھے تھے جو بعد میں قلم زد کر دیے گئے۔ یہ وہی میرزا مراد بیگ ہیں کہ جنھوں نے یگانہ کے شعری مجموعے ''آیاتِ وجدانی'' کے معرکہ خیز محاضرات لکھے تھے۔ڈاکٹر سید نیر مسعود صاحب نے لکھا ہے ''آیات وجدانی'' کے محاضرات جو میرزا مراد بیگ چغتائی کے نام سے لکھے گئے، یہ بھی یگانہ ہی کے قلم سے تھے اور وہ اپنے احباب سے اس حقیقت کو چھپاتے بھی نہیں تھے'' (یگانہ :احوال وآثار، مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی سال اشاعت ندارد، صفحہ نمبر ۴۲) لیکن مالک رام کے مضمون ''یگانہ چنگیزی'' سے پتہ چلتا ہے کہ یہ محاضرات میرزا مراد بیگ چغتائی نے ہی تحریر کیے تھے۔(یگانہ چنگیزی، از مالک رام، مشمولہ وہ صورتیں الٰہی، مطبوعہ مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، دہلی فروری ۱۹۷۴ء صفحہ نمبر ۱۵۶)۔اب ظاہر ہے کہ مالک رام اور شعلہ یگانہ کے آخری عمر کے سب سے عزیز دوست رہے ہیں۔ بلکہ مزید برآں مالک رام نے ''آیاتِ وجدانی'' پر تبصرہ بھی لکھا تھا جو زمانہ کانپور کے فروری ۱۹۳۸ء کے شمارے میں شائع ہوا۔(یہیں سے یگانہ اور مالک رام کے رشتے کی بنیاد پڑتی ہے)ڈاکٹر نیر مسعود کے مذکورہ بالا بیان کی تصدیق کے لیے مجھے کہیں سے کوئی سراغ نہ ملا۔ جب کہ ان ہی محاضرات کو لے کر ایک سال تک باقاعدگی سے رسائل میں لے دے ہوتی رہی۔یگانہ پر لکھے گئے کئی مضامین میں ان محاضرات کا ذکر ملتا ہے لیکن اس بات کی تصدیق کہیں سے نہیں ہو پاتی ہے کہ اس کے مصنف خود یگانہ رہے۔ واللہ وعلم بالصواب۔

۲۲)حاشیہ اصل کے مطابق:

"Dwarka Das Shola of lahore,the greatest friend of Meerza Yagana,Who has always strongly felt for him"

۲۳) اضافہ بر حاشیہ: ''شیخ مبارک علی تاجر سے اس کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔کوئی اور پبلشر ہو۔''یگانہ کا دوسرا شعری مجموعہ'آیاتِ وجدانی' (۱۹۲۷ء) کے پبلشر شیخ مبارک علی تاجر (لاہور) تھے،اس سلسلے میں،مندرجہ ذیل واقعہ کا اندراج ضروری جانتا ہوں۔شعلہ لکھتے ہیں''لاہور میں آیاتِ جدانی کا پہلا ایڈیشن چھپا تو ناشر نے پانچ سو روپے بطور معاوضہ دینے منظور کیے۔سو روپے مسودہ حاصل کرتے وقت دے دیے باقی وعدہ۔چند ماہ میں کتاب شائع ہوگئی۔میرزا تقاضہ کرنا تو خیر جانتے ہی نہ تھے۔اپنی بدحالی سے مجبور ہوکر ایک دن مجھ سے ذکر فرمایا کہ اگر ناشران کے باقی چار سو دے دے تو یہ رقم کئی ماہ تک لیے ان کے اخراجات کی کفیل ہوجائیگی۔میں نے اجازت چاہی کہ پتہ کروں۔فرمایا:'تجارت پیشہ لوگ ہیں روپے ہاتھ میں نہ ہوں گے ورنہ خود ہی پہنوچا (پہنچا) جاتے'۔یہ معاملہ پنڈت ہری چند اختر کے علم میں تھا۔میں نے مشورہ کیا تو انھوں نے کہا،'میرزا یہاں کے کتب فروشوں کے چلن سے واقف نہیں،اگر تقاضوں پر بھی یہ رقم وصول ہوجائے تو بڑی بات ہے'۔میں کتب فروش کے ہاں پہنوچا۔پھر ہری چند بھی آگئے۔آخر وہ بندۂ ضرورت میرزا کے یہاں گیا۔سو روپئے آگے رکھ کر چلا آیا اور ہم سے کہہ دیا کہ حساب بے باق ہوگیا۔جب میرزا سے پوچھا کہ آپ نے سو روپے لے کر معاملہ کیوں طے کردیا تو فرمایا:'وہ تو سو روپئے بھی نہ جانے کس مشکل سے مہیا کرسکا۔یہ کہاں کی انسانیت ہے کہ اس کی کھال بھی کھینچ لی جائے'، ہم اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔مجھے اب تک وہ نقشہ یاد ہے۔میں نے میرزا سے عرض کی کہ'یہ لوگ بڑے چالباز ہیں آپ یونہی ان کے بھرّے میں آگئے'،میرزا اس پر برافروختہ ہوئے اور بھنویں تان کر کہا،'تم لوگ خواہ مخواہ کسی شریف آدمی پر تہمت لگاتے ہو،تم یہاں نہیں تھے ورنہ اس کی صورت دیکھتے،وہ بے چارہ تو مارے شرمندگی اور مجبوری کے پانی پانی ہوا جاتا تھا۔مجھے تو سو روپئے بھی لیتے ہوئے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی گناہ کر رہا ہوں۔اس کا پیٹ

کاٹ کاٹ کر اپنا پیٹ پالوں، یہ کہاں کی شائستگی ہے۔ بھائی اسے دیکھا ہوتا تو پتہ چلتا۔ بیچارے کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ وہ تو میں نے اسے دلاسا دیا ورنہ رو پڑنے میں کون سی کسر رہ گئی تھی'' (یہ تیس برس کا قصہ ہے، مشمولہ یگانہ، از ساحل احمد، اردو رائٹرس گلڈ الہ آباد ۱۹۸۶ء، صفحہ نمبر ۲۷۹) یگانہ کی انسان دوستی کو سلام کیا جانا چاہیے۔ کسی معصوم بچے کی سی شرافتِ نفس یگانہ میں پائی جاتی تھی۔ زمانہ کی مسلسل اور متواتر بے رخی اور ایذا رسانی ہی یگانہ کی کرختگی کا باعث بنی۔

۲۴) یہ جملہ حاشیے پر بعد میں اضافہ کیا گیا۔ (م)

۲۵) یگانہ کا مکتوب ۲۴ اور ۲۵ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپریل ۱۹۴۶ء تا وسط مئی ۱۹۴۶ء بمبئی میں مقیم رہے۔ یگانہ کے ایک نزدیکی خیر خواہ ذوالفقار علی بخاری، جو ان دنوں آل انڈیا ریڈیو بمبئی کے ملازم تھے، نے یگانہ کو تبدیلیءِ آب و ہوا کی غرض سے اپنا مہمان بنایا۔ یگانہ قیام بمبئی میں ان ہی کے یہاں مقیم رہے۔ (سرگزشت، از ذوالفقار علی بخاری، معارف کراچی، ۱۹۶۶ء صفحہ نمبر ۱۷۸) اسی درمیان یگانہ نے بخاری کے توسط سے اپنے بیٹے آغا جان کو آل انڈیا ریڈیو میں ملازمت فراہم کروادی۔ مزید اسی اثنا میں ترقی پسند مصنفین کے روحِ رواں سجاد ظہیر نے ان کا دیوان ''گنجینہ'' کمیونسٹ پارٹی کے دارالاشاعت (لاہور) سے شائع کروانے کے متعلق کاروائی کی۔ جس کی ترتیب یگانہ نے بمبئی میں ہی قیام پذیری کے دوران سرانجام دی۔ مشفق خواجہ مرحوم کے مرتبہ ''کلیاتِ یگانہ'' کے سرورق پر ''گنجینہ'' میں شائع شدہ تصویر لی گئی ہے، جو قیام بمبئی کی ہی دین ہے۔ یہ تصویر علی سردار جعفری نے کھنچوائی تھی اور یہ غالباً پہلی اور آخری تصویر ہے جس میں یگانہ مسکراتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ (یگانہ چنگیزی۔ مشمولہ 'حرف حرف بمبئی' از رفعت سروش۔ مطبوعہ نورنگ کتاب گھر، دہلی ۱۹۸۵ء صفحہ نمبر ۲۳۷)

۲۶) تبدیلیِ مکان کے ضمن میں نورالحسن بی اے لکھتے ہیں ''پنجتن صاحب جب بنجارہ ہل پر رہنے کے لیے آ گئے تو یگانہ نے ان کے ساتھ آنا پسند نہیں کیا اور نام پلّی اسٹیشن کے مہمان خانے میں ایک چھوٹا سا کمرہ کرایے پر لے کر رہنے لگے'' (اردو کا معتوب شاعر یاس عظیم آبادی، آبگینہ، حمایت نگر، حیدر آباد، ۱۹۶۴ء صفحہ نمبر ۱۷)

۲۷) نام پلّی مسافر خانے میں تقریباً ایک ماہ قیام کے بعد یگانہ کے دیرینہ دوست دکن کے مشہور و مقبول رباعی گو شاعر علی اختر انہیں اپنے گھر لے گئے جہاں یگانہ نے دو ماہ قیام کیا۔

۲۸) اس خط کی کیفیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ یگانہ جیسے تیسے نومبر ۱۹۴۶ء کے اول ہفتے میں حیدر آباد سے لکھنو پہنچے تھے۔

۲۹) خالص ہندی الاصل لفظ ہے۔ جس کے معنی کمی، قلت اور نقصان کے ہوتے ہیں۔ مرہٹی زبان میں اسی لفظ کی بگڑی ہوئی شکل ''ٹوٹا'' صرف نقصان کے معنوں میں مروج ہے۔

۳۰) یہ خط انگریزی میں ہے یہاں ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ (م)

۳۱) حیدر آباد میں چار سال معاش کی تلاش بے سود کے بعد نومبر ۱۹۴۶ء میں یگانہ لکھنو پہنچے تھے لیکن یہاں آ کر پھر وہی روٹی کا مسئلہ۔ لہٰذا پھر ایک مرتبہ بادل نخواستہ یگانہ جون ۱۹۴۷ء میں حیدر آباد پہنچے۔ ۱۹۲۷ء تا نومبر ۱۹۴۶ء کے اٹھارہ سالہ قیامِ دکن میں یگانہ کے شناسوں کا ایک بہت بڑا حلقہ وہاں موجود رہا۔ اور یہی وہ سبب تھا جو انہیں بار بار دکن کی طرف بحالتِ مجبوری لے جا رہا تھا۔ جس وقت ملک کی تقسیم ہوئی، یگانہ دکن حیدر آباد میں ہی مقیم تھے۔

۳۲) خط کی دوسری جانب ایک رباعی لکھی ہے۔ یہ رباعی غیر مطبوعہ کلام کے تحت 'تخلیقی ادب ۲' میں شائع کی گئی۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے یہاں درج کی جاتی ہے۔

کیوں مجھ پہ توجہ ہے خدا خیر کرے
ناکردہ گنہ گار بھی بے موت مرے
جن کی کوئی پرسش ہی نہ ہوایسوں سے
کرتا بھی ڈرے اور نہ کرتا بھی ڈرے

۳۳) یہ خط یگانہ بیگم کی طرف سے ہے، لیکن یگانہ کی قلم سے ہے۔اسی تاریخ میں اس کے بعد والا خط یگانہ نے اپنی طرف سے بھی بھجوایا تھا۔

۳۴) نظام شاہی سلطنت کی ریاستِ حیدرآباد (دکن) غیر منقسم ہندوستان کی معدودے چند ریاستوں میں سے تھی جو انگریزی دورِ حکومت میں بھی اپنی خودمختاری برقرار رکھ پائی تھی۔ لیکن آزادی ہند کے بعد ہندوستانی حکومت نے والیٔ دکن میر عثمان علی خاں عثمانؔ معروف بہ نظام (جو بے حد عمدہ شاعر بھی تھے) سے ریاستِ حیدرآباد کے ضم ہوجانے کی درخواست کی تھی۔ درخواست کی تردید پر بالآخر اس وقت کے مرکزی وزیر دفاع سردار ولبھ بھائی پٹیل نے ہندوستانی فوج کو حیدرآباد بھجوایا۔اس آپریشن کو ''آپریشن پولو'' کہا جاتا ہے۔۱۳ستمبر ۱۹۴۸ء تا ۱۸ستمبر ۱۹۴۸ء کی پانچ روزہ جنگ میں نظام کو شکست ملی اور نظام شاہی سلطنت کا خاتمہ ہوا۔دکنی عوام میں مذکورہ فوجی کاروائی ''پولس ایکشن'' کے نام سے بھی جانی جاتی ہے۔ریاستِ حیدرآباد میں ٹیلیفون، ڈاک خانے، ریلوے، ریڈیو یہ تمام انسانی ضروریات ان کی اپنی تھیں۔گو کہ مندرجہ بالا تحریر اضافی سمجھی جائے تاہم اسی سلطنت نے یگانہ کو اٹھارہ سال روزگار بہم پہنچایا تھا بس اسی خیال سے اس کا زوال درج کیا گیا ہے۔

۳۵) اسلامیات کا ذرا سا بھی درک رکھنے والے حضرات خوب سمجھتے ہیں کہ وجودِ الٰہی کا اقرار تو خیر بہت ابتدائی مرحلہ ہے لیکن اللہ کو مسبب الاسباب تسلیم کرنا یہ ایمان کا کس قدر افضل درجہ ٹھہرتا ہے۔اب اس دلیل کے بعد یگانہ کو ملحد قرار دینے والے مذہبی ٹھیکے داروں کی

کور چشمی قارئین خود محسوس کریں۔قابل غور بات تو یہ بھی ہے کہ انسان قطعی بے ساختگی اور برجستگی کے ساتھ ذاتی خط تحریر کرتا ہے،غرض کہ نجی خطوط تصنع سے پاک ہوتے ہیں۔لہٰذا مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ یگانہ ایک سچے مسلمان، اللہ اور اس کے رسول کو ماننے والے تھے۔ان کے ایمان کا درجہ بھی مندرجہ بالا سطور سے واضح ہے۔

۳۶)اضافہ برحاشیہ: خط کے آخر میں مطلع کا عنوان درج کر کے ایک غزل (حسن کافر کی پرستش عین ایماں کیوں نہ ہو) کے چار شعر لکھے گئے ہیں۔(م)

۳۷)مجتبیٰ حسین نے اپنے مضمون میں لکھا ہے ''یگانہ بہت لہک کر پڑھتے تھے۔آواز مترنم تھی اور اس میں دبی ہوئی ایک جھنکار تھی۔'بھئی' ان کی زبان سے بڑی دلکشی اور سرمستی کے ساتھ 'بئی' ہو کر ادا ہوتا''(مشمولہ، نیم رخ، پاک پبلیشرز لمیٹیڈ کراچی ۱۹۷۸ صفحہ نمبر ۴۸)

۳۸)زبردست تنگ دستی میں گھرے رہنے کی وجہ سے رٹائرمینٹ کے بعد یگانہ تیسری مرتبہ پھر امیدِ موہوم لیے حیدرآباد چلے گئے۔قیاس تھا کہ حیدرآباد میں معاش کی کوئی صورت نکلے گی۔حالات کی ستم ظریفی دیکھیے کہ ایک ۶۸ سالہ بوڑھا آدمی روزگار کی تلاش میں نکلنے پہ مجبور ہو جاتا ہے۔تیسری مرتبہ کے اس دورۂ حیدرآباد میں یگانہ ۹ ماہ مقیم رہے۔اور اپنی سب سے چھوٹی بیٹی عامرہ بیگم کی شادی کے لیے واپس لکھنو چلے آئے۔۳۱ مارچ ۱۹۵۰ کو عامرہ بیگم کی شادہ یگانہ کے سسرالی رشتے دار محمد عالم کے ساتھ لکھنو میں سرانجام پائی۔محمد عالم اور ان کے رشتہء ازدواج کے متعلق تفصیل مکتوب یگانہ بنام آغا جان مورخہ ۱۹ نومبر ۱۹۵۲ کے حاشیہ نمبر شمار ۳۰ میں درج کی گئی ہے۔

۳۹)دوارکا داس شعلہ نے اپنے شعری مجموعہ ''شعلہ زار'' کا انتساب اپنی بیٹی نرملا کے نام کیا ہے۔اور دیباچے میں لکھتے ہیں ''نرملا، جس کے نام یہ مجموعہ معنون کر رہا ہوں، میری اکلوتی بیٹی ہے اور میری زندگی اور امیدوں کا واحد مرکز''(شعلہ زار۔مطبوعہ اردو رائٹرس

کوآپریٹیو سوسائٹی دہلی ۱۹۶۲ء صفحہ نمبر ۲۹) اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ شریمتی ودیا شعلہ کی شریکِ حیات رہی ہوں۔

۴۰) خط کی پیشانی پر سرخ پنسل سے انگریزی لفظ ''ارجنٹ'' لکھا ہے۔

۴۱) چھوٹی بیٹی کی شادی کے بعد یگانہ اور یگانہ بیگم ہی لکھنو کے گھر میں رہ گئے تھے۔ بچوں کی مامتا یا پھر کسی اور وجہ سے یگانہ بیگم نے بڑی ضد کر کے کراچی جانے کا پرمٹ یگانہ سے بنوالیا اور ۲۳ جولائی ۱۹۵۱ء کو اپنے بچوں کے پاس جا پہنچیں۔

۴۲) پنڈت ہری چند اختر ۱۵ اپریل ۱۹۰۱ء میں ہوشیار پور، پنجاب میں پیدا ہوئے۔ لیکن اپنی عمر کا بہت بڑا حصہ لاہور میں گزارا۔ لاہور میں ''پارس'' اخبار میں لکھا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ پنجاب اسمبلی میں بھی ملازمت کی۔ تقسیم ہند کے وقت پنڈت ہری چند اختر شعلہ کے ہمراہ دہلی آگئے۔ یکم جنوری ۱۹۵۸ء کو دہلی میں انتقال کیا۔ تلاش بسیار کے باوجود مجھے یہ پتہ نہ چل سکا کہ اختر پر کون سے مصائب کا پہاڑ ٹوٹا اور جس کا مقابلہ انہوں نے ڈٹ کر کیا، کہ جس کی تعریف (تعریف ہی نہیں بلکہ جس کو سلام) یگانہ جیسے سنجیدہ اور محتاط آدمی نے ضروری خیال کی۔ اردو ادب میں اس خوش فکر شاعر ہری چند اختر پر نہ کے برابر کام ملتا ہے۔ جس کی اعلیٰ ظرفی اور بذلہ سنجی اپنے عہد میں ہندوستان بھر میں مشہور تھی۔ زندگی نے مہلت دی تو میں بخوشی پنڈت ہری چند اختر پر کام کرنا پسند کرونگا۔

۴۳) یگانہ بیگم کے جانے کے ایک مہینہ بعد یگانہ بھی ۲۱ اگست ۱۹۵۱ء کو کراچی چلے گئے۔ اترے تو اپنی بڑی بیٹی بلند اقبال کے گھر تھے لیکن ان کے دیرینہ مداح مولانا رشید ترابی کی طفلانہ ہٹ پر ان کے گھر چلے گئے۔ جن کا مکان کلیٹن روڈ (جو آج بہادر یار جنگ کے نام سے جانا جاتا ہے) پر واقع تھا۔ یہ خط وہیں سے لکھا گیا۔

۴۴) یہ واقعہ بھی بڑا دلچسپ ہے۔ یگانہ پہلی مرتبہ ناگہانی آفت کے شکار ہوئے ہوگے۔

یگانہ ہندوستان سے کراچی کا ویزا لے کر پاکستان پہنچے تھے۔ان دنوں غیر ملکی ویزا کے ضمن میں اس قدر سخت قانون نہ تھا۔یا کم از کم انتظامیہ کی جانب سے اس قدر سختی نہ رکھی جاتی تھی کہ جتنی آج ہے۔چناچہ یگانہ نے خیال کیا کہ لکھنو جانے سے پیش تر وہ اپنے بڑے بیٹے آغا جان سے مل آئیں۔لہذا پشاور چلے گئے۔وہاں کم وبیش ۲۰ دن قیام رہا۔پشاور سے یگانہ لاہور آئے۔قاعدہ کی لاعلمی کی بناء پر یگانہ لاہور سے واھگہ کے راستے دہلی اور وہاں سے لکھنو جانا چاہتے تھے جو بہر اعتبار آسان اور نزدیک ہوتا۔محمد طفیل نے لکھا ہے کہ" واھگہ بارڈر پر پہنچنے پر یگانہ کا پرمٹ جانچا گیا۔پایا گیا کہ اس میں لاہور کا نام نہیں ہے لہذا یگانہ کو گرفتار کرلیا گیا۔اس سے آگے کی روداد یگانہ کے الفاظ میں سنیے۔یگانہ فرماتے ہیں"اکیس روز جیل میں بند رہا۔ہتکڑی لگا کر عدالت میں لایا گیا۔پہلی پیشی پر مجسٹریٹ صاحب نے نام پوچھا۔میں نے بڑھی ہوئی داڑھی پر ہاتھ پھیر کر بڑی شان سے بتایا 'یگانہ'، ساتھ کھڑے ہوئے ایک وکیل صاحب نے بڑی حیرت سے مجھ سے سوال کیا 'یگانہ چنگیزی'، جی ہاں جناب۔یہ سنتے ہی مجسٹریٹ صاحب (غالباً آفتاب احمد نام بتایا تھا) نے میری رہائی کا حکم صادر فرمادیا۔جب رہا ہوگیا تو جاتا کدھر؟ اور پریشان ہوگیا۔مجسٹریٹ صاحب نے میری پریشانی کو پڑھ لیا۔میں نے ان سے عرض کیا میرے تمام روپے تو تھانے والوں نے جمع کر لیے تھے، اب مجھے دلوادیجیے۔اس پر مجسٹریٹ صاحب نے کہا درخواست لکھ دیجیے۔میرے پاس پھوٹی کوڑی نہ تھی، کاغذ کہاں سے لاتا اور کیسے درخواست لکھتا۔اس پر بہ کمال شفقت مجسٹریٹ صاحب نے مجھے ایک آنہ دیا اور میں نے کاغذ خرید کر درخواست لکھی جس پر مجھے فوراً روپے مل گئے۔(مشمولہ 'جناب'۔مطبوعہ ادارۂ فروغ اردو لاہور، ستمبر ۱۹۷۰ء صفحہ نمبر ۱۴۹) یہاں سے رہا تو ہوگئے لیکن اب دوسرا مسئلہ پیدا ہوگیا۔جس عارضی پرمٹ پر یگانہ پاکستان آئے تھے، اس قید کے چکر میں، اس پرمٹ کی مدتِ قیام جاتی رہی۔اور اس

کی توسیع کروانا، اس وقت نئے پرمٹ بنوانے سے بھی زیادہ سنگین مرحلہ ہوا کرتا تھا۔ اس واقعے کی تفصیل کے لیے میرا مقالہ "یگانہ چنگیزی۔ تحقیق و تجزیہ" (پیش آئند کتاب) ملاحظہ کریں۔

۴۵) نقطے مطابق اصل (م)

۴۶) جوشؔ ملیح آبادی، ان دنوں رسالہ "کلیم" دہلی کے مدیر تھے۔ جگن ناتھ آزادؔ (فرزندِ تلک چند محرومؔ) اور عرشؔ ملسیانی (فرزندِ جوشؔ ملسیانی) نائب مدیر کے عہدے پر فائز تھے۔ محرومؔ اور جوشؔ ملسیانی سے یگانہ کے دیرینہ مراسم تھے۔ جوشؔ ملیح آبادی چونکہ وزیرِ اعظم پنڈت نہرو کے قریبی دوست اور یگانہ کے مداح (جس کا اظہار اسی مجموعے میں شامل جوشؔ کے خط سے ہوتا ہے) تھے۔ اسی لیے جوشؔ سے مشورہ کرنے کی ہدایت شعلہ کو دی گئی ہو۔

۴۷) پاکستان کے پرمٹ آفیسر (انڈین ہائی کمیشن) جناب رام رتن مہتہ، شعلہؔ کے قریبی دوست تھے۔ شعلہ کے توسط سے ہی مہتہ صاحب تک یگانہ کی رسائی ہو پائی تھی۔ ساتھ ہی شعلہؔ نے مہتہ صاحب کو ہدایت دی تھی کہ وہ یگانہ کو دو سو روپے مہیا کر دیں۔ (مکتوبِ شعلہ بنام رام رتن مہتہ مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۵۲ء مخزونہ قومی عجائب گھر کراچی، شعبۂ مخطوطات نمبر شمار 1963-216/11)

۴۸) یگانہ ۲۱ اگست ۱۹۵۱ء کو کراچی کے لیے نکلے تھے اور بصد زحمت و باہزار مصائب ۱۸ اپریل ۱۹۵۲ء کو دہلی پہنچے۔ ان آٹھ مہینوں میں یگانہ کی کیفیت قابلِ رحم رہی۔ اپنے ملک اور اپنی مٹی سے محبت انہیں لحہ لحہ تڑپاتی رہی۔ ہر چند کہ اب لکھنو میں ان کا کوئی اپنا نہ رہا تھا۔ تمام بچے مع اہلیہ پاکستان چلے گئے تھے۔ خود اہلِ پاکستان نے انہیں اس مرتبہ روکنے کی خوب خوب کوششیں کی تھیں، لیکن یگانہ نہیں رکے۔

۴۹) اس خط پر تاریخ نہیں۔ قیاس ہے کہ اکتوبر ۱۹۵۲ء کے آخری دنوں میں یہ خط لکھا گیا ہوگا۔ (م)

۵۰) خط بنام مالک رام مورخہ ۱۹ مئی ۱۹۵۲ء میں یگانہ لکھتے ہیں ''اتفاق کی بات کہ ۲۶ اپریل کو لکھنو ریڈیو سے ایک مشاعرہ نشر ہونے والا تھا۔ ریڈیو والوں نے مجھے بھی دعوت دی۔ میں گیا اور شریکِ مشاعرہ ہوا۔۔۔۔۔۔۔ پہلی ہی رباعی پر مشاعرہ اڑ گیا (لوٹ لیا)۔ پھر دوسری اور تیسری۔ بعد از آں غزل پڑھی مگر آواز قابو میں نہ تھی۔ اب سینے میں طاقت کہاں'' (متذکرہ خط مجموعہ ھٰذا میں شامل ہے) اس سے گمان ہوتا ہے کہ ۲۶ اپریل ۱۹۵۲ء اور اس کے بعد ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۲ء میں آل انڈیا ریڈیو لکھنو سے مشاعرہ نشر کیا گیا جس میں یگانہ شریک تھے۔

۵۱) خط کے آخر میں ایک رباعی ہے جو یہاں قارئین کی دلچسپی کے لیے درج کی جاتی ہے۔

درشن کچھ بھی نہیں مگر نام بڑا
لیلیٰ کو کبھی آپ سے پالا نہ پڑا
کیا حسن ہے واہ کیا مسیحائی ہے
مردہ بھی تمہیں دیکھ کے ہوتا ہے کھڑا

۵۲) اس خط پر تاریخ نہیں ہے۔ قیاس ہے کہ یہ دسمبر ۱۹۵۲ء کی کسی تاریخ کو لکھا گیا تھا۔

۵۳) آب و ہوا کی تبدیلی کے لیے یگانہ اپنے بے حد قریبی اور مخلص دوست ہاشم اسمٰعیل کے پاس بمبئی چلے گئے۔ شعلہ اور مالک رام کی طرح ہاشم اسمٰعیل نے بھی آخری وقت تک یگانہ کی مدد کی۔ اور اسی حوالے سے ایک قطعی غیر ادبی آدمی دنیائے ادب میں جاوداں ہو گیا۔ یگانہ ۹ دسمبر تا ۲۳ دسمبر بمبئی میں رہے۔ خط بنام مالک رام مورخہ ۱۸ فروری ۱۹۵۳ء میں لکھتے ہیں '' ۲۳ دسمبر کو بمبئی میں تو یہ حال ہو گیا کہ جیسے اب وقت آ ہی گیا۔ اوسی (اُسی) شب کو صاحبِ موصوف (ہاشم اسمٰعیل) نے مجھے ایک آدمی کی حفاظت میں ٹرین پر بٹھا کر لکھنو روانہ کر دیا'' (خط مخزونہ قومی عجائب گھر کراچی، شعبہء مخطوطات نمبر شمار

1963-215/17)، یہ خط مجموعہ ھذا میں شامل ہے۔

۵۴) یگانہ بیگم ۲۳ جولائی ۱۹۵۱ کو اپنے بچوں کے پاس کراچی چلی گئی تھیں۔

۵۵) اس سے قبل محض عارضی پرمٹ کی بناء پر پاکستان آنے جانے کی اجازت دی جاتی تھی۔غرض کہ پاکستان کو، کم از کم شبعہ ء پاسپورٹ میں، ''بیرون ملک'' کا درجہ نہیں دیا گیا تھا۔دسمبر ۱۹۵۲ سے پاکستان کے لیے بھی پاسپورٹ لازمی قرار دیا گیا۔اور یہ یگانہ کے لیے ایک نئی مصیبت ثابت ہوا۔یگانہ تنہائی سے گھبرا کر یگانہ بیگم کو واپس کراچی سے لکھنو بلوانا چاہتے تھے اسی درمیان پاسپورٹ نافذ ہو گیا۔

۵۶) یہ عبارت بعد میں حاشیہ پر اضافہ کی گئی ہے۔(م)

۵۷) یہی وہ غیر انسانی حرکت ہے جو برِ صغیر میں کسی دانشور کے ساتھ پیش نہ آئی ہوگی۔ اہلِ لکھنو نے اپنی شرافت اور تہذیبی رکھ رکھاؤ کے سارے بھرم توڑ کر رکھ دیے۔قابلِ غور بات یہ بھی ہے کہ اہلِ لکھنو نے یگانہ کے منہ پر جو کالک پوتی تھی وہ تو خیر اسی وقت دھل بھی گئی لیکن اسی دن قدرت نے لکھنو کے منہ پر جو کالک پوتی ہے وہ تا دمِ آخر دھلنے سے رہی۔دنیا کی کوئی بھی قوم اس دردناک حرکت پر اہلِ لکھنو کو لعن وطعن کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔ واقعہ اور اس کے حوالے چونکہ بہت طویل ہیں اس لیے یہاں صرف روداد درج کی جارہی ہے۔تفصیل میرے مقالے ''یگانہ چنگیزی۔تحقیق و تجزیہ'' میں ملاحظہ فرمائیں۔یگانہ نے ''بحالتِ ہذیان'' کچھ رباعیاں لکھ کر نیاز فتح پوری کو بھجوائیں (''حالتِ ہذیان'' یہ مولانا ماجد دریا آبادی کے الفاظ ہیں) جن سے مسلمانانِ وطن کی تذلیل ہوتی تھی۔(چار مصارع کی رباعی تو خیر جانے دیجیے، جس کے پاس یہ نگارش بھجوائی گئی خود اس نے الحاد وکفر کی تمام حدوں کو کسی زمانے میں منہدم کر دیا تھا) نیاز فتح پوری نے بقول ڈاکٹر راہی معصوم رضا ''میرے دریافت کیے جانے پر نیاز نے قبول کیا کہ میں نے شرارتاً وہ لفافہ مولانا ماجد کو دیا

تھا''۔(یاس یگانہ چنگیزی۔از ڈاکٹر راہی معصوم رضا،مطبوعہ شاہین پبلشرز الہ آباد اگست ۱۹۶۷ء صفحہ نمبر ۵۲) مولانا کا شمار ملک کے انتہا پسندوں میں کیا جاتا ہے۔مولانا نے اپنے ہفت روزہ ''صدق جدید'' ۲۷ مارچ ۱۹۵۳ء کے شمارے میں بڑا سخت اداریہ لکھا اور تینتالیس برس پرانے تمام واقعات (کہ جن کو عوامِ لکھنو بھول بھال گئے تھے) دہرا دیے گئے۔جس میں غالبؔ، اقبالؔ، عزیزؔ، اصغرؔ، جگرؔ اور تمام ہی ان صاحبان کو شمار کیا گیا جن میں سے تقریباً فوت ہو چکے تھے۔ہندوستان میں معصوم اور بھولی بھالی ''رعیّت'' کو بھڑکانے میں کوئی وقت نہیں لگتا (اس کے علاوہ بھی مولانا موصوف نے ایک ۷۲ سالہ بوڑھے ''ہذیانی شخص'' کے خلاف اور کیا کیا ''کارہائے نمایاں'' انجام دیے، مع شواہد و مستند حوالہ جات، میرے مقالے میں ملاحظہ فرمائیں) لہٰذا حسبِ منشا نتیجہ برآمد ہوا۔لکھنو کے چند بد دماغ لڑکوں کے ہجوم نے یگانہ کے گھر پہنچ کر انہیں جوتوں کا ہار پہنایا۔منہ پر تارکول کی کالک پوتی (بظاہر یگانہ کے منہ پر لگائی گئی لیکن لگی لکھنو کی حمیت پر) انہیں پیدل جلوس کے ساتھ چلنے پر مجبور کیا گیا۔منصور نگر، کشمیری محلّہ، چوک اور نخاس کے چوراہوں پر گھمایا گیا۔کچھ نالائق قسم کے لڑکے ان کے چہرے پر تھوکتے بھی رہے۔ایک گھنٹہ تک یہی ظلم سرِ عام چلتا رہا۔لوگ خاموش تماشہ دیکھتے رہے لیکن کسی شریف کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ اس انسانیت پر ہو رہے ظلم پر روک لگاتا۔مولوی گنج سے گزرتے ہوئے جلوس کو پولس نے حراست میں لے کر یگانہ کو کسی طرح تھانے لے گئے۔اتنے بڑے غیر انسانی عمل کے لیے ایک اور الزام یگانہ پر لگایا گیا۔سبّ و شتمِ رسول ﷺ۔اس الزام کے پیشِ نظر اہلِ لکھنو نے یہ بھی نہ دیکھا کہ فارسی اور اردو ادب کی چند بہترین نعتوں میں یگانہ کی لکھی ہوئی ''اٹھ مرے کالی کملی والے'' صفِ اول میں شمار کی جاتی ہے۔ایک ذاتی خط کو اشاعتی خط بنا کر کسی ایسے آدمی کے ساتھ، کہ جو بقول خود مولانا ماجد، 'ہذیان' کا شکار ہے، بغیر کسی تحقیق کے، ایسی اوچھی حرکت کرنا کس اسلام

کی تعلیم ہے۔اور کون سا مسلک اس کا حامی ہوگا۔ جب کہ اسلامی اور ہندوستانی قانون (بلکہ دنیا کے کسی بھی ملک کے قانون) کی رو سے ''دیوانے پن کی حالت میں سرزد خطا قابل تعزیر نہیں ہوتی''۔اخیر عمر میں یگانہ کی متزلزل ذہنی حالت کی تصدیق مالک رام کے مضمون ''یگانہ چنگیزی'' سے بھی ہو جاتی ہے جس میں انہوں نے یگانہ کے جرمِ بے گناہی کا ذکر کیا ہے۔فرماتے ہیں کہ 'نیتوں کا جاننے والا علام الغیوب خدا ہے۔کوئی کسی کے دل کو چیر کر نہیں دیکھ سکتا کہ اس میں کیا ہے۔مولانا دریابادی نے جو کچھ (اپنے اداریے) میں لکھا،خدا ہی جانتا ہے،اس سے ان کا مقصود کیا تھا وہ یگانہ کو کیا سزا دلانا چاہتے تھے۔یگانہ نے اس خط میں (جو مضمون برائے اشاعت نہیں تھا) جو رباعیاں لکھی تھیں،ان کی شناعت سے انکار نہیں۔ان پر مولانا کا مشتعل ہو جانا بھی قدرتی بات تھی۔لیکن سب سے پہلے تو ہمیں الاعمال بالنیات کا اصول سامنے رکھنا چاہیے۔یگانہ نے وہ خط مولانا عبدالماجد دریابادی کی خدمت میں لکھا ہی نہیں تھا،اگرچہ مولانا نے یہ دعویٰ کیا ہے،یگانہ نے یہ 'نجی خط' نیاز فتح پوری کے نام لکھا تھا۔اس لیے ثابت کرنا پڑیگا کہ یہ انھوں نے مسلم قوم کی دل آزاری کے لیے لکھا تھا۔پھر مولانا دریابادی خود مانتے ہیں کہ یگانہ 'جنون کی حد تک' پہنچ چکے تھے،اور وہ 'ہذیان' بک رہے تھے۔دنیا کا کوئی قانون یا فقہ ایسے شخص کو اپنے قول و فعل کے لیے ذمہ دار نہیں گردانتا۔اس کے علاوہ ایک اور بھی قابل توجہ ہے۔اس ملک میں ایک منظم حکومت ہے،اور مسلمہ قانون اور تعزیرات کا ضابطہ ہے۔یگانہ نے جو قصور کیا تھا اس کے لیے ان پر باقاعدہ مقدمہ چلنا چاہیے تھا،اگر عدالتِ مجاز ان کی دماغی کیفیت دیکھنے کے بعد انھیں مجرم اور سزا کا مستحق ٹھہراتی،تو کسی کو اعتراض کی گنجائش نہ رہتی۔اگر یوں ہر کوئی اپنی صوابدید پر فیصلہ کرلے کہ فلاں شخص نے میری یا میرے بزرگوں کی ہتک کی ہے،اور اسے پیٹ ڈالے یا موت کے گھاٹ اتار دے،تو آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس کا نتیجہ کیا

ہوگا! ملک کا امن وامان غارت نہ ہوجائیگا'' (وہ صورتیں الٰہی، صفحہ نمبر ۱۶۸)

ڈاکٹر راہی معصوم رضا نے بھی اس واقعہ پر خوب روشنی ڈالی ہے۔ مولانا ماجد دریابادی نے اپنے اداریے میں یگآنہ کے خلاف جو فرد جرم عائد کی تھی اس کے متعلق راہی معصوم رضا فرماتے ہیں کہ ''مولانا نے کوئی چیز چھوڑی نہیں۔ یگآنہ کے خلاف جو جذبات کام کررہے تھے، مولانا نے ان سب کو مشتعل کردیا۔ یاسؔ غیر لکھنوی ہیں، یاسؔ بہاری ہیں، یاسؔ غالبؔ وعزیزؔ واقبالؔ کے مخالف ہیں، یاسؔ شیعہ ہیں، یہی وہ چار ستون ہیں جن پر یگآنہ کی مخالفت کی عمارت کھڑی ہوئی'' (یاس یگانہ چنگیزی از ڈاکٹر راہی معصوم رضا، مطبوعہ شاہین پبلشرز الہ آباد، ۱۹۶۷ صفحہ نمبر ۵۶) سچائی یہ ہے کہ مذکورہ خط مولانا ماجد دریابادی سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا تھا، پھر یہ بھی قابل غور بات ہے کہ یگآنہ کی مولانا ماجد سے کسی بھی زمانے میں نہ دوستی رہی اور نہ دشمنی، بلکہ میرا خیال ہے کہ اڑتا اڑتا تعارف بھی بہ مشکل ہی رہا ہوگا۔ اب اس صورت میں یگآنہ کا ایک 'نجی خط' مولانا دریابادی کو بھجوانے کا کیا جواز ہوسکتا ہے۔ راہی معصوم رضا لکھتے ہیں، ''اگر نیاز فتح پوری نے ایک ذاتی خط کو مولانا دریابادی کے پاس نہ بھیجا ہوتا اور مولانا نے اپنے طویل اداریے میں اس خط کی آڑ لے کر شیعیت پر طنز نہ کیا ہوتا تو شاید یہ شرمناک واقعہ نہ پیش آیا ہوتا جس کے بارے میں مجنوں صاحب (مجنوں گورکھپوری) کا کہنا یہ ہے کہ یہ واقعہ صرف لکھنو میں پیش آسکتا تھا'' (یاس یگانہ چنگیزی از ڈاکٹر راہی معصوم رضا، بحولہ بالا، صفحہ نمبر ۵۸)

سید اعظم حسین اعظم رقم طراز ہیں کہ ''میرزا یگآنہ حیدرآباد کی ملازمت سے ریٹائر ہوکر لکھنو آئے تو کبھی کبھار انہیں دیکھنے سننے کا اتفاق ہوا۔ پھر بھی کوئی سیر حاصل ملاقات اور تبادلہء خیالات کا موقعہ نہیں ملا۔ دو سال ہوئے کہ ان کے خلاف مسلمان پبلک میں ایک ہیجانِ عظیم ہوا اور ایک دن ان کی بری گت بنائی گئی۔ جو تحریریں ان سے منسوب کی گئیں وہ

ضرور قابل اعتراض تھیں مگر مجھے مولوی عبدالماجد دریابادی کا یہ رویہ بھی اچھا معلوم نہیں ہوا کہ انھوں نے ایک پرائیویٹ خط کو اپنے اخبار میں شائع کر کے اس طرح اچھال دیا کہ پبلک قابو سے باہر ہوگئی۔ چنانچہ میں نے اخبار 'روشنی' میں، جو کہ اس وقت میری ادارت میں نکل رہا تھا، اس مسئلے کو زیادہ اہمیت نہیں دی کیوں کہ اس اشتعال انگیزی میں حصہ لینے والے اخبارات میرے نزدیک مولوی عبدالماجد دریابادی صاحب کے آلہء کار بن رہے تھے'' (میرزا یگانہ چنگیزی از سید اعظم حسین اعظم، مطبوعہ مجلّہ 'نقوش' لاہور 'شخصیات نمبر' اکتوبر ۱۹۵۶ صفحہ نمبر ۸۶۶)

اس واقعہ کے پس پردہ کل ملا کر صرف یہی عوامل کا فرما رہے کہ یگانہ سماجی اور معاشی طور پر غیر مستحکم تھے۔ علم کا خزانہ اپنے نزدیک رکھنے والا یہ فنکارِ عظیم ہر دور میں معاشی تنگی کا شکار رہا۔ حکومتِ دکن کے ایک ایسے شعبہ (خرید و فروخت) میں کام کرنے والا یہ سچا آدمی کہ جہاں تنخواہ کے علاوہ 'بالائی' سے ملازم، روساء کی صف میں آجاتے ہیں، اس شریف آدمی نے ایک آنہ بھی کسی سے نہ لیا۔ اور نہایت معمولی مشاہرہ پر ایمانداری سے اپنی ملازمت کا عرصہ مکمل کیا۔ برعکس اس کے، یگانہ کی مخالف صف والے بھی حضرات صاحبِ ثروت تھے۔ عزیز، ثاقب، صفی اینڈ پارٹی۔ راہی معصوم رضا نے ایک دور رس نکتہ بیان کیا ہے، فرماتے ہیں، ''جوشؔ ملیح آبادی کا جلوس کبھی نہیں نکلا حالانکہ وہ خدا کو شبیر حسن خان سے چھوٹا جانتے ہیں (شبیر حسن خاں سے بھی چھوٹا ہے خدا)، 'خدا کا جنازہ لیے جا رہے تھے فرشتے' قسم کی باتیں چپ چاپ سن لی گئیں۔ مولانا دریابادی نے بھی کچھ نہ کہا۔ اردو شاعری سے اس قسم کی صدہا مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ اور اسی لیے جب ہم گالیاں بکتے اور منہ پر تھوکتے ہوئے ایک جلوس میں اڑسٹھ سال کے یگانہ کو ایک رکشہ میں یوں سوار دیکھتے ہیں کہ ان کے منہ پر کالک لگی ہوئی ہے اور ان کے گلے میں پھٹے ہوئے جوتوں کا ہار ہے تو

ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ آخر یہ قصہ کیا ہے؟''(یاس یگانہ چنگیزی از ڈاکٹر راہی معصوم رضا، محولہ بالا، صفحہ نمبر ۵۸)

راہی معصوم رضا کے سوال کا جواب میں اوپر کی سطروں میں درج کر چکا ہوں۔تصوف کے امام تسلیم کیے جانے والے اصغر گونڈوی نے کہا تھا کہ،

شائستۂ صحبت نہیں ان میں کوئی اصغرؔ
ہندو نہیں دیکھا کہ مسلماں نہیں دیکھا

تو کیا مولانا اصغر کے اس شعر سے مسلمانانِ وطن کی تذلیل نہیں ہوتی ہے؟ لیکن کیا کیا جائے کہ لائق ارتکاب صرف یگانہؔ جانے گئے۔اردو والے اگر چہ یگانہؔ جیسے نباض ادب کی زبردست تخلیقی وتنقیدی صلاحیتوں کو ٹھیک ڈھنگ سے کام میں لے آتے تو آج اردو ادب کو یگانہؔ کی ذات سے کئی شہ پارے میسر آ گئے ہوتے۔حیف صد حیف کہ ایسا نہ ہو سکا اور زندگی بھر یہ خلاق ادب وزبان محض معرکہ آرائیوں کی نذر ہو گیا۔بہر حال۔

۵۸) یگانہ بیگم ۴ اپریل ۱۹۵۳ء کو کراچی سے لکھنو پہنچیں جب کہ یگانہ کے ساتھ یہ سنگین واقعہ ۳۱ مارچ ۱۹۵۳ء کو پیش آیا۔غرض کہ جس وقت یہ غیر انسانی حرکت عمل میں آئی، یگانہ لکھنو میں تنہا تھے۔

۵۹) اصل خط انگریزی میں ہے۔یہاں ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔(م)

۶۰) ایضاً

۶۱) شاہ گنج میں واقع پیلا مکان یگانہ کے ہم زلف نثار حسین کی ملکیت تھا۔(اس مجموعے میں شامل مکتوب الیہ اصغر حسین، نثار حسین کے فرزند ہیں)

۶۲) یگانہ کے ساتھ جو روح فرسا حادثہ اس سے قبل پیش آیا تھا، وہی کیا کم تھا جو پھر ایک مرتبہ اہل لکھنو اپنی صدیوں پرانی تہذیب کا گلہ گھونٹنے پر آمادہ ہو گئے۔ایک ۲۷ سالہ

بوڑھے آدمی کو اہلیانِ محلّہ نے اتنا ستایا کہ انہیں قہراً وجبراً گھر چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ تفصیل یگانہ کے اسی خط میں موجود ہے۔ لیکن یہ کہاں کی رواداری ٹھہری کہ ناکردہ گناہ پر ایک معصوم کو غیر واجبی سزا دینے کے بعد بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا جائے۔ ہائے ری شرافتِ لکھنو۔ ہندوستان بھی کیا یاد رکھے گا اس کے دامن میں ایسی تہذیب کے بدنما داغ بھی ہیں۔ مزید یہ کہ اس بوڑھے آدمی کا گھر بھی لوٹ لیا گیا جس میں اردو فارسی کے نایاب مخطوطات شامل تھے۔ ضیا فتح آبادی نے لکھا ہے کہ بعد میں یگانہ کے مملوکہ نایاب دووایِن فارسی لکھنو کے مہذب لٹیروں نے من چاہے داموں پر فروخت کیے۔

۶۳) نقطے اصل کے مطابق ہیں۔ (م)

۶۴) یگانہ بیگم عارضی پرمٹ پر ہندوستان آئی تھیں۔ جس کی مدت ۲ جنوری ۱۹۵۴ء کو ختم ہونے جارہی تھی۔ لیکن یگانہ نے کسی طرح ۱۰ مارچ تک اس کی توسیع حاصل کرلی تھی۔ پھر ۱۰ مارچ کے بعد Over Stay کا مسئلہ درپیش تھا۔ یگانہ چاہتے تھے کہ یگانہ بیگم کا مستقل قیام لکھنو میں رہے۔ اس کے برعکس یگانہ بیگم پاکستان کی شہریت حاصل کرچکی تھیں۔ اب اس عالمِ ضعف میں یہ بڑا پیچیدہ مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ (مکتوب بنام شعلہ مورخہ ۱۳ فروری ۱۹۵۴ء، مخزونہ قومہ عجائب گھر کراچی۔ شعبۂ مخطوطات نمبر شمار این ایم 1963-215/68)

۶۵) نقطے مطابق اصل (م)

۶۶) یہاں کاغذ دریدہ ہونے کی وجہ سے ایک لفظ ضائع ہوگیا۔ (م)

۶۷) یگانہ کی بڑی اور سب سے چہیتی بیٹی حسن بانو عرف بلند اقبال کے شوہر شہریار میرزا عرف شلن صاحب۔ بلند اقبال سے ان کی شادی ۱۹۴۰ء میں لکھنو میں ہوئی۔ شہریار میرزا کا انتقال جولائی ۱۹۸۳ء کراچی میں ہوا۔ بلند اقبال کی اولادیں کراچی ہی میں آباد ہیں اور بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ بلند اقبال کا انتقال مارچ ۲۰۰۰ء میں شہر کراچی میں ہوا۔

۶۸) ایک بہت پرانی مثل ہے۔ جواب تقریباً غیر مستعمل ہے۔ کوئی عجب نہ ہوگا کہ اردو کے نئے قاری اس کا مفہوم بھی نہ جانتے ہوں۔ اسی خیال سے مفہوم درج کیے دیتا ہوں۔ تانت باجی راگ بوجھا۔ تانت سارنگی کے اس رسّی یا دھاگے کو کہتے ہیں جس کے بجنے سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ جیسے ہی تانت بجنے لگتی ہے، لوگ اس کا راگ پہچان لیتے ہیں۔ مفہوم یہ ہوا کہ قرینے ہی سے مطلب پہچان لیا جاتا ہے۔

۶۹) یہ پیراگراف خط میں بعد میں اضافہ کیا گیا ہے۔ (م)

۷۰) اس موقعے پر مجھے یک لخت بھیم سین سحؔر متخلص بہ سرشارؔ سیلانی کا شعر یاد آ گیا۔

اندھیری رات، طوفانی ہوا، ٹوٹی ہوئی کشتی
یہی اسباب کیا کم تھے کہ اس پر ناخدا تم ہو!

تنگیِ معاش، مخالف فضائے لکھنو، ضعفِ جاں، نو بہ نو عوارض، چھوٹی بیٹی کی ناکام شادی، زندگی بھر کا اثاثہ لٹ جانے کا غم اور ان کے علاوہ بھی بیسیوں ناگفتہ بہ پریشانیاں۔ ایسے عالمِ کس مپرسی میں یگانہ بیگم نے یگانہ سے وہ الجھنیں شروع کیں کہ وہ پریشان پریشان ہو اٹھے۔ مشفق خواجہ مرحوم نے لکھا ہے کہ ''بیگم یگانہ کا رویہ تبدیل ہو گیا اور ان کا سلوک یگانہ کے لیے ناقابل برداشت ہو گیا۔۔۔۔ یہ اس بیوی کا رویہ تھا جس کی محبت میں یگانہ زندگی بھر سرشار رہے اور جس کی مدح سرائی انہوں نے اپنی متعدد تحریروں میں کی ہے'' (کلیاتِ یگانہ) اس کی تفصیل یگانہ مکتوب بنام آغا جان مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۵۵ء میں خود یگانہ نے بڑے پرسوز انداز میں درج کی ہے۔ (مذکورہ خط کتابِ ہٰذا میں شامل ہے) یگانہ پیلا مکان شاہ گنج سے اٹھ کر نخاس چلے آئے۔ یہاں شہنشاہ حسین وکیل کا مکان کرایے پر لے لیا۔ اسی مکان کے سامنے مولانا ناصر حسین صاحب کا مکان تھا جن کی خاندانی وجاہت کے پیشِ نظر، یہ گلی ''جناب کی گلی'' کے نام سے مشہور تھی۔ اب یگانہ نخاس میں اور یگانہ بیگم اپنی بہن کے

مکان واقع شاہ گنج میں۔اس عالمِ تنہائی میں یگانہ کم وبیش چھ مہینے پڑے رہے۔ چھ مہینے بعد یگانہ اسی پیلا مکان میں لوٹ آئے۔ معلوم پڑتا ہے کہ یگانہ بیگم کی ناسازیِ طبع کی بناء پر مجبوراً وفا شعار شوہر اپنی بیگم کی محبت میں بغرض تیمارداری لوٹ آیا ہو۔

۷۱)'میرے پاس ہیں' سے مراد لکھنو (ہندوستان) میں ہے۔ چونکہ یگانہ بیگم کے پرمٹ کی آخری تاریخ ۱۰ مارچ ۱۹۵۴ء تھی اور یگانہ کو خدشہ تھا کہ کہیں ۱۰ مارچ کو ہندوستانی پولس یگانہ بیگم کو حراست میں نہ لے لے۔ اسی تناظر میں لکھتے ہیں کہ''۴ مئی تک بھی یگانہ بیگم میرے پاس (لکھنو) ہیں''۔ وگرنہ جس مکان سے یہ خط لکھا گیا وہاں یگانہ تنہا تھے۔

۷۲) یہاں چند لفظ ضائع ہو گئے ہیں۔ (م)

۷۳)''یگانہ آرٹ'' کے عنوان کے تحت، خط کے آخر میں دو رباعیاں لکھی ہیں جو''تخلیقِ ادب شمارہ نمبر ۲''میں غیر مطبوعہ کلام کے تحت شائع کی گئیں۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے یہاں درج کی جاتی ہیں۔

کیا کہیے زمین کتنی ہے زر کتنا ہے
سب کچھ سہی جنجال مگر کتنا ہے
دولت کی ہُونستے ہو! یہ تو دیکھو
دولت کے ساتھ دردِ سر کتنا ہے

☆☆☆

مردانِ خدا کسی کے آگے نہ جھکے
دل شعلۂ غم سے پھک رہا تھا پھُکے
جادہ اپنا ہے اور ارادہ اپنا
دھارا کیا پتھروں پہاڑوں سے رکے

۷۴) یگانہ کمیونسٹ پارٹی کے دارالاشاعت سے شائع شدہ ''گنجینہ'' سے ناخوش تھے۔اسی لیے انہوں نے اپنے مسودات (ManuScripts) شعلہؔ کے پاس بھجوا دیے تھے۔ان کی خواہش تھی کہ مسودات کو آکسفورڈ بھیج دیا جائے تا کہ وہیں سے شائع ہو سکے۔

۷۵) اس کی تفصیل حاشیہ نمبر ۷۰ میں درج کی گئی ہے۔

۷۶) یہ رباعی اور اس سے متعلق حاشیہ نیز خط کی بقیہ عبارت بوجوہ حذف کی گئی۔

۷۷) شعلہ کی اکلوتی بیٹی نرملا کو دو اولادِ نرینہ ہوئیں۔سدھیر اور سمیر (شعلہ زار صفحہ نمبر ۲۹)

۷۸) رسالہ 'ساقی' کراچی میں من موہن تلخ نے اپنے نام آئے ہوئے یگانہؔ کے خطوط قسط وار بالترتیب اپریل ۱۹۵۵ء، جولائی ۱۹۵۵ء و اگست ۱۹۵۵ء شائع کیے۔جولائی اور اگست ۱۹۵۵ء کے شماروں میں شائع قسط دوم و سوم کے تحت یگانہؔ کے ۱۴ مکتوبات بنام تلخ میری تحویل میں ہیں۔تاہم اول قسط (اپریل ۱۹۵۵ء) تا حال عدم موصول ہے۔یہ بھی مل جاوے تو یک مشت کتابِ ہٰذا کی کسی آئندہ اشاعت میں شامل کر لونگا۔ساتھ ہی میکش اکبرآبادی کے نام یگانہؔ کے دو خط مجھے اس وقت حاصل ہوئے جب 'حیاتِ یگانہؔ چنگیزی' کی پروف ریڈنگ مکمل ہو چکی تھی، لہٰذا متذکرہ خطوط بھی کسی ایڈیشن میں شامل کیے جائیں گے۔

۷۹) اس سے قبل یگانہ بیگم کے غیر واجبی رویّے کے متعلق حاشیہ نمبر ۷۰ میں تفصیلات درج کر چکا ہوں۔یگانہ دسمبر ۱۹۵۴ء کو چوکی نخاس سے پیلا مکان بیگم کے پاس لوٹ آئے تھے۔لیکن پھر چار مہینے بھی نہ گزرے تھے کہ یگانہ بیگم نے انھیں بری طرح پریشان کر دیا۔جس میں کچھ دخل یگانہ کے چڑچڑے پن اور اخیر عمر کے اکھڑے مزاج کا بھی تھا (واضح ہو کہ یگانہ کی تنک مزاجی صرف آخری وقتوں میں ہی رہی وگرنہ زندگی بھر ان کی شگفتگی و خندہ مزاجی کی شہادت بڑے بڑوں نے دی ہے) بالآخر جب یہ گھریلو الجھنیں حدِ برداشت سے تجاوز کر گئیں تو یگانہ اپنے عزیز پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب کے گھر ''ادبستان'' میں

قیام پذیر ہو گئے۔ اپنے بڑے بیٹے آغا جان کے نام مکتوب بتاریخ ۲۲ ستمبر ۱۹۵۵ء میں یگانہ لکھتے ہیں ''تمہاری اماں جان نے مجھے اتنا عاجز کیا کہ میں تنگ ہو کر پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب صاحب کے باغ کے ایک حجرے میں آگے چھپر ڈال کر ٹھہر گیا''۔ مئی ۱۹۵۵ء میں یگانہ کی بڑی بیٹی بلند اقبال والد والدہ سے ملنے کراچی سے لکھنو آئی تھیں۔ ۱۴ جون ۱۹۵۵ء کو بلند اقبال واپس ہوئیں اور اگلے ہی دن یگانہ بحالت مجبوری ۱۵ جون ۱۹۵۵ء کو ادیبؔ کے یہاں منتقل ہو گئے۔ ۱۶ جون تا ۹ اگست ۱۹۵۵ء یگانہ ادیب کے گھر مقیم رہے۔ ایک مہینہ چوبیس دن کے قیام میں یگانہ بیماری سے بری طرح پریشان رہے۔

۸۰) یگانہ نے اپنے مکتوب بنام آغا جان بتاریخ ۲۲ ستمبر ۱۹۵۵ء میں لکھا ہے کہ ''شہر میں سجاد حسین کی بیوی کراچی جانے لگیں تو تمہاری اماں بھی اٹھ کھڑی ہوئیں اور ہمیشہ کے لیے مجھے تنہا چھوڑ گئیں۔ اس سن میں ایسے مریض کو مارنا چاہا کہ پانی دینے والا بھی ہو۔ بار بار فرماتی تھیں کہ اب مزہ مل جائیگا تنہائی کا۔ نہایت کرب و ایذا میں ہوں۔'' جس بیوی کے مستقل قیام کے لیے یگانہ نے ہزار نوع کی پریشانیاں جھیلیں، کئی لوگوں کے احسان اٹھائے، کئی خط و کتابت کی، اسی بیوی نے اپنے ۷۳ سالہ بیمار شوہر کا ساتھ چھوڑ دیا۔ نہ جانے ایسی کیا صورتِ حالات بنی کہ یگانہ بیگم ایسی حالت میں یگانہ کو چھوڑ گئیں کہ جب دشمن بھی ساتھ نبھا دیتا ہے۔ یگانہ نے غالباً ایسے ہی کسی موقعے کے لیے یہ نہایت عمدہ شعر کہہ رکھا ہو،

نگاہِ واپسیں ! ایسا نظارہ پھر کہاں ممکن
تمام احباب کا بالیں سے ایک اک کر کے ٹل جانا

بابِ دوم

بنام مولوی ضیاء احمد بدایونی

(۱)

اردو محلہ، اٹاوہ

۱۲/دسمبر ۱۹۲۴ء

مکرمی تسلیم!

نوازش نامہ صادر ہوا۔ ممنون توجہات فرمایا۔ غنیمت ہے کہ ملک کے کچھ علم دوست احباب کم سے کم زبان ہی سے میری حوصلہ افزائی فرماتے رہتے ہیں اور میرے اندازِ سخن کو پسند فرماتے ہیں۔ مگر حقیقت امر یہ ہے کہ اس مذاق سخن کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے کافی وقت کی ضرورت ہے۔ اس اندازِ سخن کی نشو نما دفعتہً نہیں ہو سکتی۔ لکھنؤ نے تو میری وہ قدر کی کہ سبحان اللہ۔ غلیظ گالیاں، ناپاک ہجویں، آبروریزی کی فکریں، جھوٹی اور مجرمانہ افتراپردازیاں میرے لئے جائز ہی نہیں بلکہ فرض سمجھ لی گئیں۔ یہی نہیں بلکہ میری روزی پر حملہ کر کے مجھے پریشان روزگار بنا کر کلیجہ ٹھنڈا کیا۔ تنگدستی کے ہاتھوں مجھے اپنی عمر بھر کا سرمایہ یعنی کتب خانہ تک کوڑیوں کے مول بیچ کر سر بصحرا ہونا پڑا۔ بال بچوں کو لے کر لکھنؤ سے نکل کھڑا ہوا اور اٹاوہ میں زندگی کے دن گزار رہا ہوں۔ اب مولانا صفؔی، عزیزؔ، محشرؔ، ثاقبؔ، ناصریؔ، ناطقؔ، قتیلؔ، وغیرہم کی دلی مسرتوں کا کیا پوچھنا۔ واللہ ان ناعاقبت اندیش

لکھنویوں نے اپنا نامۂ اعمال کس قدر سیاہ کرلیا ہے۔ بیرونجات کے جو لوگ ان لکھنویوں کے زیر اثر اور ان کے دام فریب میں مبتلا ہیں وہ میری طرف سے کیسی کیسی غلط فہمیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ کاش میری سوانح عمری کا صحیح مرقع اہل وطن کے سامنے پیش ہوتا۔ اگر میری سوانح عمری صحیح طور پر نہ لکھی گئی تو اردو کی ادبی تاریخ پر نہیں کہہ سکتا کہ کتنا بڑا ظلم ہوگا۔

ملک میں قدردان تو میرے بھی ہیں مگر کسی کو یہ غور کرنے کی مہلت نہیں ہے کہ یاسؔ عظیم آبادی کے لیل و نہار کیونکر گزرتے ہیں اور یہ غریب کتنی تلخ و پُر آشوب اور کتنی ذلیل و حقیر زندگی بسر کر رہا ہے۔

بندہ نواز میں اردو لٹریچر کے لئے اک خاص مشن رکھتا ہوں۔ مگر افسوس صد افسوس کہ اپنے مشن اپنے پیغام کو اہل وطن تک پہونچا (پہنچا) نہیں سکتا۔

زمانۂ دراز سے دلی تمنا یہ ہے کہ اک ماہانہ رسالہ جاری کروں [1] اور اس کے ذریعے سے آزادانہ طور پر اپنا مشن ملک کے سامنے پیش کروں۔ مگر جسے روٹیوں کے بھی لالے پڑ گئے ہوں [2]، جو فکر معاش میں دوسروں کی نوکری اور غلامی کرنے پر مجبور ہو جائے اور پھر بھی ذلیل سے ذلیل جگہ بھی حاصل نہ کر سکے۔ وہ غریب اپنے ادبی مشن میں کیونکر کامیاب ہو سکتا ہے۔

میرے احباب و شناسا ملک میں اتنے موجود ہیں کہ اگر ایک ایک روپیہ ماہوار کا بھی بار اٹھالیں تو میں ایک ماہانہ رسالہ نکال سکتا ہوں مگر افسوس ہے کہ کسی کو اتنی توفیق نہیں ہوتی جو مجھ سے ادبی خدمت لینے کی فکر کرے۔ میرا ارادہ ہے کہ اس اسکیم کو پھر اک بار اپنے احباب قدردان کے سامنے پیش کروں۔ اگر ۱۹۲۵ء سے میں کوئی رسالہ جاری کر سکا تو خیر ورنہ پھر میرے مستقبل کی تاریکی مجھے زندہ درگور بنا دے گی۔

ابولمعانی مرزا یاسؔ عظیم آبادی

بنام دلؔ شاہ جہاں پوری

(۱)

لاتور دکن

۲۳ر ستمبر ۱۹۳۳

شفیقی و مخلصی حضرت دلؔ السلام علیکم۔

آپ کا عطیہ ''نغمہء دل'' پہنچا۔ شکریہ۔ جہاں تک آپ کے کلام کا تعلق ہے میں نے غور سے پڑھا۔ نیاز فتح پوری اور عزیزؔ لکھنوی نے جو کچھ آپ کے متعلق لکھا ہے۔ میں اُسے پڑھنا نہیں چاہتا۔ آپ سمجھ گئے ہوں گے کیوں؟ میں آپ کی نسبت خود ذاتی رائے رکھتا ہوں۔ تقریباً بیس سال سے آپ کی خدمت میں نیاز حاصل ہے اگر چہ انقلابِ روزگار نے مجھے آپ سے بہت دور کر دیا ہے۔ میں کہیں آپ کہیں۔ بہت دنوں سے آپ کا دیدار بھی نہیں ہوا مگر آج سے بیس سال قبل جو رائے میں نے آپ کے متعلق قائم کی تھی اس میں اب تک کوئی تغیر نہیں ہوا۔ آپ کے سنجیدہ کلام اور آپ کے معصومانہ کیریکٹر کا جب بھی معترف تھا اور اب بھی ہوں۔

منشی امیر احمؔد صاحب مینائیؒ کے سلسلہ میں میںؔ آپ کو معتبر سخنور جانتا ہوں۔ یہ صحیح ہے کہ آپ کے استاد بھائی حضرت ریاضؔ خیر آبادی کو ملک میں علی العموم زیادہ شہرت اور

مقبولیت حاصل ہے مگر کلام کی فقط شوخی ہی نہیں سنجیدگی اور متانت بھی بجائے خود بڑی چیز ہے۔اور یہی آپ کی خصوصیت ہے مگر فطرت عامہؔ کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ شوخی اور چلبلے پن کے آگے سادگی وسنجیدگی ومتانت کی گرم بازاری ہونہیں سکتی۔مثال کے طور پر آپ کی ایک غزل پیش کرتا ہوں۔

یہ شرح غم ہے یہ انجام نالۂ سحری
کہ چھاگئی میرے ظلمت کدے پہ بےاثری
بنے گا قصۂ عبرت کسی زمانے میں
فضا میں گونج رہا تھا ترانۂ سحری
عجیب راز ہے ناکامیِ نگاہ کلیم
قصور دید کہیں یا کمالِ جلوہ گری
سمجھ رہا ہوں تقاضائے عشق نالوں کو
نہ امتیاز اثر ہے نہ حسِ بے اثری
گداز دل کو نہ مخلوط اشک ہونا تھا
ہوئی ہے راز محبت کی آج پردہ دری
خیال وخواب ہوا رخصت بہر کے بعد
وہ انبساط عنادل وہ نغمہ ء سحری

جزاک اللہ یہ ہے نغمہ ءدل جو ہم ایسے کافروں کو بھی غرق سوز وگداز کئے بغیر نہ رہا۔مگر نقار خانے میں اس نغمے کو کون سنے گا؟

میرزا یگانہ چنگیزی لکھنوی

سب رجسٹرار

(۲)

سیلو (دکن)

۱۷ر مئی ۱۹۳۸ء

شفیق و مخلص دیرینہ زاد لطفکم۔ سلام شوق

رہ نمائے تعلیم لاہور کے مئی نمبر میں آپ کی غزل کا ایک شعر دیکھ کر مجھے آپ کی خدمت میں نیاز نامہ لکھنے کا خیال پیدا ہوا تھا۔ مگر پھر بھول گیا۔ واضح رہے کہ رسالۂ مذکور کا مئی نمبر ایک ماہ قبل پہنچ چکا تھا۔ خیر آج اتفاق سے ایک شعر موزوں ہوگیا تو آپ پھر یاد آئے۔

خدا کے بعد بھروسہ ہے حضرتِ دل کا
خدانخواستہ شک ایسے دوست پر گزرے
نکالے عیب میں سو حسن، حسن میں سو عیب
خیال ہی تو ہے جیسا بندھے جدھر گزرے

ساری کائنات کی جان یہی دل تو ہے۔ یہ دل کی قدر و منزلت شاید اس حد تک ان لفظوں میں کسی نے بیان نہ کی ہوگی۔ یوں تو دل کی مدح اور قدح میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔

حسن اتفاق سے میرا یہ شعر اس دل پر بھی صادق آتا ہے۔ جو میرے پہلو میں ہے اور اس دلؔ پر بھی جو مجھ سے ہزار میل کے فاصلے پر ہے۔ خلوص و محبت کے اعتبار سے کوئی شک نہیں کیا جاسکتا خیر آمدم بر سر مطالب۔

فضا میکش صبا میکش نگہہ ساقی کی خود میکش
رہیں گی تشنۂ بادہ مری انگڑائیاں کب تک (دل)

اس میں شک نہیں شعر نہایت کیف انگیز ہے حضرت جوشؔ ملسیانی نے جو نوٹ لکھا ہے۔ حق بجانب ہے۔ مگر یہاں ایک لفظی بحث بھی قابل توجہ نظر آتی ہے۔ چونکہ آپ میرے ساتھ کے کہنے والوں میں ہیں زمانۂ حال کے مادر زاد شاعروں میں نہیں ہیں اور میرے مخلصین میں ہیں لہٰذا اُس خلوص و محبت کی بنا پر جس طرح مجھے اپنی آزاد رائے ظاہر کرنے کا حق حاصل ہے اسی طرح آپ کو میرے رائے سے اختلاف کا حق حاصل ہے۔ مجھے یہ پوچھنا ہے کہ فضا میکش صباء میکش جو آپ نے فرمایا ہے یہ آپ کی سوچی سمجھی ہوئی عبارت ہے یا جگرؔ، جوشؔ جیسے اشخاص کے کلام سے متاثر ہو کر کہہ گئے ہیں۔ میں نے جگر کے مندرجہ ذیل شعر پر ایک موقع پر اپنا خیال ظاہر کیا تھا۔ آپ کے سامنے پیش کئے دیتا ہوں اس سے کہیں آپ یہ نتیجہ نہ نکال لیں کہ جگر مراد آبادی کے لئے جن الفاظ سے میں نے کام لیا وہی آپ کے لئے کہوں گا۔

شباب میکش جمال میکش خیال میکش نگاہ میکش
خبر وہ رکھیں گے کیا کسی کی انھیں خود اپنی خبر نہیں ہے

خوش گوئی اور خوش گلوئی اور بات ہے صاحبِ فن ہونا اور بات ہے۔ الفاظ کی قطار اتنی لمبی اور معنویت کے اعتبار سے عامیانہ۔ کس بوتے پر ایسے لوگ اربابِ ادب میں شمار کئے جا سکتے ہیں۔ جو یہ نہیں جانتے کہ مست کس محل پر آتا ہے۔ اور میکش، مے نوش، میخوار کس محل پر۔ مترادف الفاظ کے مختلف محل ہوتے ہیں اس شعر میں جگر نے مست کی بجائے میکش کہہ دیا۔ لکھنؤ کا کوئی جاہل بھی سنے تو ہنس پڑے۔

خواجہ آتشؔ فرماتے ہیں،

مے کدے میں نشہ کی عینک دکھاتی ہے مجھے
آسماں مست و زمیں مست و در و دیوار مست (آتش)

یہ ہے صرف بامحل۔ جگر کا ایک اور شعر،

شیشہ مست و بادہ مست و حسن مست و عشق مست

آ ج پینے کا مزہ پی کر بہک جانے میں ہے

یہ ہے صرف بامحل یہاں شیشہ، بادہ، میکش کہا جاتا تو کتنا لغو معلوم ہوگا۔ وہ شاعر ہی کیا جو الفاظ مترادف میں فرق و امتیاز نہ کر سکے۔ خون اور لہو دونوں اردو میں ہم معنی ہے تو کیا کوئی اردو بولنے والا (جاہل ہو یا پڑھا لکھا) بلا لحاظ جہاں چاہے خون کی جگہ لہو کہدے۔ مثلاً فلاں شخص کئی خون کر چکا ہے۔ تو اس جگہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ فلاں شخص کئی لہو کر چکا ہے؟ مثلاً امیدوں کا خون ہو گیا۔ کیا کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ امیدوں کا لہو ہو گیا۔ محمود شراب میں مست رہتا ہے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ محمود شراب میں میکش رہتا ہے۔

میرے پیارے دل بُرا نہ ماننا۔ یہ میں نے اپنی ذاتی رائے ظاہر کر دی ہے۔ آپ کو بھی اپنی رائے قائم رہنے کا حق حاصل ہے۔[۳]

خاکسار

میرزا یگانہ چنگیزی لکھنوی

(۳)

سیلود کن

۲۸ ر جولائی ۱۹۳۸ء

مجی و مخلصی زاد لطفکم سلام شوق

محبت نامہ مورخہ۔۔۔ صادر ہوا۔ کوئی دو مہینے ہوئے دو عنایت نامے پہنچے تھے۔ مگر جواب دینے سے معذور رہا کیونکہ مسلسل کئی ہفتہ تک شدت نزلہ کھانسی بخار سے پریشان رہا اور پھر الجھنوں میں پھنس گیا۔ آپ کے اصل شعر

فضا میکش، صبا میکش نگہہ ساقی کی خود میکش

رہیں گی تشنہ بادہ مری انگڑائیاں کب تک

میں نے جو خیال ظاہر کیا تھا وہی میرے نزدیک صحیح ہے یعنی مست کے جگہ میکش اس مقام پر درست نہیں آپ کا یہ فرمانا کہ ''میں مستی کا طالب نہیں ہوں جو نتیجۂ میکشی ہے بلکہ مجرد میکشی مقصود ہے'' آپ جیسے شخص کے لئے مناسب نہیں کیوں کہ اس میں اور قباحت پیدا ہو جاتی ہے فضا یا صبا یا نگاہِ ساقی کو مست کہتے ہیں۔ ورنہ واقعیت کے لحاظ سے نہ صبا میکش نہ فضا میکش نہ نگاہ ساقی۔ آپ خود غور فرمائیں مست کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے جو فی الواقع پیئے ہوئے ہو اور اس پر بھی جو بے پئے مست ہو، مگر میکش وہی ہے جو پیتا ہو۔

اے صبا ساتھ چلے گی مری بربادیٔ دل

کوچۂ یار کو جانا تو یہاں ہو جانا

مولانا عبدالسلام ندوی نے اگر آپ کے اس شعر پر اعتراض کیا ہے کہ اس مقام پر ہوتی جانا کہنا چاہیے تھا یہ کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بیشک روز مرہ تو ہے ادھر بھی ہوتے جانا، مگر ہو جانا بھی تو روز مرہ ہی ہے فرق یہ ہے کہ ہوتے جانا میں کسی قدر زور زیادہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے مولانا کو شعر و سخن سے کوئی ربط نہیں ہے اگر اردو دواوین کا مطالعہ کیا ہوتا تو ایسا شبہ نہ فرماتے۔

وہ فرماتے ہیں کہ یہاں ہوتے جانا ہونا چاہیے میں کہتا ہوں کہ ادھر ہو لینا بھی کہہ سکتے ہیں یہ بھی روز مرہ ہے، وہ بھی صحیح ہے یہ بھی صحیح اور آپ نے جو کہا ہے وہ بھی صحیح ہے میرے نزدیک اس میں زبان کوئی سقم نہیں ہے۔

خاکسار

میرازا یگانہ چنگیزی لکھنوی

سب رجسٹرار

بنام حکیم راغبؔ مرادآبادی

(۱)

یادگیر (دکن)

۲۸ / اگست ۱۹۴۱

کرم فرمائے بندہ دامت الطافکم۔ تسلیمات

نوازش نامہ صادر ہوا۔ یہ ضرور ہے کہ آپ کو میری خیریت دریافت کرنے کی فکر لگی رہتی ہے مگر میں اب کچھ ایسا بے پروا اور کاہل ہو گیا ہوں کہ کبھی کوئی مخلص یاد بھی کرتا ہے تو جواب خط سے محروم رہتا ہے، میں جانتا ہوں کہ خط کا جواب نہ پا کر آپ کو کتنی تکلیف ہوتی ہوگی مگر میں کیا کروں مزاج کا رنگ کچھ ایسا بدل گیا ہے کہ بعض اوقات خود اپنے اوپر ہنسی آتی ہے۔ بات یہ ہے کہ اب میں کسی کو ایسا نہیں پاتا جسے اپنا حریف سمجھ سکوں۔ حریف کوئی نہ رہا تو میں بھی ٹھنڈا پڑ گیا۔ دوستوں کی دوستی مجھے ابھار نہیں سکتی۔ البتہ حریفوں کی چوٹیں میرے دل کو گرماتی رہتی تھیں مگر اب وہ باتیں خواب وخیال ہو گئیں۔

نہ جانے بہتے پھریں گے کدھر یہ دشمن دوست
بڑھا تو دل ہے وہ دریا کہ وار پار نہیں!

زندگی کے تجربوں نے نگاہ میں رفتہ رفتہ اتنی وسعت پیدا کر دی کہ دوست دشمن ہیچ ہو گئے۔ اسی غزل کا مقطع ہے،

یگانؔہ میر وہی ہے جو پہلے مار چلے
جو ٹھن گئی ہے تو اب تاب انتظار نہیں

مگراب کوئی حریف نہ رہا تو میں بھی وہ نہ رہا جو پہلے تھا۔ پٹیالہ کا تحفہ پہنچا، شکریہ۔ مگر رنگین ازار بند میرے کس کام کے؟

خیر اندیش

میرزا یگانہ چنگیزی لکھنوی

(۲)

۲۶/ اکتوبر ۱۹۴۱ء

عزیزی و شفیقی زاد لطفکم

بعد سلام و دعائے شوق واضح ہو کہ عید کی مبارک باد پہنچی خدا آپ کو بھی مبارک کرے۔ میں بحمد اللہ اچھا ہوں۔ ہاں مجھے اس امر کا اندازہ ہو چکا ہے کہ آپ کو مجھ سے اک تعلق خاطر اور میری صحت کا خیال رہتا ہے بعض دوستوں کا خیال اور مجھے بھی کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی کچھ دنوں اور مجھے زندہ رہنا ہے۔ واللہ اعلم۔

اس سے پہلے آپ کا اک عنایت نامہ مورخہ ۷/ اکتوبر ملا تھا۔ جس میں اپنے اک برادر اور عزیز کی رحلت کا ذکر فرمایا تھا۔ خدا آپ کو اور مرحوم کے دیگر اعزاء کو صبرِ جمیل کرامت فرمائے۔

میرے اک شعر کا (نہ جانے بہتے پھریں گے کدھر یہ دشمن و دوست۔ بڑھا تو دل ہے وہ دریا کے وار پار نہیں) آپ نے خاص اثر لیا ہے۔ اس سے آپ کی صحت مذاق کا پتہ

چلتا ہے۔تنگ وتاریک ماحول سے جب انسان نکل کر فضائے بسیط میں پہونچتا (پہنچتا) ہے تو اس کی نگاہ میں دنیا اتنی وسیع ہو جاتی ہے کہ دشمن کی دشمنی تو کیا نام نہاد دوستوں کی دوستی نظر میں نہیں سماتی۔اس وقت دریا دلی کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے۔اس مفہوم کو ایسی ٹھیٹھ اردو میں اب تک کس نے بیان نہیں کیا۔وہی معمولی سا روزمرہ "وار پار" جسے ہر کس و ناکس بولتا ہے یہاں الہامی زبان بن گیا ہے۔

اردو کے ٹھیٹھ الفاظ میں بڑی وسعت بڑے امکانات ہیں جن سے اب تک کسی نے وہ کام نہیں لیا جو یگانؔہ نے۔کام لیا تو کجا اب تک ان امکانات کو کسی نے سمجھا ہی نہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ غالبؔ دیوزاد زبان ٹھیٹھ اردو کے امکانات پر غور کرنے کا موقع ہی نہیں دیتی، جو فیشن چل پڑا ہے۔

مجھے یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ آپ نے اس نکتہ کو سمجھ لیا، خدا آپ کو خوش رکھے۔

میرزا یگانہ چنگیزی لکھنوی

بنام مولوی رفیق احمد بدایونی

غوری منزل، حیدر گوڑہ

حیدر آباد دکن

۲۰/جولائی ۱۹۴۵ء

کرم فرمائے بندہ

سلام علیکم

عنایت نامہ مورخہ ۵/جولائی ۴۵ء ادھر اُدھر بھٹکتا ہوا ۱۸/جولائی کو مجھے ملا۔ یاد آوری کا شکریہ۔ آپ ''ترقی پسند'' غداروں کے دورِ تخریب میں فن شعر و سخن کے بارے میں مجھ سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ جبکہ میں بوجوہاتِ چند در چند اس فن سے بیگانہ اور کنارہ کش ہو چکا ہوں۔

خیر آپ نے یاد فرمایا تو اخلاقاً جواب دینا ضروری ہے۔ امین الادب کے مطبوعہ اوراق پر میں نے اپنی رائے لکھ دی ہے۔ دو مصرعوں کے بارے میں مزید تفریح کی ضرورت ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

کتنے غازی ہیں آج بے وضو بے نماز

موج بوئے گُل نہیں جنبشِ مضراب ہے

یہ دونوں مصرعے بحرِ منسرخ مطوی موقوف سے (مفتعلن فاعلات مفتعلن فاعلات) خارج ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان مصرعوں میں (بُو اور وُضو) کے واو کا اشباع، کھینچ کر

پڑھنا ضروری ہے۔ بحر کے ارکان (مفتعلن فاعلات) تو یہ چاہتے ہیں کہ 'بے وضو' کی تقطیع مفتعلن پر ہو بے وَض ع (مُفتَعِلُن) مگر لفظ وضو چاہتا ہے کہ اُس کی تقطیع فاعلاتن پر ہو بے وَضُو ع (فاعلاتن) یعنی واو کا اشباع ضروری ہے۔ چونکہ مفتعلن پر تقطیع کرنے سے واو کا اشباع ممکن نہیں لہٰذا یہ مصرع بحرِ منسرخ سے خارج ہے۔

اسی طرح موج بوئے میں بُو کے واو کا اشباع ضروری ہے مگر مَو جِ بُ ءِ (مفتعلن) پر تقطیع کی جائے تو بُو کا واوٗ ساقط ہوتا ہے۔ البتہ موجِ بُو ءِ (فاعلاتن) پر ٹھیک آتا ہے لہٰذا یہ مصرع بھی بحرِ منسرخ سے خارج ہے۔

یہ تو جواب تھا مگر کچھ اور بھی عرض کر دوں۔ فرض کیجئے 'مَو جِ بُو' کی جگہ مَو جِ غم ہوتا تو اُس صورت میں موجِ غم کی تقطیع بروزن (مفتعلن) بالکل ٹھیک ہوتی۔ آخر یہ کیوں کہ موجِ غم کی تقطیع مفتعلن پر ٹھیک ہو اور موجِ بو کی غلط۔ ہاں وجہ یہ ہے کہ غم کی میم حرف صحیح ہے اور بُو کا واوٗ ہے حرفِ علت۔ اس کے ساتھ اشباع کا جھگڑا ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ موجِ بُو ءِ کی تقطیع فاعلاتن پر ہوگی مفتعلن پر نہیں ہو سکتی۔ اور موج غم کی تقطیع 'مفتعلن' پر ہوگی۔ فاعلاتن پر نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ بُو بھی کلمہ دو حرفی ہے اور غم بھی۔ اچھا یہ بھی عرض کر دوں کہ واوٗ کا اشباع کن صورتوں میں ضروری ہے اور کب غیر ضروری۔ کلمہ دو حرفی اور کلمہ سہ حرفی کے آخر میں واوٗ ہو تو اس کا اشباع ضروری ہوگا۔ کلمہ چار حرفی کے آخر میں واوٗ ہو تو ایسے واوٗ کا اشباع ضروری نہیں ہے اختیاری ہے۔

کلمۂ دو حرفی۔ بُو۔ رُو۔ جُو۔ خُو۔ گُو۔ مُو۔ (جستجو۔ گفتگو میں بھی جُو اور گُو او[ر دو] حرفی ہی مانے جاتے ہیں) وغیرہ میں اشباع ضروری ہے۔ جیسے بوئے گل (فاعلن)۔ روئے دوست (فاعلات)۔ خوئے بد (فاعلن)۔ گفتگوئے بے معنی (فاعلن مفاعیلن)۔ جستجوئے بے حاصل (فاعلن مفاعیلن)

کلمۂ سہ حرفی ۔نمو۔گلو۔خلو۔سبو۔کدو۔وغیرہ میں بھی اشباع ضروری ہے۔ سبوئے مے (مفاعلن)۔گلوئے شیشہ (فعول فعلن)۔

کلمۂ چہار حرفی ۔آہو۔ بازو۔ جادو۔ زانو۔ پہلو۔ وغیرہ میں اشباع ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ۔جیسے پہلوِ دل (مُفتَعلُن) پہلوئے دل (مستفعِلن) بازوِ شل (مفتالن) بازوئے شل (مستفعلن)

یہاں تو واؤ کے اشباع (بصوتِ اضافت) کی بحث تھی ۔مگر الف وصل اور اب واؤ عطف سے جب اس قسم کے الفاظ ملتے ہیں تو اس وقت بھی واؤ کے اشباع کے متعلق یہی قاعدہ عمل کرتا ہے ۔جس کی تفصیل بیان کرنے کی مجھے اس وقت فرصت نہیں ۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

میرزا یگانہ چنگیزی لکھنوی

پروفیسر ضیاء احمد صاحب بدایونی کو میرا سلام پہنچا دیجئے ۔کیا آپ سے اُن کا کوئی رشتہ ہے؟

بنام مالک رام

(۱)

حیدرآباد دکن

۱۶/جولائی ۱۹۴۶ء

میرے پیارے دوست خدا آپ کو خوش رکھے۔

اچانک آپ کا مکتوب پا کر لاہور کی گزشتہ صحبتیں یاد آ گئیں۔ کس قدر مسرت ہوئی کہ آپ سے اتنی دور رہ کر بھی میں آپ سے قریب ہوں۔ یہی حاصل ہے میری شاعری کا۔ اس سے بڑھ کر کوئی صلہ نہیں۔ ''زمانہ'' میں آیاتِ وجدانی پر آپ کا تبصرہ نظر سے گزرا تھا۔ غالباً ۳۸ء میں۔ اُسی زمانے میں میں نے آپ کو غالباً جالندھر کے پتے سے خط بھی لکھا تھا۔ مگر آپ کا کچھ پتہ نہ چلا۔ اب معلوم ہوا کہ آپ ۳۹ء سے اسکندریہ میں ہیں۔ اگر آپ زمانۂ قریب میں ہندوستان آ جائیں اور میں مہینہ دو مہینے میں لکھنؤ پہنچ جاؤں تو پھر ایک بار ملاقات ہو جائے۔ آج چوتھا سال ہے۔ کہ میں عمر ۵۵ سالہ کو پہنچ کر خدمت سے سبکدوش ہو چکا ہوں۔ آمدنی کے ذرائع سب بند ہو گئے۔ اگر دوارکا داس شعلہؔ نے میری خبر نہ لی ہوتی، تو خدا جانے میری فیملی کا کیا حال ہوتا اور کتنی رسوائی ہوتی۔ حیدرآباد میں بعض بعض حکام سے مجھ سے بھی شناسائی ہے۔ مگر یہ لوگ سب بس تھوڑی بہت میری شاعری ہی کی

تعریف کردیا کرتے ہیں۔ کسی کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ اس بات پر غور کرتا کہ یگانہ آخر زندہ کیونکر ہے۔ حالانکہ توجہ کرتے تو کوئی نہ کوئی وظیفہ یا معاش کی صورت پیدا ہوسکتی تھی۔ خیر خدا شعلہ کو زندہ اور خوش رکھے کہ جنوری ۴۳ء سے وہی میرا کفیل ہے۔

میرزا آغا جان کی طرف سے تسلیم قبول کیجیے۔ وہ تین چار سال سے میرے ہی پاس دکن میں تھے۔ اور ایک جگہ بھی مل گئی تھی معمولی سی۔ مگر چونکہ اب یہاں سے وہ گھبرا گئے تھے۔ بمبئی چلے گئے وہاں سید ذوالفقار علی شاہ بخاری نے ان کو آل انڈیا ریڈیو بمبئی میں اناؤنسر مقرر کردیا ہے۔ خیر غنیمت ہے بخاری کی مہربانی ہے۔

میری آیاتِ وجدانی (جدید) جس میں دورِ آخر کا کلام بھی شریک ہے۔ زیرِ طبع ہے۔ پریس نے بہت دیر لگادی ورنہ اب تک میں لکھنؤ پہنچ چکا ہوتا۔ خیر اب غالباً دو مہینے کے اندر میں لکھنؤ روانہ ہو جاؤں گا۔ وہاں میرا پتہ یہ ہوگا۔

میرزا یگانہ چنگیزی
سلطان بہادر روڈ
لکھنؤ

آخری غزل

ارے واہ! صلح ہوئی تو کیا، وہی آگ دل میں بھری رہی
وہی خُو رہی، وہی بُو رہی، وہی فطرتِ بشری رہی
وہی نیستی، وہی شامتیں، تو کہاں کی عید، کہاں کی دید
شبِ غم کی صبح ہوئی تو کیا، وہی غفلتِ سحری رہی
یہ بلائے حُسن کہاں نہیں، مگر اپنے واسطے کچھ نہیں ۵
تمھیں کیا بتائیں، نظر کے ساتھ جو زحمتِ نظری رہی

نگہِ کرم کا سوال کیا ، ہے عتاب کی بھی خبر نہیں
ترے سنگِ در پہ جبینِ شوق ، دھری رہی ' سو دھری رہی
نہ خداؤں کا نہ خدا کا ڈر ، اسے عیب جانیئے یا ہنر
وہی بات آئی زبان پر ، جو نظر پہ چڑھ کے کھری رہی
کوئی رازِ دردِ چھپائے کیا ، کہ یہ دردِ دل ہے بُری بلا
دَمِ واپسیں بھی ، زبان کو وہی فکرِ پردہ دری رہی
کوئی چشمِ شوق کے سامنے ہو ، تو سوجھتی ہے نئی نئی
تیرے دم قدم کی بہار تھی ، کہ طبیعت اپنی ہری رہی
کوئی میری آنکھ سے دیکھتا ، وہ زوالِ دولتِ رنگ و بو
کہ بہارِ حسن کی شام کو بھی عجیب جلوہ گری رہی
کوئی آرزو تھی چھپی ہوئی ، کوئی اقتضا تھا دبا ہوا
دلِ مضطرب میں جبھی تو اک ، خلشِ شکستہ پری رہی
وہ گناہگار ہمیں تو ہیں ، کہ جمال پاک کے سامنے
نظر اُٹھتے اُٹھتے جھپک گئی ، ہوسِ گناہ دھری رہی
عجب اتفاق ، بھڑک اٹھی وہ نشے میں دوست کی دشمنی !
ارے اس حقیقتِ تلخ سے مجھے کیوں نہ بے خبری رہی
یہ وہ دل ہے ، جس میں سوائے حق کوئی دوسرا ہے نہ تیسرا
وہی ایک ذاتِ یگانہ بس ، وہی ایک جلوہ گری رہی

میرزا یگانہ چنگیزی لکھنوی

(۲)

سلطان بہادر روڈ

کاظمین، لکھنؤ

۵؍جنوری 1951

شفیق و مخلصی زاد لطفکم۔ سلام شوق

آپ کا محبت نامہ مورخہ ۱۷؍دسمبر ۱۹۵۰ء بغداد (عراق) جس پر مہر نئی دہلی ۲۷؍دسمبر ۱۹۵۰ لگی ہوئی ہے مجھے ۲۸؍دسمبر کو ملا۔ خدا آپ کو خوش رکھے آپ نے ہمیشہ مجھ کو یاد رکھا۔ میں کیونکر آپ کو بھول سکتا ہوں میں بحمداللہ اچھا ہوں مگر اس سن میں (۶۷ یا ۶۹) جو شکایتیں پیدا ہوجاتی ہیں۔ وہ مجھ میں بھی پیدا ہوگئی ہیں۔ ناتوانی۔ کھانسی کی شدت اور حالات سخت سے سخت تر ہوتے گئے اور ہوتے جاتے ہیں۔ جب تک تابِ مقابلہ باقی ہے مقابلہ کرتا رہوں گا۔ خدا کا شکر ہے اپنے اصول اپنے مقام سے نہ ہٹا۔ ۲۵؍دسمبر کو یکا یک جوشؔ ملنے آئے دہلی سے۔ انہوں نے بھی داد دی کہ زمانہ کا مقابلہ کیا ڈٹ کے کیا۔ ہاں داد تو مل گئی۔ مگر اس مادّی زندگی کی تلخیوں کا علاج تو ہوتا نہیں وہ تو پیسے ہی سے ممکن ہے اور پیسہ پیدا کرنے کی فکر کبھی ہوئی نہیں۔ پیسہ پیدا کرنے کے لئے پیدا ہی نہیں ہوئے۔ خیر جو ہوا سو ہوا۔

I GAVE MY BEST TO THE MANKIND.

میرزا یگانہؔ

میں اُسی مکان میں رہتا ہو جہاں آپ ۴۷ء میں مجھ سے ملے تھے۔ خط کتابت کا سلسلہ ضرور قائم رکھئے گا۔ یگانہؔ

حسبِ حال(QUOTATION)

"INSPITE OF THE LIFE-LONG ADVERSITY HE (YAGANA) WAS A FREEMAN THROUGH OUT.BUT THE DIGNITY OF A FREEMAN LIKE HIM WAS NOT NEEDED IN THE SOCIETY.THE PEOPLE ALWAYS EXPECTED OF HIM A SORT OF SERVILITY OR SUBSERVIENCE WICH IS UNWORTHY OF A GENIUS."

(یگانہ آرٹ)

(الف)

بننے کی ہوس میں کوئی اتنا نہ بنے
ہستی نہ بگڑ جائے تماشا نہ بنے
گوہر نہ سہی ، قطرۂ ناچیز سہی
انسان انسان رہے، فرشتہ نہ بنے!

(ب)

کچھ کام کرو، کہ چارۂ غم ہے یہی
زخمِ دلِ ناکام کا مرہم ہے یہی
اللہ سے لو لگائے بیٹھے کیا ہو؟
شیطاں سے نپٹ لو کہ مقدم ہے یہی ے

(میرزا یگانہ چنگیزی)

(۳)

۱۰/فروری ۱۹۵۱ء

میرے پیارے دوست خدا آپ کو خوش رکھے۔

محبت نامہ مورخہ ۲۸/جنوری مجھے ۸/فروری کو مل گیا جس میں آپ کا ایک عطیہ بھی ملفوف تھا۔ جزاک اللہ۔

ہاں آپ جیسے مخلص سے کچھ بعید نہیں کہ میری سوانح عمری میری زندگی میں مرتب کرلیں اور مجھے دکھالیں ورنہ چالیس پچاس برس کے بعد کسی نے کروٹ لی تو وہ عمل اک مجموعہ اغلاط ہوگا۔ بلکہ عجب نہیں میری آنکھ بند ہوجانے کے کچھ دنوں بعد ہی یاروں کو دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل جائے گا۔ اور اتہام و افترا سے کام لیا جائے۔ آپ نے جو عنوانات قائم کئے ہیں بشرط صحت وفرصت کچھ نہ کچھ لکھوں گا۔ مگر جیسا میں چاہتا ہوں۔ ہرگز نہ لکھ سکوں گا۔ کیونکہ پریشان حالی کبھی پیچھا نہ چھوڑے گی اور اب تو صحت بھی روز بروز گرتی جارہی ہے۔

میں چاہتا ہوں آپ کی آخری فرمائش پہلے پوری کردوں یعنی گنجینہ (مجموعہ رباعیات وغزلیات) کی ایک نقل (جو چھپے ہوئے نسخہ سے بہت کچھ تازگی وصحت میں بہتر ہوگی) آپ کو بھیج دوں تاکہ آپ کسی وقت اس کی طباعت و اشاعت کا انتظام کرسکیں تو کرلیں۔ اس قلمی نسخہ میں بعض ایسی غزلیں اور رباعیاں بھی ہوں گی جو مطبوعہ نسخہ میں نہیں ہیں۔ گنجینہ میں طباعت کی بعض افسوس ناک غلطیاں رہ گئی ہیں اور بعض مقام پر تو ایسا معلوم

ہوتا ہے کہ پبلشر صاحب نے اشعار پر اصلاح بھی دے دی ہے۔ اور بعض اشعار اپنی خوش ذوقی جتانے کے لئے خارج بھی کردیے ہیں۔ ماشاءاللہ مثلاً میرا ایک شعر ہے،

سکونِ بیدلی میں کیا کہوں کیوں لہر پیدا ہے
مبادا غیب سے کوئی نویدِ ناگہاں آئے

اس پر اصلاح دی ہے: یہ خون بیدلی میں کیا کہوں کیوں لہر پیدا ہے! واہ جی واہ زیادہ کیا عرض کروں خدا آپ کو خوش رکھے۔ انگریزوں کے زمانے میں مجھ ایسے کو کسی نے نہ پوچھا تو زیادہ شکایت کی بات نہیں ہے مگر افسوس ہے کہ موجودہ گورنمنٹ کے ارکان کو بھی کوئی اتنی توجہ نہیں دلاتا کہ اک ادیب کو بھی زندہ رہنے کا حق ہے۔ اُسے بھی مادّی ضرورت پوری کرنے کے لئے کچھ چاہیے۔ مگر اس نقار خانے میں کون سنتا ہے۔

خیر اندیش

میرزا یگانہ چنگیزی

(۴)

سلطان بہادر روڈ

منصور نگر لکھنؤ

۷/جون ۱۹۵۱ء

شفیقی و مخلصی زاد لطفکم۔ سلام شوق

محبت نامہ مورخہ ۲۲/مئی ۱۹۵۱ء صادر ہوا اور اُسکے ساتھ جو عطیہ تھا کچھ دنوں کے لئے غنیمت ہے۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔

بھئی کیا کہوں کیسا لکھنا پڑا۔ ایسی ہلچل میں رہتا ہوں کہ توبہ ہی توبہ۔ آمدنی کچھ

نہیں اور گرانی بڑھتی جارہی ہے۔ نہ جانے کیا ہونے والا ہے۔ اپنے ذاتی حالات نے کچھ ایسا رنگ بدلا کہ جتنے ساتھی تھے سب کے سب ادھر اُدھر ہو گئے کوئی پاس نہیں۔ بھلا یہ کمزور ہاتھ پاؤں کب تک ساتھ دیں گے۔ خیر کچھ نہ کچھ تو لکھوں ہی گا۔ مگر دیکھئے کب مہلت ملتی ہے۔ جن اشعار کی نسبت کچھ پوچھنا ہو ضرور پوچھ لیجیے۔ ممکن ہے تبادلۂ خیال سے کوئی نیا پہلو پیش نظر ہو جائے۔ گنجینہ میں ایک رباعی درج ہے اُس کے تیسرے اور چوتھے مصرعے کی اصلاح کر لیجئے۔

بننے کی ہوس میں کوئی اتنا نہ بنے
ہستی نہ بگڑ جائے تماشا نہ بنے
فطرت کا تقاضا تو یہی ہے واللہ
انسان بنے آدمی، دیوتا نہ بنے

میرزا یگانہ

(۵)

لکھنو

۱۹/ مئی ۱۹۵۲ء

شفیقی و مخلصی زاد لطفکم۔ سلام شوق

بغداد سے اسکندریہ روانہ ہوتے وقت آپ نے ۱۸/ اپریل ۱۹۵۱ء کو جو خط لکھا تھا، وہ اس وقت میرے سامنے ہے۔ اس سے پہلے آپ نے جس خط میں میری سوانح عمری لکھنے کے بارے میں جو سوالات لکھ بھیجے تھے اُن کی طرف توجہ کا موقع ہی نہ ملا۔ اور اب کیا ملے گا۔

مختصر روداد یہ ہے کہ بیگم یہاں سے ۸؍اپریل ۱۹۵۱ء کو روانہ ہو کر ساڑھے تین مہینے تک پونہ میں پڑی رہیں۔۸ بڑی کوششوں کے بعد لکھنو سے No Objection Certificate ملا تو بمبئی سے پرمٹ لے کر ۲۲ جولائی کو وہ کراچی پہنچ گئیں۔اوراس کے بعد میں یہاں سے ۱۹؍اگست ۱۹۵۱ء کو روانہ ہو کر ۲۸؍اگست کو کراچی پہنچا۔کیا عرض کروں وہاں کیوں گیا تھا۔فقط لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک بار دیکھ لینا مقصود تھا۔دیکھ لیا الحمد للہ۔وہ لوگ جس حال میں ہیں شکر ہے زندہ ہیں۔یہی بہت ہے۔مگر میں نے چھ سات مہینے تک جو رنج و تعب اٹھایا اور رہی سہی صحت جو کچھ تھی وہ بھی برباد ہوگئی۔اُس کا کیا ذکر Certificate کی مدت گزر جانے کی وجہ سے یہ بلا نازل ہوگئی کہ اب پاکستان سے واپس نہیں جا سکتے۔معاذ اللہ معاذ اللہ کیا پاکستان میں موت کھینچ لائی ہے۔خیر انڈین ہائی کمشنر کے دو شریف النفس ہندوؤں نے میرا حال دیکھ کر تہیہ کر لیا کہ آپ کو ہم لوگ ضرور ہندوستان پہونچا دیں گے۔ادھر لکھنؤ کے بدخواہ خوشیاں منا رہے تھے کہ اب کیا آئیں گے۔اب وہیں مریں گے ۔دوستوں کو رنج تھا۔مگر خدا نے ان کم بختوں کا منہ کالا کر دیا۔انڈین ہائی کمشنر کے پرمٹ افسر نے تین گھنٹے کے اندر مجھے دہلی پہونچا دیا۔جل جلالہٗ خیر میں ۱۹؍اپریل کو لکھنو پہونچ گیا۹۔اتفاق کی بات ۲۶؍اپریل کو لکھنؤ ریڈیو سے ایک مشاعرہ نشر ہونے والا تھا۔ ریڈیو والوں نے مجھے بھی دعوت دی۔میں گیا اور شریکِ مشاعرہ ہوا۔جو لوگ چاہتے تھے کہ میں پاکستان میں مروں، انہوں نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ میرزا صاحب پھر لکھنؤ آگئے۔پہلی ہی رباعی پر مشاعرہ اڑ گیا۔پھر دوسری اور تیسری بعد ازاں غزل پڑھی مگر آواز قابو میں نہ تھی۔اب سینے میں طاقت کہاں!

الغرض میں اپنی منزل مقصود پر پہونچ (پہنچ) گیا۔۲۷؍اپریل سے بخار آنے لگا۔ڈاکٹر کا علاج شروع کیا۔بخار تو خیر جاتا رہا مگر کھانسی اور تنفس کا جو مرض ہے، جو سات

مہینے تک پاکستان میں اور زور پکڑتا گیا۔ اُس میں کوئی افاقہ محسوس نہیں ہوتا۔ سینہ نہایت کمزور، ٹانگوں میں معلوم ہوتا ہے، دم نہیں رہا۔ دو تین فرلانگ چلنا دشوار ہے۔ میں اب تک اپنے متعلق کوئی رائے قائم نہیں کر سکتا کیا ہونے والا ہے۔ بہر حال تنہا ہوں۔ آس پاس کوئی نہیں۔ مگر خوشی سے مرنے کے لئے تیار بیٹھا ہوں۔

بن پڑے تو خرچ کے لئے بھی بھیج دیجئے۔ اب تو میں دروازے سے باہر تھوڑی دور تک جا سکتا ہوں زیادہ نہیں۔ لکھنؤ ریڈیو کے مشاعرے میں جو رباعی پڑھی تھی وہ یہ ہے۔

دنیا سے الگ بیٹھے ہو دامن جھاڑے
بکھرائے ہوئے بال گریباں پھاڑے
روٹھے تو سہی، پھر بھی نہ پیچھا چھوڑا
گھر چھوڑ کے جا بیٹھے کہاں؟ پچھواڑے

کمترین میرزا یگانہ لکھنوی

(۶)

منصور نگر لکھنؤ

۱۸ جون ۱۹۵۲

شفیق عزیز۔ سلام شوق

ایک مہینے سے زائد عرصہ گزرا میں ایک خط آپ کو اسکندریہ کے پتے سے بھیجا

تھا۔ ہنوز کوئی جواب نہیں آیا۔ نہ معلوم کیا بات ہے۔ غالباً وہ خط آپ کو ملا نہیں۔

میرا مختصر حال یہ ہے کہ میں اپنے لڑکوں کو دیکھنے کے لئے عارضی پرمٹ لے کر کراچی گیا تھا۔

مگر اتفاق وقت میں وہاں ایسا پھنس گیا کہ نکلنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ یہ خیال کہ اب یہاں سے نکلنا قریباً محال ہے 'روح' کو تحلیل کئے دیتا تھا۔ وہاں جب تک رہا تنفس اور کھانسی کی شدت بڑھتی گی۔ چھ سات مہینے تک سخت غم اُٹھایا خدا خدا کر کے دو کرمفرماؤں نے نہایت ہمدردی اور مستعدی کے ساتھ میری طرف توجہ کی اور آخر کار پرمٹ دلا کر مجھے دہلی پہونچا دیا۔ حق تعالٰی جزائے خیر دے۔ دنیا بھلے آدمیوں سے خالی نہیں ہے۔

یہاں میں ۱۹ اپریل کو پہونچا۔ کوئی ایک ہفتہ کے بعد دھوپ کھا کھا کے بیمار پڑا۔ پھر وہی تنفس اور کھانسی کی شدت ہونے لگی۔ سینہ اب بہت کمزور ہو گیا ہے۔ تنفس کے مرض نے اب یہ صورت اختیار کی ہے کہ ٹانگوں کی طاقت بہت گھٹتی جاتی ہے۔ ڈیڑھ مہینے سے علاج ہو رہا ہے۔ گھر سے باہر تک تھوڑی دور تک جاتا ہوں۔ زیادہ دور تک نہیں جا سکتا۔ بعض روز تو میں بہت گھبرا گیا کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ مگر خیر اب چار پانچ روز سے قدرے افاقہ ہے۔ مگر اب نارمل حالت پر آنا مشکل نظر آتا ہے۔ خیر میں پاکستان سے نکل آیا، اپنے گھر پہنچ گیا۔ یہ میری زندگی کا ایک اہم واقعہ ہے، ورنہ جو سنتا تھا کہتا تھا کہ اب وہیں مرے وہیں گڑے۔ یارانِ لکھنؤ بھی بہت بغلیں بجا رہے تھے کہ اب وہیں پاکستان میں مریں گے۔ مگر اللہ نے بڑا فضل کیا۔ میں اب یہاں بڑی خوشی سے مرنے کے لئے تیار ہوں۔ خدا نے وہاں سے نکالا شکر ہے۔ میری حالت جیسی کچھ ہے۔ آپ جانتے ہیں۔ زیادہ نیاز۔ اپنی خیریت سے جلد مطلع فرمائیے۔

رباعی

دنیا سے الگ بیٹھے ہو دامن جھاڑے
بکھرائے ہوئے بال، گریباں پھاڑے
روٹھے تو سہی پھر بھی نہ پیچھا چھوڑا
گھر چھوڑ کے جا بیٹھے کہاں؟ پچھواڑے

راقم میرزا یگانہ چنگیزی

(۷)

سلطان بہادر روڈ
منصور نگر، لکھنؤ
(انڈیا)
۱۸ فروری ۱۹۵۳ء

شفیقی و مخلصی زاد لطفکم۔ سلام شوق

آپ کا محبت نامہ مورخہ ۹ر فروری پیشِ نظر ہے۔ بھائی جان یہ تو اب قریب قریب ناممکن ہے کہ میں آپ سے یا آپ مجھ سے کسی وقت بھی ناراض ہو سکیں۔ ہمارا آپ کا رشتہ محبت اتنا مضبوط ہو چکا ہے اور ہم آپ اپنے اپنے جادہ پر اتنے مستقیم ہیں کہ کوئی امر ہمیں اپنی جگہ سے ہٹا نہیں سکتا۔

آپ کے پچھلے خط کا جواب نہ دے سکا۔ اس کی وجہ بس اتنی ہے کہ میں اب مسلسل زندگی و موت کی کشمکش میں پڑا رہتا ہوں اور غضب تو یہ ہے کہ تنہا ہوں کوئی آس پاس نہیں۔ یعنی بیوی بچوں میں سے کوئی یہاں نہیں رہا۔

آپ کتنے سال سے کہہ رہے ہیں۔مگر میں کیا کروں۔اب موقع نہیں رہا کہ اپنے حالات لکھنے بیٹھوں۔ یہ خیال ہی کر کے دل میں طرح طرح کے خیالات آنے لگتے ہیں۔کس دور کے حالات لکھوں۔لڑکپن کے۔ جوانی کے۔ بڑھاپے کے۔ عظیم آباد کے۔ لکھنؤ کے۔علی گڑھ کے۔ لاہور کے۔ حیدر آباد کے۔عثمان آباد کے۔لاتور کے۔ کنوٹ کے۔سیلو کے۔ یادگیر کے۔ پھر حیدر آباد کے۔ پھر لکھنؤ کے۔ پھر پاکستان کے دوران قیام میں جو حالات پیش آئے یا اب لکھنؤ میں جو حالات ہیں۔اب تو جناب وہی جھوٹی سچّی باتیں میری سوانح عمری میں لکھی جائیں گی جن کے نمونے خود اپنی زندگی میں بعض لوگوں کی زبانی سن چکا ہوں۔ میرے وہ حالات جن سے صحیح طور پر دنیا مجھے پہچان سکتی ہے، کبھی سامنے نہ آسکیں گے۔ہاں میرا جو کام ہے وہ رہ جائے گا۔

اس چل چلاؤ کے وقت میرے ہاتھوں بعض جہالتوں کا جس طرح پردہ کھل گیا۔ عجیب وغریب سانحہ ہے۔ناممکن ہے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھ سکا ہوں اُس سے آپ یا کوئی سنجیدہ مزاج انکار کر سکے۔ ان تحریروں کو دیکھ کر میرے ایک کرمفرما (جو مسلمان ہیں اور انگریزوں کے زمانے میں گورنمنٹ آف انڈیا سکریٹریٹ کے ایک رکن تھے) لکھتے ہیں کہ'' ان مضامین کو دیکھ کر آنکھیں کھل گئیں''۔اس سے ظاہر ہے کہ حق وصداقت کے ماننے والے دنیا میں نایاب نہیں ہیں۔

۲۳ر دسمبر کو بمبئی میں تو یہ حال ہو گیا کہ جیسے اب وقت آہی گیا؎ا۔اُسی شب کو صاحب موصوف نے مجھے ایک آدمی کی حفاظت میں ٹرین پر بٹھا کر لکھنؤ روانہ کر دیا۔ یہاں آکر طبیعت کچھ سنبھل گئی۔مگر پھر ادھر دو تین دن ہوئے ضعف بڑھنے لگا۔آج کچھ اچھا ہوں۔مگر کب تک؟

یگانہ

(۸)

سلطان بہادر روڈ

منصور نگر لکھنؤ

(انڈیا)

۱۵/ جون ۱۹۵۳ء

شفیقی و مخلصی زاد لطفکم

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۹/ مئی ۱۹۵۳ء پیش نظر ہے۔ 'گنجینہ' کا نسخہ جو میں نے ازسرنو مرتب کیا ہے، لالہ دوارکا داس شعلہ کے حوالے کردیا۔ اب اپنے پاس رکھنے کا وقت نہیں نہ اور کوئی تازہ فکر کو موقع ہے۔ آں قدح بشکست و آں ساقی نہ ماند۔ سانحۂ ناگوار ۱۱ء پر میرے دوست احباب کو جو صدمہ پہنچا اور اہل و عیال کے لئے جو ہمیشہ کا داغِ بدنامی رہ گیا، یہ تو ہونے والی بات تھی۔ مگر الحمدللہ میرے دل و دماغ پر کوئی بدحواسی نہیں چھائی۔ میں جانتا تھا کہ ان جاہل Fanaties کے ہاتھوں جان یا آبرو پر بن جانا کچھ بعید نہیں۔ Great works require great sacrifices.

یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ یہ قوم عقل کے جوہر اور اخلاقی جوہر سے بے بہرہ ہے۔ بات کا جواب بات سے نہیں دے سکتی۔ ایک تن تنہا کو بس اپنا زور دکھا سکتی ہے۔ مگر یہ بیسویں صدی ہے۔ اندھی عقیدت کا زمانہ گزر گیا۔ اب اندھی عقیدت سے زندگی بن نہیں سکتی۔ دیرینہ گمراہی دفع نہیں ہوسکتی۔ میرے ایک دوست نے بڑے دل کی بات کہہ دی۔ فرماتے ہیں۔

"I hope you have guarded the incident with the contempt it

deserves."

الغرض مجھ سے دیرینہ بغض وعناد جو چالیس پینتالیس سال سے چلا آرہا تھا اسی کا روشن ثبوت مل گیا اس سانحہ سے۔ اور یہی میری حق گوئی کی داد ہے Negative Form میں۔ اس سے ثابت ہے کہ میں نے جو کچھ کیا وہ حق تھا۔[۱۲]

میرزا یگانہ لکھنوی

(’اہل وعیال کے لیے جو ہمیشہ کا داغِ بدنامی رہ گیا‘۔ استاد یگانہ دیکھ لیں کہ یہ داغِ بدنامی آپ کے اہل وعیال کے لیے نہیں بلکہ لکھنوی تہذیب کے لیے رہ گیا ہے۔ آپ کا فن تا قیامت آپ کی ’ناموری‘ کے لیے کافی ہے۔ وسیم فرحت کارنجوی)

حواشی

باب دوم

۱) یگانہ چنگیزی ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۳ء تک منشی نول کشور کے ''اودھ اخبار'' سے وابستہ رہے۔ اودھ اخبار میں یگانہ بحیثیتِ مدیر کام کرتے رہے۔ (نول کشور کا مطبع۔ از نورالحسن ہاشمی، مطبوعہ ''نیا دور'' لکھنو دسمبر ۱۹۸۰ء صفحہ نمبر ۶۳) اسی درمیان یگانہ نے جنوری ۱۹۲۱ء سے ماہنامہ ''کارِ امروز'' کا اجرا کیا۔ جس کا اندازہ مکتوبِ ڈاکٹر محمد اقبال بنام ماسٹر محمد طالع مورخہ ۱۸ جون ۱۹۲۱ء سے ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ''شہرت کا ذبہ'' (تصنیفِ یگانہ) میں بھی 'کارِ امروز' کا اشتہار دیا گیا تھا۔ 'کارِ امروز' کے چھ شمارے منظرِ عام پر آئے۔ مشفق خواجہ نے ''کلیاتِ یگانہ'' میں شماروں کی تعداد پانچ بتائی ہے جو درست نہیں ہے۔ 'کارِ امروز' کے چھ شمارے بالترتیب جنوری ۱۹۲۱ء، فروری مارچ، اپریل مئی، جون جولائی، اگست ستمبر، اکتوبر نومبر ۱۹۲۱ء شائع ہوئے۔ غرض کہ یگانہ اٹاوہ قیام سے قبل ایک ماہانہ مجلّہ نکال چکے تھے جو بدقسمتی سے چل نہ سکا۔ گمان غالب ہے کہ سیمابؔ اکبرآبادی نے اپنی تیسری شعری تصنیف ''کارِ امروز'' (۱۹۳۴ء) کا عنوان یگانہ کے اسی سے متاثر ہوکر رکھا ہو۔ حسبِ خواہش جنوری ۱۹۲۵ء میں یگانہ نے اٹاوہ سے ماہنامہ ''صحیفہ'' جاری کیا جس کا صرف ایک شمارہ نکل پایا۔

۲) اہلِ لکھنو بالخصوص عزیزؔ لکھنوی نے اعلیٰ ظرفی کے وہ وہ کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں کہ رہتی دنیا تک لوگ عزیزؔ صاحب کو ان ہی کارناموں سے یاد کریں گے جن میں کسی غریب و بے سہارا کا روزگار چھین لینا بھی شامل ہے۔ یگانہ ''اودھ اخبار'' کی ادارت کے فرائض نبھا رہے تھے۔ عزیز لکھنوی نے اپنے مراسم بروئے کار لاتے ہوئے نول کشور سے ایک غریب فنکار کی روٹی اس سے چھین لی۔ جب کہ یگانہ ''اودھ اخبار'' میں قدم جما چکے تھے۔ لیکن صرف حسد اور عصری چشمک کے زیرِ اثر عزیز لکھنوی نے یہ کارِ تخریب انجام

دیا۔'اودھ اخبار' سے نکلنے پر چار چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ یگانہ بے روزگار بسر کرنے لگے۔ بلند اقبال نے لکھا ہے کہ ''تین تین دن تک معصوم بچے بھوک سے بلک بلک جاتے تھے لیکن گھر کے چولہے کو آگ نہ لگتی'' ۱۹۲۳ سے ۱۹۲۴ تک یگانہ نے جیسے تیسے ریلوے میں کلرکی کی۔ پھران کے دوست ماسٹر الطاف حسین نے انہیں اٹاوہ تعلیم وتعلم کے لیے بلالیا۔

۳)اس خط کے آخر میں حضرتِ دل شاہجہاں پوری نے فٹ نوٹ لگایا ہے کہ: ''جگر صاحب بھی میرے مخلص دوست ہیں اور جنابِ یگانہ بھی قدیمی دلنواز مکرم۔ میں نے موصوف (یگانہ) کی تنقید پر بے تکلف مصرع اولیٰ کی ترمیم کردی ہے۔ (نقوش، صفحہ ۷۰۴)

صبا بے خود، فضا سرشار، ساقی غرق مدہوشی رہیں گی تشنہء بادہ مری انگڑائیاں کب تک

۴) دورِ حاضر کی کیفیت بھی بڑی عجیب وغریب ہے۔ شاعر اگر عام فہم (بلکہ عامیانہ) زبان میں شاعری کرے تو ''جدید لب ولہجہ'' کا شاعر کہلاتا ہے۔ اور اگر کوئی لفظیات کے معاملے میں ''مشکل پسندی'' کا اظہار کرنے لگے تو ہوگیا وہ روایتی شاعر۔ مضمون کی آفرینی اب قصہ ہائے پارینہ بن چکی ہے۔ گستاخی معاف۔

۵) قحطِ حسن (یہ حاشیہ خود یگانہ کا تحریر کردہ ہے)

۶) کسی دوسرے کا گز نہیں۔ (یہ حاشیہ خود یگانہ کا تحریر کردہ ہے)

۷) اسلامیات کا کتنا بڑا فلسفہ یگانہ نے چار مصرعوں میں بیان کردیا ہے کہ آدمی شیطان سے ہی نمٹ (نپٹ، نمٹ، دونوں ہی روا ہیں) لے تو تمام مسائل حل ہوجائیں گے۔ برعکس اس کے ہم خدا سے تو لو لگائے بیٹھے ہیں لیکن پیروی شیطان کی کرتے ہیں۔ اور یہ ایمان کا آخری درجہ ہے۔ ان چار مصارع کے سامنے گھنٹوں پسینے میں شرابور ہوکر پیش کیے جانے والے فلسفے بے معنی سے لگنے لگتے ہیں۔ یگانہ آرٹ اسے ہی کہتے ہیں۔ زندہ باد یگانہ زندہ باد۔

۸) یگانہ کی بیٹی مریم جہاں (جو یگانہ کے قیام لاہور کے دوران پیدا ہوئیں) کی شادی ۱۹۴۵ میں سید ابنِ علی سے ہوئی۔ سید ابنِ علی پونہ میں مقیم تھے۔ پیشہء درس وتدریس

سے وابستہ سید ابن علی بھوانی پیٹھ کالج پونہ (مہاراشٹر) میں پروفیسر رہے۔ مریم جہاں کا انتقال اکتوبر ۱۹۸۲ء کو پونہ میں ہوا۔ یگانہ بیگم اپنی بیٹی مریم جہاں کے یہاں مقیم تھیں۔

۹) یگانہ کے سفرِ پاکستان کی روداد مکاتیب بنام شعلہ کے حاشیہ نمبر۴۴ میں تفصیلی درج کی گئی ہے۔

۱۰) یگانہ کے ایک عزیز ہاشم اسمٰعیل کے یہاں قیامِ بمبئی کے حالات مکاتیب بنام شعلہ کے حاشیہ نمبر۵۳ میں درج کیے جا چکے ہیں۔

۱۱) اہلِ لکھنو کی اس غیر انسانی حرکت کی تفصیل مکاتیب بنام شعلہ کے حاشیہ نمبر ۵۷ میں درج کی گئی ہے۔

۱۲) یگانہ کا آخری فقرہ 'میں نے جو کچھ کیا وہ حق تھا' سے مراد پینتیس چالیس برسوں میں یگانہ نے جو کچھ لکھا (کیا) وہ برحق تھا۔ اب ظاہر ہے کہ یگانہ کے ساتھ ہوئی 'غیر انسانی حرکت' محض چند رباعیوں کے لکھے جانے پر سرزد نہیں ہوئی تھی بلکہ یہ تو وہ غبار تھا جو چالیس برسوں سے اہلِ لکھنو کے دلوں میں تھا اور مولانا ماجد (اللہ انہیں معاف فرمائے) کی کوششوں سے باہر نکل آیا۔ یگانہ یہ بات جانتے تھے کہ عزیز، صفی، ثاقب وغیرہ کی چالیس سالہ پرانی مخالفت کا ضرور کہیں نہ کہیں اثر ہونا ہے۔ اور وہی ہوا۔ محض چار رباعیاں (نیاز فتح پوری کو بھیجی گئیں) امتِ مسلمہ کو ورغلانے کے لیے کافی نہیں ہوتیں۔ اس سے کئی گنا سنگین اسلام مخالفت بذاتِ خود مولانا ماجد ظاہر کر چکے تھے۔ مولانا ماجد کے ۲۷ مارچ والے اداریہ کے بعد بھی انہیں مزید چار دن عوام کی ذہن سازی کرنی پڑی۔ تب کہیں جا کر ۳۱ مارچ کو چند بد دماغ اس فعل بد کو آمادہ ہوئے۔ اس کے بعد بھی مولانا کو چین نہیں ملا۔ روزنامہ انقلاب بمبئی وغیرہ اخبارات میں مسلسل یگانہ کے خلاف لکھتے رہے۔ جوش نے زبردست احتجاجی خط دو تین رسالوں کو بھجوایا لیکن کسی نے شائع نہیں کیا۔ القصہ مختصر کہ یگانہ نے زندگی بھر جو کچھ کیا وہ برحق تھا، یہی مذکورہ بالا فقرے کا مفہوم ہونا چاہیے۔

بابِ سوم

بنام پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب

(۱)

لاتور دکن

۲۷؍فروری ۱۹۳۴ء

مکرمی حضرت مسعود صاحب۔ السلام علیکم!

آپ کا پوسٹ کارڈ مورخہ ۲۳؍فروری موصول ہوا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے میرے اُس طویل مکتوب۱ میں کچھ نہ کچھ صداقت محسوس کی ہے اور غالباً اسی وجہ سے شائع کرا دینے کا ارادہ ظاہر فرمایا ہے۔ بہت مناسب ہے اگر آپ شائع کر دیں۔ جہانگیر، عالمگیر، نیرنگ خیال۲ جس میں چاہیے چھپوا دیجیے۔ نیرنگ خیال ہو تو زیادہ اچھا ہے۔

زیادہ نیاز

میرزا یگانہ چنگیزی

(۲)

لاتور دکن

۱۴ مارچ ۳۴ء

کرم فرمائے بندہ سلام علیکم

آپ نے میرے مکتوب کو چھپوانے کا جو خیال ظاہر کیا تھا اس کے متعلق ایک بات عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ یہ کہ اس مکتوب کی ایک نقل میں نے اڈیٹر نیرنگِ خیال لاہور کو بھی بھیج دی تھی۔ اور مجھے یاد پڑتا ہے اُس نقل میں بعض فقروں کا اضافہ ہو گیا ہے۔ آپ وہ خط اڈیٹر نیرنگ خیال سے حاصل کر کے ملاحظہ کر لیں تو اور اچھا ہے۔ اس کے بعد جس پرچے میں چاہیں چھپوا دیں۔ مگر مجھے بھی اطلاع فرما دیں کہ وہ مکتوب کس پرچے میں بھیجا گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جس پرچے میں چھپے اُس کی پچیس کاپیاں زائد چھاپنے کا آرڈر دے دوں۔

جواب کا منتظر

میرزا یگانہ چنگیزی لکھنوی

سب رجسٹرار

(۳)

لاتور دکن

۷/اپریل ۳۴ء

مکرمی سلام علیکم

میں حیدر آباد سے واپس آیا تو آپ کا عنایت نامہ ملا جس سے معلوم ہوا کہ میرا

مکتوب آپ نے جہانگیر کو بھیج دیا ہے۔ میں نے بھی اُن کو اجازتِ تحریری بھیج دی ہے۔ آپ کے نام کے ساتھ آپ کا عہدہ میں صحیح طور پر لکھ نہ سکا۔ اچھا کیا آپ نے تصحیح کر دی۔ شکریہ۔

کمترین

میرزا یگانہ چنگیزی لکھنوی

سب رجسٹرار

(۴)

لاتور دکن

۱۳ رمئی ۳۴ء

مکرمی تسلیم

'ساقی' دہلی کا اپریل اور مئی نمبر آپ کی نظر سے گزرا یا نہیں۔ میاں مضحکؔ دہلوی اور بدایوں کے ایک امردلڑکے (ماہر القادری) نے خوب خوب جلے دل کے پھپھولے پھوڑے ہیں۔ پیٹ بھر کے مجھے گالیاں سنائی ہیں۔ میں نے کئی بار ان دونوں کی بکواس کو پڑھا۔ دیر تک ہنستا رہا۔ اچھی خاصی تفریح ہوگئی۔ گویا یہ لوگ غالبؔ کی محبت کا حق ادا کر رہے ہیں۔ کتنے نادان ہیں غریب۔ مجھے سچ مچ غالبؔ کا دشمن سمجھ لیا ہے۔ مکتوب یگانہ کی اشاعت کا انتظار ہے۔ دیکھیے کب تک شائع ہوتا ہے۔

نیازمند

میرزا یگانہ چنگیزی لکھنوی

سب رجسٹرار

(۵)

لاتور دکن

۲۴/اکتوبر ۳۴ء

مکرمی تسلیم

آیاتِ وجدانی (طبع ثانی ۴ء) کا ایک نسخہ امید صاحب کی معرفت بھیج چکا ہوں اور غالب شکن کی چند کاپیاں آگرہ سے ۵ بذریعہ ڈاک روانہ کر چکا ہوں۔ معلوم نہیں آپ تک پہنچے یا نہیں۔ والسلام

میرزا چنگیزی لکھنوی، سب رجسٹرار

(۶)

(اس مکتوب پر تاریخ درج نہیں ہے۔ لیکن خط کے متن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ غالب شکن کی اول اور دوم اشاعت کے درمیان لکھا گیا ہے۔ غالب شکن، یا مکتوب یگانہ بنام ادیب پر ۲۵ دسمبر ۱۹۳۳ء تاریخ درج ہے۔ یہی مکتوب کتابی شکل میں ۱۹۳۴ء میں شائع ہوا۔ اس کے ایک سال بعد غالب شکن دو آتشہ (طبع ثانی) شائع ہوئی۔ متن سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ غالب سے متعلقہ اول خط کے بعد مزید صراحت کی خاطر یگانہ نے یہ خط لکھا ہو۔ اور جن ادبی چوریوں کا یگانہ نے اس خط میں ذکر کیا ہے، وہ غالب شکن اول میں شامل نہیں تھیں، البتہ غالب شکن دوم میں یگانہ نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ''نظرِ ثانی میں جا بجا اضافہ کیا گیا ہے اور چوریوں کے ثبوت میں ایک جدید باب بڑھا دیا گیا ہے''۔ غرض کہ مکتوب ہٰذا ۱۹۳۴ء سے ۱۹۳۵ء کے درمیان لکھا گیا ہے۔ یگانہ ۱۹۳۳ء تا ۱۹۳۸ء لاتور میں مقرر رہے،

لہٰذا مقام تحریر کے متعلق حتمی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ خط لاتور سے لکھا گیا۔ یگانہ کو غالب شکن کہنے اور لکھنے والوں کی اصلاحِ مذاق کے ضمن میں یہ خط نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ مصنف)

میرزا یگانہ چنگیزی
لاتور (دکن)

مائی ڈیر مسعود صاحب

کیا کہوں سخت افسوس ہے کہ ملک کی قوتِ فیصلہ وتمیزِ نیک و بد کو مختل و معطل دیکھ کر مجھے غالبؔ کے کمزور پہلوؤں پر روشنی ڈالنی پڑی ورنہ مجھ سے اور میرزا غالبؔ مغفور سے مخالفت ومخاصمت کا کوئی موقع ہی نہیں۔ وہ انیسویں صدی کے، میں بیسویں صدی کا۔ نہ معاصرانہ چشمک نہ خاندانی بیر۔ میں کہتا اور حق کہنے کا حق رکھتا ہوں کہ تعلیم یافتہ گمراہوں کہ بہ نسبت غالبؔ کے کمالاتِ شاعرانہ کی صحیح قدر شناسی کا جوہر فطرت نے مجھ میں زیادہ ودیعت کیا ہے۔ شاعر کو بحیثیت شاعر، شاعر ہی خوب سمجھ سکتا ہے۔ مگر۔۔۔۔ ملک کی بڑھتی ہوئی بدمزاقی کی روک تھام کے لیے غالبؔ کے متعلق اسی قدر تلخ حقیقتوں کا انکشاف واجب سمجھتا ہوں کہ غالبؔ پرست ذرا حقیقتِ تلخ کا مزہ بھی چکھ لیں۔ کیا میں اتنا بھی نہیں جانتا کہ جو لوگ گزرے ہو چکے ہیں ان کی خلقی کمزرویوں کو لکھنا سخت کم ظرفی وخباثت کی دلیل ہے مگر میں کیا کروں۔ اس عیب کو عیب نہیں سمجھتا کیوں کہ مخاصمانہ جذبہ کارفرما نہیں ہے بلکہ میں اپنا ادبی وقومی فرض سمجھتا ہوں کہ غالبؔ کی تصویر کا دوسرا رخ دکھا دوں۔ مانا کہ غالبؔ کی شخصیت نہایت محترم ہے مگر غالبؔ سے زیادہ محترم کوئی شئے ہے اور وہ ملک کا ادبی مذاق ہے۔ محض غالبؔ پرستی کی خاطر ملکی مذاق کی تباہی گوارا نہیں کی جا سکتی۔ دنیا کے بڑے سے

بڑے مورخین بڑے بڑے لوگوں کے اعمال نیک و بد پر روشنی ڈالتے چلے آئے ہیں۔ تاریخیں، تذکرے، سوانح عمریاں بھری پڑی ہیں۔اسلاف کے اخلاق و عادات اوران کی زندگی کے۔۔۔۔۔۔دونوں رخ دکھائے نہ جاتے تو اگلے لوگوں کی کمزوریوں اور خامیوں سے سبق حاصل کر کے دنیا اصلاح وترقی کی طرف کیوں قدم بڑھا سکتی ہے؟

میرے استاد اعظم صلعم نے فلسفہء عمل کو دو لفظوں میں سمجھا دیا ہے۔''الاعمال بالنیات''اس سے بڑھ کر سچا فلسفہء عمل اور کیا ہوگا۔تیری نیت بخیر ہے تو اس ادبی معصیت پر کوئی مواخذہ نہیں ہوسکتا۔دیکھنا یہ ہے کہ میری یہ تلخ نوائیاں کسی مخاصمانہ جذبہ پر مبنی ہیں۔یا ان میں کوئی اصلاحی اسپرٹ پوشیدہ ہے۔کیا ان کا ضمیر گواہی دے سکے گا کہ میرا دل ضاد یہ پرستی کے جذبے سے خالی ہے۔کیا میں میر تقی میرؔ، میرزا سوداؔ، خواجہ میر دردؔ دہلوی، میر انیسؔ، خواجہ آتشؔ، استاد بحرؔ لکھنوی، مولانا اکبرالہ آبادی، مولانا شادؔ عظیم آبادی جیسے بزرگوں کا احترام نہیں کرتا ہوں، صدق دل سے احترام کرتا ہوں۔اسی طرح غالبؔ کے کمالات کا بھیؔ معترف ہوں مگر اسی حد تک جتنا میرا ضمیر اجازت دیتا ہے۔میں غالبؔ کو اپنی آنکھ سے دیکھتا ہوں، پرائی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔

ہرشخص اپنے علم و یقین تک مکلّف۔۔۔۔۔۔۔۔''الاعمال بالنیات''۔تمام اعمال وافعال کا دارومدار نیت پر ہے۔نیت ہی پر سزا و جزا کا انحصار ہے۔اس فلسفہ کے تحت ایک عجیب وغریب واقعہ یاد آ گیا جو حد درجہ دلچسپ ہے۔خطہء پاک عظیم آباد میں ایک مشہور ومعروف طبیب تھے۔حکیم کاظم حسین صاحب رحمتہ اللہ علیہ۔وہ عموماً الٹا علاج کیا کرتے تھے۔دیکھنے والے کہتے تھے کہ مریض کو مار ڈالیں گے مگر ان کی کامیابی پر لوگوں کو حیرت ہوتی تھی۔وہاں ایک وکیل تھے غلام قادر نام۔ان کا ایک بھائی تھا جو کسی شادی کی تقریب میں چھ سات شب وروز جاگتا رہا۔تقریب سے فراغت پانے کے بعد وہ ایک ٹھنڈے اور

مرطوب تہہ خانے میں جا کر سو رہا۔ سویا تو دو دن تک شب و روز سوتا ہی رہا۔ گھر میں ڈھونڈیا پڑی کہ لڑکا کہاں غائب ہو گیا۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے پتہ لگا تو لوگوں نے اسے جگایا۔ وہ اٹھا آنکھیں ملتا ہوا باہر آیا اور اپنے سر پر ہاتھ رکھا تو ایسا پلپلا معلوم ہوا جیسے گندھا ہوا آٹا۔ جس جگہ سر پر انگلی رکھتا ہے اسی طرح دھنس جاتی ہے جیسے گندھے ہوئے آٹے میں۔ یہ حال یہ دیکھ کر لوگوں کے ہوش جاتے رہے۔ بھائی صاحب سے کہا جاؤ جلدی سے چچا پاس (وہی حکیم صاحب) بیچارہ دوڑتا حکیم صاحب کے پاس پہونچا (پہنچا) اور اپنا سارا حال کہہ سنایا۔ حکیم صاحب نے سر ٹٹول کر دیکھا اور کہا اچھا بیٹھو۔ ذرا پان تو بناؤ۔ وہ پان لگانے لگا اور حکیم صاحب ٹہلنے لگے۔ کچھ سوچتے جاتے تھے۔ سوچتے سوچتے اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ سل کا بٹا پڑا تھا۔ اٹھا کر اور لڑکے کی نظر بچا کر زور سے سر پر کھینچ مارا۔ وہ بیچارہ بلبلا گیا۔ حکیم صاحب دیوانے مشہور ہی تھے۔ وہ یہ سمجھا کہ چچا پر جنون سوار ہے ڈر کے مارے بھاگا بھاگتا گھر پہونچا (پہنچا) اور جو حادثہ غریب پر گزرا تھا بھائی سے بیان کیا۔ انھیں سخت تعجب ہوا۔ پوچھا کہ بہت چوٹ تو نہیں آئی۔ اب اسے اپنا سر یاد آیا۔ بھاگتے وقت تو اسے سر پاؤں کا کچھ ہوش نہ تھا۔ اب جو سر کو ٹٹولتا ہے تو اچھا خاصا ہے، سارا پلپلا پن جاتا رہا۔ بھائی صاحب نے ٹٹول کر دیکھا تو انھیں بھی حیرت ہوئی کہ ایسا انوکھا علاج کبھی نہ سنا۔ تھوڑی دیر بعد حکیم صاحب خود مریض کے گھر پہونچیں کہ دیکھیں کیا حال ہے۔ دیکھا تو سر ٹھیک تھا۔ علاج کی کامیابی پر مسکرائے۔ وکیل صاحب نے پوچھا۔ چچا جان یہ کیسا علاج تھا کہ بٹا کھینچ مارا اور مرض غائب؟ فرمایا اس لڑکے کے سر میں رطوبت اس غضب کی جمع ہو گئی تھی کہ سر پلپلا ہو گیا۔ اسی رطوبت کو جلد سے جلد خارج ہونا چاہیے۔ مگر دنیا میں کوئی ایسی دوا نہ تھی کہ اتنی کثیر مقدار میں رطوبت کو جلد خارج کر سکتی۔ جب تک دوا اثر کرتی اس سے پہلے مریض کا سر سڑ گل کے پانی ہو جاتا۔ میں نے تھوڑی دیر جو غور کیا تو یہ بات سمجھ میں آئی کہ اچانک اس

کے سر کو چوٹ پہونچائی جائے تو بہت ممکن ہے کہ مریض کے نظام جسمانی میں ایکا ایکی ہیجان و انتشار پیدا ہو اور وہ رطوبت جو ایک ہی جگہ جمع ہے تمام جسم میں منتشر ہو جائے۔ چناچہ یہ ہی ہوا۔ اچانک چوٹ لگتے ہی رطوبت سارے جسم میں منتشر ہوگئی اور سر کا پلپلا پن جاتا رہا۔ اب اس رطوبت کو جو سارے جسم میں پھیل گئی ہے جلاب سے خارج کر دینا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ جو اصل علاج تھا وہ ہو گیا۔ دیکھیے کتنا حیرت انگیز واقعہ ہے۔ علمِ طب کی جودتِ ذہنی کا جو ثبوت ملتا اس سے سروکار نہیں۔ ہاں فقط یہ دیکھنا ہے کہ حکیم صاحب نے کس نیت سے بٹا کھینچ مارا۔ علاج کی غرض سے۔ نیت ان کی بخیر تھی۔ انجام بھی بخیر ہوا۔ اگر نتیجہ ءعمل حسب دلخواہ نہ بھی ہوتا تو بھی ان سے کوئی مواخذہ نہ تھا کیوں کہ ارادہ نیک تھا۔ مجھے بھی اپنے اوپر بھروسہ ہے کیوں کہ میری نیت بخیر ہے۔ غالبؔ پر جو کچھ بوچھاریں ہو رہی ہیں انھیں غالبؔ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ بوچھاریں فقط اسی غرض سے ہیں کہ غالبچیوں کی بہکی ہوئی ذہنیتوں پر چوٹ پڑنے سے دماغوں میں جو فاسد جمع ہو گیا ہے۔ خارج ہو جائے اور انشا اللہ یہ ہو کر رہے گا۔

غالباً اب آپ کو اس امر میں کوئی شبہ باقی نہ رہے گا کہ میری ان تمام تقریروں کا مخاطب غالبؔ نہیں ہو سکتے۔ کیوں کہ گفتگو مردوں سے نہیں ہوتی، زندوں سے ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اس حقیقت پر بھی نظر رکھنی چاہیے کہ میرزا غالبؔ نے خود اپنے پیش رو (مولفِ برہانِ قاطع) پر نہایت سخت لب ولہجہ میں تنقید کی ہے جو پایہءتہذیب سے گری ہوئی ہے۔ مجھ سے زیادہ غالبؔ پر سخت کلامی یا بد مذاقی کا الزام کھپ سکتا ہے اور سب سے زیادہ افسوس ناک امر یہ ہے کہ غالبؔ پرستوں نے تمام اساتذہ ماضی وحال کا حق تلف کر کے غالبؔ کو دے دیا ہے مگر میں نے ہرگز غالبؔ کا حق تلف نہیں کیا (اُن کو اردو کا مایہءناز شاعر مانتا ہوں) ہاں کھری کھری سنا دی جس کے مخاطب غالبؔ نہیں ہیں بلکہ غالبؔ

پرست ہیں۔غالبؔ شکنی کی اشاعت کا ذمہ دار کون ہے؟ دلی والوں نے ترانہ کی محض چند مزاحیہ رباعیوں سے چراغ پا ہوکر رسالہ 'ساقی' کے اکیس صفحوں پر مہمل خامہ فرسائی کر کے ترانہ کو گویا مجموعہء خرافات باور کرانا چاہا تو میں نے کہا جاتا کہاں ہے،اور لیتا جا۔یہ ہی غالب شکنی کی شان نزول۔

غالبؔ شکنی کی اشاعتِ اولین میں،میں نے غالبؔ کی شاعرانہ چوریوں کا ثبوت اس لیے پیش نہیں کیا تھا کہ بارہا ادبی رسالوں میں ثبوت پیش کیے جا چکے ہیں مگر اب پھر مطالبہ کیا جاتا ہے تو یہ فرض بھی ادا کیے دیتا ہوں۔لگی کیوں باقی رکھوں۔

طبل و علم ہی پاس ہے اپنے نہ ملک و مال
ہم سے خلاف ہو کے کرے گا زمانہ کیا؟

یگانہؔ

(۷)

لاتور دکن
۲۸ ستمبر ۱۹۳۵ء

مکرمی زاد لطفکم۔سلام شوق

جلسے کے بعد آپ سے رخصت ہو کر گھر آیا۔دوسرے دن سے سخت تپ و لرزہ میں مبتلا ہوا۔بخار ہنوز باقی تھا کہ ۲۰ ستمبر کو روانہ ہوگیا۔اسی ناسازی مزاج کے سبب آپ سے اور دیگر احباب سے چلتے وقت مل بھی نہ سکا۔جلسے کے جملہ حاضرین سے مل کر میں خوش ہوا آپ نے اس گدائے متکبر کے لیے جو صحبت منعقد کی وہ آپ کی قدر شناسی کی دلیل ہے

ورنہ میں جس برتاؤ کا مستحق ہوں وہ غالباً آپ سے پوشیدہ نہیں۔ جمیع یادفرمایانِ باصفا کی خدمت میں سلام شوق۔ کیا 'الناظر' لکھنؤ میں میرے خلاف کوئی پروپگنڈا شروع ہوا ہے؟

نیاز مند

میرزا یگانہ چنگیزی

(۸)

لاتور دکن

۷ر فروری ۳۶ء

مکرمی زاد لطفکم۔ سلام شوق

بہت دنوں سے آپ کا حال کچھ معلوم نہیں۔ کبھی کبھی دور افتادگانِ بزم کو بھی یاد کر لیا کیجئے تو کیا بُرا ہے۔ میں نے آغا جان سلمہ کے ہاتھ غالب شکن (دو آتشہ) کی دس کاپیاں بھیج دی تھیں۔ غالباً پہنچ گئی ہوں گی۔ کشتگان و زخم خوردگانِ 'میرزا غالب شکن' کا کیا حال ہے۔ آپ تو بہت کچھ تماشے دیکھا کرتے ہوں گے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ 'الناظر' میں آیاتِ وجدانی پر مسلسل تنقید ہو رہی ہے۔ مگر مجھے یقین ہے کہ میری رفتارِ زندگی اور افتادِ مزاج وغیرہ پر دل کی بھڑاس نکال لینے کے سوا کلام پر کوئی صحیح اعتراض میرے مسلک کے تحت نہ کر سکے گا۔ خیر دیکھا جائے گا۔

میرزا یگانہ چنگیزی سب رجسٹرار

(۹)

لاتور دکن

۲۱ر دسمبر ۳۶ء

مکرمی تسلیم

نوازش نامہ اور 'نگار' کا مطلوبہ پرچہ پہنچا۔ بہت بہت شکریہ۔ مگر میرے ذہن میں یہ بات نہ آئی تھی کہ پرچے کے لیے خود آپ کو دفتر نگار جانا پڑے گا ورنہ آپ کو اتنی تکلیف نہ دیتا۔ خیر

اس بے چارے موہانی۸ کی Common Sense میں فتور پہلے ہی تھا مگر اب زیادہ ہوگیا ہے۔ سیدھی سی بات کو وہ سیدھی طرح سمجھنا نہیں جانتا۔ مجھے تو اس کی عقلِ سلیم میں اُسی وقت شبہ ہوا تھا جب اُس نے ایک دفعہ باتوں باتوں میں میرزا دبیر مرحوم کو میر انیس مرحوم پر ترجیح دی۔ میرزا دبیر کو وہ ایک ایسا جوہری ٹھہراتا ہے جس کی بھاری دوکان میں جواہرات کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ چاروں طرف بے ترتیبی سے۔ اور میر انیس کو وہ ایک ایسا بساطی ٹھہراتا ہے جس نے اپنی چھوٹی سی دوکان سلیقے کے ساتھ سجی ہے۔ گویا میر انیس کی ایک اوچھی سی پونجی ہے۔ بھلا ایسی ذہنیت میر انیس کی عظمت کا اندازہ کیونکر کرسکتی ہے۔ میر تقی میر اور نظیر اکبر آبادی کے قطعات کی بحث میں بھی اسی ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے۔ جو سلامت روی سے محروم ہے۔ 'اختصار کلام' کی حدود اور اس کی قدر و قیمت کا اندازہ اگر اُردو فارسی کے ادیب کو نہ ہو تو بڑے تعجب کی بات ہے۔ ایشیائی شاعری میں غزل، رباعی، قطعات نے اختصارِ کلام کے حُسن کو جس مرتبہ کمال پر پہنچا دیا ہے وہ اتنا بدیہی ہے کہ اس پر بحث و مباحثہ کی ضرورت ہی نہیں۔ مذکورۂ بالا اصناف پر اُردو فارسی لٹریچر کا مطالعہ کرنے والوں کو اختصارِ کلام کی خوبیوں کا خود بخود احساس ہو جانا ایک لازمی چیز

ہے۔ مگراس پر بھی اختصار وجامعیت کے مفہوم کو جو صحیح طور پر نہ سمجھے تو اس کا کیا علاج؟

اچھا یہ تو فرمایئے 'آیاتِ وجدانی' کی شرح وتنقید ومحاکمہ آپ کب فرمائیں گے؟ موجودہ شرح جو چھپی ہوئی ہے وہ ایک ادھوری چیز ہے۔ میں تو اپنے کیرکٹر (خصوصاً جنگجوئی) کے سبب اپنے سرمایۂ ادب کو ضائع کر چکا۔ میں ضایع کرنے پر مجبور تھا۔ کیا آپ بھی 'آیاتِ وجدانی' اور 'ترانہ' کو ضائع کرنا گوارا کریں گے۔ یا اس آرٹ سے (اگر یہ واقعی آرٹ ہے) ملک کو روشناس کرائیں گے؟ میں کہہ نہیں سکتا کہ مجھے کوئی Fitzgerald ملے گا تو کب ملے گا۔ مجھے ڈاکٹر بجنوری جیسے دیوانے بدحواس شرح نگار[۱۰] کی ضرورت نہیں۔ ہاں رضوی[۱۱] جیسا سمجھا بوجھا ہوا معتدل مزاج شرح وتنقید کا حق ادا کر سکتا ہے۔

میرزا یگانہ

(۱۰)

مقام کنوٹ[۱۲]

سلطنت نظام

۲۰ رنومبر ۳۷ء

کرم فرمائے بندہ حضرتِ ادیب زاد لطفکم

سلامِ شوق ۷ رنومبر کو Irony of time کے عنوان سے جو ایک پرائیویٹ خط میں نے لکھا تھا اس کا جواب ہنوز عدم وصول ہے۔ مجھے یقین ہے کہ خوبیِ وقت ہی نے آپ کو بھی مجبور رکھا اس کے سوا کوئی بدگمانی آپ جیسے شخص سے نہیں ہو سکتی۔ میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ چارۂ کار ممکن نہ ہو تو وہ خط آپ مجھے واپس ضرور کر دیں۔ آج تک انتظار کر کے پھر

لکھتا ہوں کہ براہِ کرم وہ خط مجھے واپس فرما دیجیے۔

زیادہ نیاز

میرزا یگانہ

سب رجسٹرار

(حاشیے پر) اتفاقِ وقت ہے کہ میں آج کل اچانک آفت میں مبتلا ہوں۔ چھ مہینے سے تنخواہ بند ہے۔

(۱۱)

میرزا یگانہ چنگیزی

معرفت نواب شہریار جنگ

بشیر باغ روڈ، حیدر آباد دکن

۱۱ر دسمبر ۱۹۴۹ء

کرم فرمائے بندہ سلام و علیکم

امید ہے آپ مع الخیر ہوں گے۔ میرزا دبیرؔ مرحوم کی اک مشہور رباعی ہے جس کے دو مصرعے یہ ہیں؎

ایک روز خدا کو منھ دکھانا ہے دبیر

کس منھ سے میں بندے کو خداوند کہوں

اسی موضوع پر اسی ردیف و قافیہ میں میر انیسؔ کی بھی ایک رباعی ۱۳ ہے۔ جس کا ایک مصرع

آپ ہی نے سُنایا تھا۔

(انیسؔ) مجھ سے ہوتا نہیں بندے کو خداوند کہوں

اسی ایک مصرعے سے میر انیسؔ کا مرتبہ واضح ہے۔ براہِ کرم اس رباعی[14] کے چاروں مصرعے اولین فرصت میں روانہ فرما کر ممنون فرمائیں۔ سخت ضرورت ہے۔

کمترین میرزا یگانہ چنگیزی

(حاشیے پر) میں اپنا حال کسی سے کیا کہوں بقول خواجہ آتشؔ

خدا کرے نہ تمھیں میرے حال سے واقف
نہ ہو مزاج مبارک ملال سے واقف

(کارڈ کی دوسری سمت) ''یزداں شکار چڑی مار اکبال''

پنجاب کا وہ جس سے خدا بھی ہارا [15]
ایسا صیادؔ ہو تو پھر کیا چارہ
یزداں بھی شکار ہو گیا بے چارہ
کیا خوب چڑی مار نے کمپا مارا

ع: یزداں بہ کمند آور اے ہمتِ مردانہ[16]۔ اس زیٹ زپٹ سے قوم طاقت نہیں پکڑتی جب تک اخلاقی اور اقتصادی حالات درست نہ ہوں تمام وعظ و پند بے سود۔[17]

یگانہ

(۱۲)

میرزا یگانہ چنگیزی۔ جناب کی گلی
شاہ گنج۔ لکھنؤ
۱۱؍نومبر ۱۹۵۴ء

کرم فرمائے بندہ سلام شوق

ظاہر ہے کہ میں کن مشکلوں میں ہوں۔ آپ ذرا تکلیف فرمائیں تو کچھ اور عرض کروں۔ اب تک کچھ معلوم نہ ہوا کہ حسینی صاحب نے جو وعدہ فرمایا تھا جناب سے سفارش کرنے کا ۱۸ا...... تو گفتگو کا موقع آیا یا نہیں۔

میرزا یگانہ

(۱۳)

میرزا یگانہ چنگیزی
۹؍اگست ۱۹۵۵ء

مائی ڈیر سلام شوق

موسم کی سختیوں نے مرض کی شدت کو اور بڑھا دیا۔ رات بھر آگ جلاتا رہا۔ طبیعت بے حال رہی۔ چلتے وقت آدمی سے کہہ دیا کہ صاحب کو میرے جانے کی اطلاع کر دینا۔ غالباً اطلاع ہوگئی ہوگی۔ زیادہ اس وقت کیا عرض کروں۔

کمترین

میرزا یگانہ ۱۹

بنام قاضی امین الرحمٰن صدیقی

(میرے طویل مقالے ''یگانہ چنگیزی۔ تحقیق و تجزیہ'' کے لیے جس وقت میں رامپور رضا لائبریری میں مطلوبہ کتابیں و رسائل تلاش کر رہا تھا، اتفاق سے ایک تین صفحاتی کتابچہ بعنوان ''نوادرِ ادب'' پر نظر پڑی۔ جس میں یگانہ کے دو خط شامل تھے۔ قاضی امین الرحمٰن صدیقی صاحب (رٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ شعبہء برقیات مغربی پاکستان، لاہور) نے یگانہ کو دو خط برائے اصلاح کلام بھیجے تھے۔ جو دس سال کے فرق سے بالترتیب ۱۹۲۱ء اور ۱۹۳۱ء میں بھیجے گئے۔ یگانہ کے انتقال کے بعد قاضی صاحب نے جواباً آئے ہوئے یگانہ کے دو غیر مطبوعہ خطوں کی اہمیت جانتے ہوئے اورینٹل کالج لاہور کے پرنسپل کو کالج میگزین میں اشاعت کے لیے دیے تھے۔ اس کا علم نہ ہو پایا کہ یہ دو خط کالج میگزین میں شائع ہوئے یا نہیں اور یہ بھی جانکاری نہ مل پائی کہ فقط تین صفحوں پر مشتمل یہ کتابچہ رامپور رضا لائبریری کیسے پہنچا۔ کتابچہ کی پیشانی پر ''برائے رضا لائبریری رامپور'' لکھا ہے اور نیچے بھیجنے والے کے دستخط ہیں۔ تاریخ ۲۰ مارچ ۱۹۶۷ء درج کی ہے۔ دستخط سے مجھے اندازہ ہوا کہ یہ دستخط میں نے ضرور کہیں اس سے قبل بھی دیکھے ہیں۔ اور یقینی طور پر کسی ادبی شخصیت کے ہی ہیں، لیکن حافظے پر بہت زور ڈالنے کے باوجود تشخص نہ ہو پایا کہ کن صاحب کے دستخط ہیں۔ لطف کی بات تو یہ بھی ہے کہ ان دو خطوں کا ذکر نہ مشفق خواجہ نے کیا ہے اور نہ کسی دوسرے محقق یگانہ نے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دو خط تادم تحریر غیر مطبوعہ ہی ہیں۔ یگانہ کے دوسرے خط میں ایک رباعی، ایک قطعہ اور ایک شعر درج ہے۔ مشفق خواجہ کے مرتبہ ''کلیاتِ یگانہ'' میں یہ رباعی ''غیر مدون کلام'' کے زمرے میں شامل کی گئی ہے۔ اس کے

حاشیے میں ماخذ کے تحت خواجہ صاحب مرحوم لکھتے ہیں ''ترانہ قدیم ص۔۱۵۱، بیاض۔اورق ۶۱، الف و ب بیاض میں یہ رباعی دو مرتبہ لکھی گئی ہے''۔لیکن مشفق خواجہ نے اس مکتوب کا حوالہ نہیں دیا، ورنہ یگانہ کے خطوں میں مندرج کلام کے سلسلے میں 'کلیات یگانہ' میں ان خطوں کا حوالہ بھی دیا گیا ہے کہ جن میں مذکورہ کلام یگانہ نے درج کیا تھا۔اس سے یہی بات صاف ہو جاتی ہے کہ مشفق خواجہ مرحوم کی مذکورہ خطوں تک رسائی نہ ہو پائی۔'کلیات یگانہ' میں یہ رباعی صفحہ نمبر ۵۶۱ پر درج ہے۔خط میں اس رباعی کے بعد دو شعر درج ہوئے ہیں جو آیاتِ وجدانی (طبع ثانی) میں شامل غزل ''دل لگانے کی جگہ عالمِ ایجاد نہیں'' سے ماخوذ ہیں۔اور مکتوب کا آخر شعر بھی اسی مجموعہ کلام میں شامل ہے۔دونوں ہی غزلیں ۱۹۳۰ء کی تخلیق ہیں۔

یگانہ کے دو خطوں کے ساتھ قاضی صاحب کا مکتوب بنام پرنسپل، اورینٹل کالج لاہور، برائے شاعتِ مکاتیب یگانہ، بھی شامل کیا جا رہا ہے۔ساتھ ہی ان تینوں خطوں سے پیش تر قاضی صاحب کے قطعہ تاریخ کا پس منظر بھی درج کیے دیتا ہوں جو قاضی صاحب نے ہیڈ نوٹ میں رقم کیا ہے۔مجھے بے حد اطمینان اور خوشی حاصل ہوئی کہ کچھ اور نہ سہی، کم از کم یہ دو خط میری دریافت کا حصہ بنے۔مرتب)

نوادرِ ادب

۱۹۲۱ء میں ملابار (جنوبی ہند) کے عربی النسل ''موپلا'' مسلمانوں نے انگریزی حکومت کے مظالم کے خلاف ایک منظم تحریک شروع کی تھی، جسے کچلنے کے لئے برطانوی استبداد نے جبر و تشدد کے تمام حربے استعمال کئے۔اسی موقع پر جیل کی ایک تنگ و تاریک

کوٹھری میں جس دم سے ستر (۷۰) موپلا جانباز شہید ہوئے تھے۔ میرا یہ قطعہ اسی حادثہ فاجعہ سے متعلق ہے۔

لاہور

۱۸دسمبر ۱۹۶۳ء

بخدمت گرامی جناب ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب

پرنسپل اورینٹل کالج، لاہور

اہلِ ذوق جانتے ہیں، غالبؔ کی مخالفت، غزلیں اور رُباعیاں، شعر گوئی میں طبیعت کی تیزی، یہ وہ خصوصیات ہیں جو میرزا یگانہؔ کا نام لیتے ہی ذہن میں کوند جاتی ہیں۔ جب طبیعت کی تیزی نے لکھنؤ میں رہنا مشکل کر دیا تو حیدرآباد چلے گئے۔

پہلی مرتبہ ۱۹۲۱ء میں میں نے موصوف کو ایک قطعہ تاریخ برائے مشورہ بھیجا تھا۔ دس سال کے بعد پھر ایسی ہی کسی تقریب پر انہیں خط لکھا تو اُن کا وہ دس برس پہلے کا خط یاد دہانی کے لئے بھیجا۔ میرے دوسرے خط کے جواب میں جو گرامی نامہ اُن کا آیا اس سے مخصوص جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ خط کم و بیش تاریخی حیثیت رکھتا ہے اس لئے جناب کی خدمت میں ارسال ہے۔ اگر مناسب خیال فرمائیں تو اورینٹل کالج میگزین میں شائع کر دیں تا کہ میرزا صاحب مرحوم سے دلچسپی رکھنے والے احباب اسے ملاحظہ فرمالیں۔

نیاز مند

قاضی امین الرحمان صدیقی

ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ شعبۂ برقیات مغربی پاکستان

مکان نمبر ۱۲ گلی نمبر ۱۱۱ کرشن نگر، لاہور

(۱)

حادثۂ غمگیں ملیبار

جون ۱۹۲۱ء

چو بیدم، بماندنداز جس دم
بیک لحظہ ھنقا داسیران ظلم
الموح سرمدفن ایں گروہ
مباید عبشتن ''شہیدان ظلم''

کرم فرمائے بندہ زاد لطفکم۔ یادآوری وقدرافزائی کا شکریہ

اگر چہ فنِ تاریخ گوئی میں مجھے ذرا بھی دخل نہیں، میں اس سے کوسوں بھاگتا ہوں مگر اتنا ضرور عرض کروں گا کہ آپ نے مادہ تاریخ بہت خوبصورت نکالا ہے۔ ''شہیدان ظلم'' اگر چہ بجائے خود جامع لفظ ہے مگر آپ نے پہلے دو مصرعوں میں واقعات کے طرف بھی اشارہ کردیا ہے۔ میرے خیال میں قطعہ نہایت خوب ہے اسے شائع کر دیجئے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اصلاح کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ آپ نے سرخی سے سنہ عیسوی نکالا ہے، یہ بھی برا نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ بعض لوگ ''حادثہ غمگین'' کی ترکیب پر شبہ ظاہر کریں مگر یہ شبہ قابل توجہ نہ ہوگا۔

نیازمند
میرزا یاسؔ

(۲)

میرزا یگانہ چنگیزی

عثمان آباد دکن

۱۱ر دسمبر ۱۹۳۱ء

مجی و مخلصی زاد لطفکم

بعد تحفۂ سلام شوق واضح ہو کہ آپ کا محبت نامہ مورخہ ۲۷ر نومبر موصول ہوا۔ جواب میں تاخیر ہوئی، معاف فرمائیں۔ کیا معلوم تھا کہ مجھ ایسے خود پرست، خود بین، مغرور اور نہ معلوم کیا کیا، شخص کے چاہنے والے بھی پیدا ہو جائیں گے اور میری تحریروں کو جگو جگو کر رکھیں گے۔ آج مجھے اپنی دس برس قبل کی تحریر دیکھ کر، جو آپ نے لکھنؤ کے ادنیٰ سے ادنیٰ شخص میں نظر نہ آئیں گے (یعنی لکھنویوں کی نگاہ میں) مگر اُس کا کیا جواب ہے کہ میں اپنے عیب ہی پر والہ و شیفتہ ہوں کیونکہ جو کچھ بھی میرے پاس ہے وہ خلاق ازل کا دیا ہوا ہے، خواہ عیب ہو خواہ ہنر۔ لکھنؤ میرا وطن ہے۔ وہاں کی خاک سے مجھے الفت ہے (اگر چہ میری پیدائش عظیم آباد میں ہوئی) مگر کیا عرض کروں لکھنویوں کی اخلاقی تباہی کا مجھے کتنا رنج ہے۔ بدنام کنندہ نکو نامے چند کے ہاتھوں لکھنؤ کا وقار جاتا رہا۔ نفسانیت، بغض و حسد انسان کو تباہ کر کے چھوڑتے ہیں۔ خیر، خدا رحم کرے شکر ہے کہ میں لکھنؤ کی مسموم فضا سے نکل آیا۔ ویرانے میں پڑا ہوں، جنگل میں منگل منا رہا ہوں۔

لکھنؤ سے نکلنے کے بعد معلوم ہوا کہ جہاں میرے ہزاروں دشمن ہیں۔ وہاں بھتیرے دوست بھی ہیں۔ اور وہ انسان ہی کیا جس کے دوست ہی دوست ہوں، دشمن کوئی نہ ہو۔ زندگی وہ زندگی ہے جس کے دونوں پہلو دشمن و دوست سے آباد ہوں، ورنہ انسان ناقص رہ جاتا ہے،

(رباعی)

دل ہے بنیاد عالم کون وفساد

دل ہی نہ رہا تو زندگی برباد

تھے دشمن ودوست سب اسی کے دم سے

دونوں پہلوئے زندگی تھے آباد

☆

دشمن ودوست سے آباد ہیں دونوں پہلو

دل سلامت ہے تو گھر عشق کا برباد نہیں

کیا عجب ہے کہ دل دوست ہو مدفن اپنا

کشتۂ ناز، ہوں میں کشتۂ بیداد نہیں

☆

وہ بھی دن ہوگا کہ دشمن مہرباں ہو جائے گا

کجروی سے آپ عاجز آسماں ہو جائے گا

آپ کی امانت واپس ہے۔

نیاز مند

میرزا یگانہ لکھنوی

سب رجسٹرار، عثمان آباد، دکن

حواشی

بابِ سوم

۱) یگانہ چنگیزی ۱۹۲۷ء میں حیدر آباد پہنچے۔ لیکن ۱۹۳۱ء تک 'جتنا کام اتنی اجرت' کے تحت محکمہء رجسٹریشن میں ملازمت کرتے تھے۔ جو باقاعدہ ملازمت نہ تھی ۱۹۳۱ء میں یگانہ کو اسی محکمہء میں سب رجسٹرار کی تقرری مل گئی۔ تب کہیں جاکر یگانہ پر کچھ فراغت اور کسی قدر خوش حالی کے دن آئے۔ وگرنہ اردو کا اتنا بڑا شاعر، دانشور محض Hour Basis پر کام کرتا رہا۔ اب جو میرزا یگانہ روزگار کے جھمیلوں سے آزاد ہوئے تو ادب پر پھر سنجیدگی سے کام کرنے لگے۔ مجھے یہاں بابا فرید گنج شکر کا ایک پنجابی دوہا یاد آ گیا۔

پنج رکن اسلام دے، تے چھیواں فرید اٹک
جے نہ لبھے چھیواں، تے پنجے ای جاندے مک

(اسلام کے پانچ رکن بیان کیے جاتے ہیں، لیکن اے فرید! ایک چھٹا رکن بھی ہے، اور وہ ہے روٹی، اگر یہ چھٹا نہ ملے تو باقی پانچوں بھی جاتے رہتے ہیں) بہر کیف ۱۹۳۳ء میں یگانہ کی شاہ کار تصنیف مجموعہء رباعیات ''ترانہ'' اردو بک اسٹال لوہاری دروازہ لاہور سے شائع ہوئی۔ جو بلاشبہ فارسی اور اردو ادب کے چند بہترین مجموعہء رباعیات میں شمار کی جانی چاہیے۔ غالباً اردو شاعری کا یہ پہلا مجموعہ رہا ہو جس میں ہر رباعی کو ایک معقول سا عنوان دیا

گیا ہے۔ یگانہ کی اختراعی طبیعت ان کے تمام ہی مجموعہ نظم ونثر میں دکھائی پڑتی ہے۔ ۲۱۰ صفحاتی 'ترانہ' میں صفحہ نمبر ۱۷۹ سے کچھ رباعیاں ''مزاحیہ'' کے تحت شائع کی گئیں۔ جن میں صفحہ نمبر ۲۰۳ سے ۲۱۰ تک ۸ رباعیاں حضرتِ غالبؔ سے متعلقہ ہیں۔ 'مزاحیہ' کے کچھ پہلے ایک فارسی رباعی بھی جنابِ غالبؔ سے ہی خطاب ہے۔ یہ مجموعہ کلام جب یگانہؔ نے پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیبؔ کو بھجوایا تو انہوں نے محبت بھرا اعتراض کیا کہ 'مزاحیہ' کے تحت میرزا غالبؔ پر رباعیات مجموعہ میں شامل نہیں کرنی چاہیے تھیں۔' اس کے جواب میں یگانہؔ نے ۲۵ دسمبر ۱۹۳۳ء کو ایک تفصیلی، مدلل اور ٹھوس خط ادیب کو بھجوایا' (یگانہ احوال و آثار۔ ڈاکٹر نیر مسعود۔ صفحہ نمبر ۱۶) جس میں غالبؔ کی تمام قلعی کھول دی گئی۔ فارسی شعراء سے تراجم و استفادہ کے مہذب پردے میں غالبؔ کی چوریوں کو پڑھ کر ہر ذی شعور کی طبیعت پھڑک اٹھے گی۔ ادیبؔ کی ایماء پر یہی مکتوب ''غالبؔ شکن'' کے عنوان سے ۱۹۳۴ء میں آرمی پریس، دیال باغ، آگرہ سے شائع ہوا۔ اس کتابچہ کے شائع ہوتے ہیں یگانہؔ کو ایک اور نیا لقب مل گیا ''غالبؔ شکن یگانہ''۔ غالبؔ کو پیر پیغمبر کی طرح چاہنے والی اردو قوم بے طرح یگانہ کی مخالفت کے لیے اتر کھڑی ہوئی۔ کئی ایک مضامین یگانہ کے خلاف لکھے گئے، لیکن سب آئیں بائیں شائیں۔ یگانہ کے مدلل وٹھوس اعتراضات کا جواب کوئی مقلد غالبؔ دے نہ پایا۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ لوگ اپنے پسندیدہ شاعر کے خلاف کچھ سننا پسند نہیں کرتے تھے اور آج یہ عالم ہے کہ اگر کوئی میرؔ کے بھی خلاف لکھنے لگے تو اس کی کاروائی یک طرفی ہی ٹھہرے گی۔ اردو شاعری میں فی زمانہ دو ہی طرح کے شاعر ٹکے ہوئے ہیں۔ ایک تو وہ کہ جنھیں پیر پیغمبری کا درجہ مل گیا ہے۔ اور جن کے آگے لاحقے کے طور پر ''رحمت اللہ علیہ'' وغیرہ لگایا جانا جہلا و علما نے اپنا فرض عین سمجھ لیا ہے۔ آدھی اردو دنیا میں حضرتِ اقبالؔ اپنی پیر پیغمبری کی بنا پر ہی ٹکے ہوئے ہیں۔ ادھر کچھ لوگوں نے ہمارے بے چارے سیدھے

سادھے معصوم شاعروں کو ولی اللہ اور صوفی بنا کر رکھ چھوڑا ہے۔ جن میں خسروؔ، خواجہ میر درد وغیرہ شامل ہیں۔ اور دوسرا وہ طبقہء شعراء ہے جو محض جامعاتی ضرورت کے تحت ٹکا ہوا ہے۔ یونیورسٹیوں میں ایسے شعراء وادباء کہ جو شریکِ نصاب ہیں، وہی درخورِ اعتناء قرار پاتے ہیں۔ وگرنہ یہاں سے وہاں تک گھٹا ٹوپ اندھیرا ہے۔ خدا خیر کرے۔

۲) جہانگیر، عالم گیر، نیرنگِ خیال۔ یہ تینوں ہی ادبی پرچہ جات لاہور سے شائع ہوتے تھے۔ لاہور میں یگانہ کے چاہنے والوں کی خاصی تعداد تھی۔

۳) رسالہ ساقی، دہلی کے شمارہ بابت مئی ۱۹۳۴ء میں ماہر القادری کا مضمون ''یگانہ ءشاعری'' شائع ہوا تھا جو کسی صورت معتبر تنقید کے ذیل میں نہیں رکھا جا سکتا۔ بعد کو اسی مضمون کا جواب باقر مہدی نے دیا تھا۔

۴) یگانہ کا شعری مجموعہ ''آیاتِ وجدانی'' کے تین ایڈیشن شائع ہوئے۔ پہلا ایڈیشن شیخ مبارک علی تاجر لوہاری دروازہ لاہور کی ایماء پر مطبع کریمی لاہور سے ۱۹۲۷ء میں منظر عام پر آیا۔ دوسرا ایڈیشن ۱۹۳۴ء میں دلی پرنٹنگ ورکس دہلی سے شائع ہوا۔

۵) یگانہ کے قیامِ آگرہ کی تفصیلات مکاتیب بنام شعلہ کے حاشیہ نمبر ۱۶ میں درج کی جا چکی ہے۔

۶) ''غالب شکن'' کا دوسرا ایڈیشن ''غالب شکن دو آتشہ'' کے عنوان سے اول اشاعت کے ایک سال بعد ۱۹۳۵ء میں شائع ہوا۔ اول ایڈیشن کے بعد کئی اور اضافے سرانجام دیے۔ گئے اول ایڈیشن کی ضخامت محض ۳۲ صفحات تھی جب کہ دو آتشہ ۸۰ صفحات کو محیط کرتا ہے۔ ٹھیک ایسا ہی اضافہ مشمولہ رباعیوں میں بھی کیا گیا جو ۲۴ سے ۳۲ ہو گئیں۔

۷) لکھنو سے شائع ہونے والے مجلّہ ماہنامہ ''الناظر'' میں یگانہ کی تصنیف ''آیاتِ وجدانی'' کے خلاف مولوی اسمٰعیل احمد مینائی تسنیم، حیدر آباد کے مضامین کا سلسلہ شروع ہوا

جو جولائی ۱۹۳۵ء تا جون ۱۹۳۶ء جاری رہا۔ جسے بعد میں مضمون نگار نے ''دو میرزا'' کے عنوان سے کتابی شکل میں شائع کیا۔ ایک آیاتِ وجدانی کا مصنف میرزا یگانہ اور دوسرا آیاتِ وجدانی کا محاضرات نگار میرزا مراد بیگ۔ اس پوری کتاب میں پرلے درجے کی اوٹ پٹانگ باتیں کی گئی ہیں۔ اس کتاب کے اولین مطالعے میں میں گھنٹوں ہنستا رہا۔ یہ کتاب میری تحویل میں ہے اور میرے مقالے ''یگانہ چنگیزی۔ تحقیق و تجزیہ'' میں، میں نے اس واہیات کتاب کا خوب تجزیہ کیا ہے۔ اس کی بھی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ صاحبِ کتاب اپنے پیش لفظ میں خود کو 'غالب پرست'' بتاتا ہے۔

۸) بے خود موہانی مراد ہیں، ہر چند کہ کسی زمانے میں بیخود یگانہ کے قریبی ہوا کرتے تھے۔ (لیکن تب بھی معاملہ کچھ مصلحت پسندی کا ہی رہا۔ یعنی، دشمن کا دشمن اپنا دوست) معیار پارٹی کے لوگوں سے بیخود بھی بری طرح نالاں بلکہ شاکی تھے۔ اسی کے تحت یگانہ اور بیخود میں قربت رہی ہو۔ 'معیار پارٹی' کی طرز پر یگانہ نے 'انجمنِ خاصانِ ادب' کی تشکیل دی۔ اس انجمن میں بیخود سیکریٹری کے عہدے پہ فائز تھے۔ خدا جانے کیا حالات بنے کہ یگانہ کی بیخود سے ملاقات قطع ہوگئی۔

۹) ''مکتوب الیہ نے اپنی کتاب 'ہماری شاعری' میں اختصار کی بحث کرتے ہوئے میر اور نظیر کے دو ہم مضمون قطعوں کا موازنہ کیا تھا اور میر کے قطعے کو بہتر قرار دیا تھا۔ بیخود اس کے خلاف تھے۔'' (نیر مسعود۔ مکاتیبِ مشاہیر بنام ادیب)

۱۰) عبدالرحمٰن بجنوری نے لکھا ہے کہ ''ہندوستان کی الہامی کتابیں دو ہیں۔ وید مقدس اور دیوانِ غالب'' (محاسنِ کلام غالب۔ عبدالرحمٰن بجنوری، انجمن اردو پریس، اردو باغ، اورنگ آباد، ۱۹۲۵ء صفحہ نمبر ۱) بجنوری کی 'غالب پسندی' بلکہ 'غالب پرستی' مذکورہ خیال سے عیاں ہے۔ یگانہ کو اسی بات کی چڑ تھی۔ بجنوری نے ہندوستان کے تمام اردو اور فارسی

شاعروں کا حق غالبؔ کو دے دیا۔ جو کسی صورت قابل قبول نہ ہوگا۔

۱۱) یگانہ چاہتے تھے کہ پروفیسر ادیبؔ 'آیاتِ وجدانی' اور 'ترانہ' کی شرح لکھیں۔ چونکہ ادیب نے اپنی تصنیف 'ہماری شاعری' میں یگانہ کے کئی بہترین شعر 'اوصافِ شاعری' کے ذیل میں درج کیے تھے، بلا شبہ ادیبؔ بلا کے سخن شناس آدمی تھے، اسی لیے شاید یگانہ کے دل میں ایسا خیال پیدا ہوا ہو۔ لیکن یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔

۱۲) حیدر آباد سلطنت (دکن) اور علاقہ برار کی سرحد پر آباد ایک چھوٹا سا قصبہ جو برار کے ضلع ایوت محل سے متصل ہے۔

۱۳) اور ۱۴) ڈاکٹر نیر مسعود حاشیہ میں لکھتے ہیں ''میر انیسؔ کا مصرع رباعی کے وزن میں نہیں ہے۔ مکتوب نگار بہت اچھے عروض داں تھے لیکن دونوں جگہ انھوں نے اسے رباعی کا مصرع لکھا۔ اس سے ان کی ذہنی پریشانی کا ثبوت ملتا ہے جس کی طرف انھوں نے حاشیہ میں اشارہ کیا ہے''۔ نیر مسعود صاحب کا فرمانا بجا ہے کہ انیسؔ کا یہ مصرع رباعی کے مسلمہ ۲۴ وزنوں میں سے کسی وزن پر نہیں بیٹھتا۔ بلکہ یہ مصرع بحرِ رمل کے وزن پر ہے۔ اس سلسلے میں مزید تشفی کے لیے حضرتِ ناوک حمزہ پوری سے بھی استفسار کیا گیا۔ دوسرا نکتہ بھی نیر مسعود صاحب نے درست لکھا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب یگانہ رٹائرمنٹ کے بعد دوسری مرتبہ تلاش معاش کے لیے حیدر آباد گئے تھے۔ جس کی تفصیل مکاتیب بنام شعلہ کے حاشیہ نمبر ۳۱ اور ۳۸ میں درج کی گئی ہے۔ اسی ذہنی کشمکش میں یگانہ غیر رباعی کو رباعی لکھ بیٹھے وگرنہ یگانہ کی تصنیف ''چراغ سخن'' عروض کی معدودے چند مفید کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔

۱۵) حیدر آباد میں کسی نے اقبالؔ کو ''شاعر اعظم'' کہہ دیا ہوگا، ممکن ہے اسی کے تحت یگانہ نے یہ رباعی کہی ہو۔ 'خدا بھی ہارا' سے مراد اقبال کی نظم ''شکوہ'' سے ہے۔ جس میں خدا تعالیٰ کو 'ہرجائی' اور نجانے کیا کیا کچھ کہا گیا۔ اس نظم میں اقبالؔ کا رویہ ہی کچھ ایسا تھا کہ خدا بھی کیا

جیت سکے۔

۱۶) اقبال کا مصرع ہے۔ مکمل شعر یوں ہے۔

در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے

یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ

۱۷) اہل نظر خوب سمجھتے ہیں کہ یگانہ نے کتنا بڑا معاشرتی فلسفہ اس ایک فقرے میں بیان کر دیا ہے۔ اتنے برس گزر جانے کے بعد بھی صورتِ حال وہی ہے۔

۱۸) نقطے اصل کے مطابق ہیں۔ (نیر مسعود)

۱۹) ڈاکٹر نیر مسعود صاحب لکھتے ہیں ''جب میرزا کا جلوس نکالا گیا اور گھر لوٹ لیا گیا تو وہ بہت خائف ہو گئے تھے۔ اس کے بعد کچھ عرصے تک وہ مکتوب الیہ کے مکان کے بیرونی حصے میں مقیم رہے اور ۹ اگست کو بلا اطلاع وہاں سے چلے گئے''۔ یہ بیان درست نہیں ہے۔ مکاتیب بنام شعلہ کے حاشیہ نمبر ۸۷ میں یگانہ کے قیامِ 'ادبستان' کی تفصیل درج کی گئی ہے۔ یہاں ایک فقرہ دہرایا جاتا ہے۔ یگانہ مکتوب بنام آغا جان بتاریخ ۲۲ ستمبر ۱۹۵۵ء میں یگانہ لکھتے ہیں ''تمہاری اماں جان نے مجھے اتنا عاجز کیا کہ میں تنگ ہو کر پروفیسر مسعود حسن صاحب کے باغ کے ایک حجرے میں آ گے چھر ڈال کے ٹھہر گیا ہوں''۔ مکمل خط کتابِ ہٰذا میں شامل ہے۔ پھر یہ ممکن ہے کہ یگانہ نے ادیب کو وہی وجہ بتائی ہو جس کا ذکر نیر مسعود صاحب نے کیا، لیکن فی الحقیقت معاملہ اندرونی رہا۔

بابِ چہارم

بنام بلند اقبال

(اس خط کی تاریخ معلوم نہ ہوسکی۔ تاہم بلند اقبال کے بیان کے مطابق یہ خط یگانہ کے اولین سفر دکن کے دس پندرہ دن بعد لکھا گیا تھا۔ یگانہ ۱۹۲۷ء میں پہلی مرتبہ حیدر آباد تشریف لے گئے تھے۔ گمان غالب ہے کہ خطِ مذکور ۱۹۲۷ء کے وسط میں لکھا گیا ہو۔ مرتب)

بلند اقبال!

میری بچی! تیرا بابا کیسی مجبوری میں تم لوگوں کو اس حال میں چھوڑ کر نکلا ہے اور حال یہ ہے کہ دل کو قرار نہیں۔ ایک لمحے کے لیے یہ بھی یہاں کی گہما گہمی، آؤ بھگت، خاطر تواضع کچھ اچھا نہیں لگتا۔ ایک نواب صاحب نے آج میری بڑی پرتکلف دعوت دی تھی جس میں اور بھی بہت سے معززین شہر بلائے گئے تھے، انواع اقسام کی نعمتیں دستر خوان پر سجائی جا رہی تھیں، کچھ دیر میں وہاں کے انتظامات دیکھتا رہا اس کے بعد لوگوں کی نظریں بچا کر چپکے سے نکل آیا۔ اس احساس نے مجھ کو وہاں ٹکنے نہ دیا کہ میرے بچوں پر نہ معلوم کیا عالم گزر رہا ہوگا اور میں یہاں ایسی دعوتوں سے لطف اندوز ہوں، یہ مجھ سے نہ ہوگا۔ وہاں مجھے

ہر طرف تلاش کیا جارہا ہوگا۔ میں جن صاحب کے ہاں مہمان ہوں ان کے کمرے میں بند تم کو یہ خط لکھ کر اپنے دل کا بوجھ کچھ ہلکا کر رہا ہوں۔ دعا کرو کہ یہ آزمائش کے دن جلد ختم ہوں ہم لوگوں کے۔ آمین۔

میرزا یگانہ لکھنوی

بنام آغا جان

(۱)

پیلا مکان، شاہ گنج
لکھنو
۱۱ستمبر ۱۹۵۵ء

آغا جان۔ سلامت رہو۔ کیا کہوں مر رہا ہوں۔ ہر تیسرے چوتھے مرنے لگتا ہوں، مگر مرنہیں چکتا۔ کئی دن سے تمہارے خط کا انتظار کر رہا ہوں۔ کچھ خیر خبر؟؟

میرزا یگانہ

(۲)

پیلا مکان، شاہ گنج
لکھنو
۲۳ستمبر ۱۹۵۵ء

جان پدر، سلامت رہو۔

تمہارا خط مورخہ ۱۵ ستمبر ملا اور اس سے پہلے بھی اک خط ملا۔ شعلہ کی طرف خیال کرنا بیکار ہے۔ اون (اُن) کی مالی حالت درست نہیں ہے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں "آپ کا خط ملا۔ پڑھ کر کس درجہ صدمہ ہوا کیا کہوں۔ میری زندگی شرمندگی بن کر رہ گئی ہے۔ آپ مجھے باپ سے بھی زیادہ عزیز ہیں اور میری نافرماں برداری کی حد یہ ہے کہ مدتوں سے آپ کی پریشانیوں کو دیکھ رہا ہوں مگر تماشائی کی حیثیت سے۔ کبھی کوئی خدمت نہیں کی۔ ہمدردی بھی ظاہر ہوئی تو زبانی، جو اوڑھنے کے کام کی نہ بچھانے کے۔ میں اپنی نظروں میں اس درجہ ذلیل کبھی نہ ہوا تھا جتنا اب ہوں۔۔۔۔۔۔۔ ناقدر شناسی کی انتہا ہو چکی ہے۔ ہندوستان کا شاعر اعظم مفلوک الحالی میں جھونپڑی میں آخری وقت بسر کر رہا ہے۔ قوم تو خیر، مجھ ایسے ناشناس کو یقیناً شرم آنی چاہیے"۔

جھونپڑی ڈال کر رہنے کا واقعہ یوں ہے کہ تمہاری اماں نے مجھے اتنا عاجز کیا کہ میں تنگ ہو کر پروفیسر مسعود حسن صاحب کے باغ میں اک حجرے میں (آگے چھپر ڈال کر) جا کر ٹھہر گیا۔ ۱۴ جون کو حسن بانو یہاں سے روانہ ہو گئیں اور ۱۵ جون کو میں مسعود صاحب کے ہاں چلا گیا۔ آخر جولائی سے بارش کی شدت ہونے لگی اور یہاں طبیعت کا یہ حال کہ دو قدم نہیں چل سکتا۔ پیٹ میں سانس نہیں سماتی۔ گھڑی گھڑی نڈھال ہو کر پلنگ پر کروٹیں بدلتا رہتا ہوں۔ ایک بڈھا نوکر مل گیا تھا جو میری خبر گیری کرتا تھا۔ مگر جب وہ کھانے پینے کے لیے باہر چلا جاتا تو پھر میں اکیلا رہ جاتا پھر خدا یاد آتا۔ آس پاس کوئی نہیں۔ جب حالت زیادہ خراب ہو گئی تو میں یہیں پہلے مکان میں واپس آ گیا۔ نثار حسین صاحب نے مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ خدا اونھیں (انہیں) خوش رکھے۔ مگر تمہاری اماں میری اس چند روزہ زندگی سے اتنی بیزار ہیں کہ میرا ساتھ رہنا اونھیں (انہیں) گوارا ہی نہیں۔ تم

یہاں کیوں آئے۔میرے ٹھکانے پر کیوں آئے۔جب جانتے تھے کہ میں یہاں رہتی ہوں تو کیوں آئے۔(کرایہ کے مکان سے) میں شہنشاہ حسین وکیل کے مکان میں مولانا ناصر حسین صاحب کے مکان کے سامنے رہتا تھا۔وہاں سے مجھے دوبارا کیلا چھوڑ چلی آئیں۔

خیراب شہر میں سجاد حسین کی بیوی کراچی جانے لگیں تو تمہاری اماں بھی اٹھ کھڑی ہوئیں اور ہمیشہ کے لیے مجھے تنہا چھوڑ گئیں۔خدا معلوم اون (اُن) پر کیا گزری۔سرحد پر روک لی گئیں۔قانون کی حدوں میں جو کچھ بھی ہو۔

میرا خیال ہے نومبر میں تمہیں خود ایک سو روپیہ بھیج سکوں گا اور ایک سو ہاشم صاحب سے دلوادوں گا۔

اس سن میں ایسے مریض کو اس طرح مارنا چاہا کہ پانی دینے والا بھی نہ ہو۔بار بار فرماتی تھیں کہ اب مزہ مل جائیگا تنہائی کا۔نہایت کرب وایذا میں ہوں۔

یگانہ

(۳)

پیلا مکان، شاہ گنج

لکھنو

۱۱۳ اکتوبر ۱۹۵۵

جان پدر۔سلامت رہو

تمہارا خط دیکھا جو تم نے اپنے خالو جان کو بھیجا ہے۔مجھے بھی تمہارے خط ملے ہیں، جواب جو نہ دے سکا اس کی وجہ یہ نہیں کہ چار سطریں لکھنے کے لیے اب مجھے کتنی کوشش کرنا پڑتی ہے۔پلنگ پر اٹھ کے بیٹھنا، پھر بستہ اٹھانا، بستہ کھولنا، کاغذ نکالنا، لفافے اور ٹکٹ

لگانا، قلم نکالنا، روشنائی بھرنا پھر لکھنا۔ٹکٹ نکالنا اور ڈاک میں بھیجنے کی فکر، اب کیوں کر سمجھاؤں کہ یہ سب کیسی منزلیں طے کرنا پڑتی ہیں۔ اک ایسے شخص کو جس کی سانس قابو میں نہیں۔ ذراسی جنبش میں ہانپنے لگتا ہوں۔ خط کا جواب نہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ ۲۴ ستمبر کے بعد ہاشم صاحب کا کوئی خط نہیں آیا۔ آیا تو کل آیا جس میں پایا جاتا ہے کہ وہ غالباً ۱۶ اکتوبر تک بمبئ پہونچیں (پہنچیں) گے۔ وہ آلیں تو پھر میں اون (اُن) سے تمہارے بارے میں گفتگو کروں۔ میں اپنا حال کیا لکھوں کیوں کر سمجھاؤں۔ کوئی میرے پاس نہیں۔ خدا زکیہ بیگم اور بھائی نثار حسین کو خوش رکھے کہ مجھے سنبھالے ہوئے ہیں بقدرِ امکان۔ مگر بیمار کے پاس جو زندگی کے دن گن رہا ہو کوئی تیماردار نہیں تو رات کیوں کر کٹے؟

میرزا یگانہ

(۴)

پیلا مکان، شاہ گنج

لکھنو

۲۶ اکتوبر ۱۹۵۵

آغا جان، سلامت رہو۔

۱۵ اکتوبر کو میں نے ایک ضروری خط تمہیں لکھا ہے جس کا جواب اب تک نہیں آیا۔ شہریار میرزا سے رقم تمہیں وصول ہوگئی یا نہیں۔ جلد اطلاع دو۔

میرزا یگانہ

وہ جان ادب، خاصہء خاصان ادب
ساتھ اپنے یگانہ لے گئے شان ادب

مرزا کا قدم غلط نہ پڑتے دیکھا
ناحق کبھی یاروں سے نہ لڑتے دیکھا
سیدھے سے آدمی تھے بالکل سیدھے
جھکتے کبھی دیکھا نہ اکڑتے دیکھا

بنام حیدر بیگ

لکھنو

۱۹ اگست ۱۹۴۵ء

پیارے حیدر بیگ، سلامت رہو۔

تمہارا خط مورخہ یکم اگست سامنے ہے۔ میں کوئی پندرہ دن سے ناسازی مزاج کے سبب بے چین ہوں۔ اور یہ تو ہونا ہی ہے، سمجھی ہوئی بات ہے۔ خیر ادھر کی فکر

چھوڑو۔ اپنے کام کی طرف دھیان رکھو۔ خدا تمہیں کامیاب کرے۔

میں اپنا کام کر چکا۔ کبھی کبھی یگانہ صفت، سقراط صفت انسان بھی پیدا ہو جاتے ہیں جن سے قوم بھی ہار جاتی ہے۔ بات کا جواب دے نہیں سکتی تو تشدد پر اتر آتی ہے۔ یہی ہوتا رہے گا۔

کرنا جو کچھ تھا کر چکے اپنے حساب
بھرنا جو کچھ تھا بھر چکے اپنے حساب
اب دل ہی نہیں تو موت کا ڈر کیسا
مرنا تو برحق ہے مر چکے اپنے حساب

یگانہ

(رباعی کے مصرع اولیٰ میں لفظ 'کرنا' کو کھینچ کر پڑھنا چاہیے۔ یگانہ)

بنام مولوی سید الطاف حسین ماسٹر

(۱)

میرزا یگانہ چنگیزی
سلطان روڈ، منصور نگر
لکھنو
۲۴ مئی ۱۹۵۱ء

جزائے خیر دے اللہ اس دیرینہ دشمن کو
بلائے زندگی لپٹی ہے اب تک نیم بسمل سے

حضرتِ سیدی و مولائی دامت لطفکم

بعد ادائے مراسم تسلیم گزارش خدمتِ عالیہ یہ ہے کہ والا نامہ مورخہ ۳ فروری ۵۱ء جو مجھے کراچی میں ملا تھا میرے سامنے ہے۔ خدا کا شکر ہے میں اس کا جواب دینے اور لکھنو تک پہنچنے کے لیے زندہ رہ سکا۔ کیا عرض کروں میں وہاں کس روحانی ایذا میں مبتلا تھا کہ کہیں وہاں کی خاک دامن گیر نہ ہو جائے۔ وہاں اور یہاں بہتیرے اصحاب کو حیرت ہے کہ کیوں کر گورنمنٹ آف انڈیا اور یو پی گورنمنٹ سے مجھے یہاں دوبارہ سکونت کی اجازت مل گئی۔ بات یہ ہے کہ عارضی پرمٹ لے کر چند دنوں کے لیے وہاں گیا تھا فقط اپنے لڑکوں کو دیکھنے کے لیے۔ درمیان میں ایسے واقعات پیش آ گئے کہ پرمٹ کی مدت گزر گئی اور اس

طرح پاکستان سے واپس آنا بظاہر ناممکن نظر آتا تھا، مگر خدا بھلا کرے دو شریف النفس ہندوؤں کا جنھوں نے نہایت محنت اور ہمدردی کے ساتھ مجھے پرمٹ دلا کر تین گھنٹے کے اندر کراچی سے دہلی پہونچا دیا اور وہاں سے پھر لکھنو آ گیا۔ اب میں بڑی خوشی سے مرنے کو تیار ہوں۔ حالات ہی ایسے ہیں۔ سینہ نہایت کمزور ہے۔ تنفس کا مرض تو برسوں سے تھا۔ مگر چھ ساتھ مہینے پاکستان میں سختیاں اٹھا کر اور بڑھ گیا۔ علاج تو کر رہا ہوں مگر طاقت گھٹتی ہی جا رہی ہے۔ اب زیادہ دور تک چل نہیں سکتا۔

یگانہ

(۲)

لکھنو

۳ جولائی ۱۹۵۴ء

حضرتِ سیدی و مولائی دامت لطفکم

تسلیمات۔ والا نامہ مورخہ ۱۵ جون مجھے ۳۰ جون کو ملا۔ یہ امر میرے لیے کس قدر باعثِ تسکین ہے کہ آپ نے اس ۵۴ھ تک مجھے یاد رکھا۔ میں کیا عرض کروں کس حال میں ہوں۔ گو ادھر دو ہفتہ سے کسی قدر بہتر حالت میں ہوں اور وہ یہ کہ پڑا رہتا ہوں تو غنیمت ہے مگر اٹھ کر جہاں دس پانچ قدم چلا ہانپنے لگتا ہوں۔ کئی سال سے دمہ کا مریض ہوں۔ کئی بار موت قریب آ کر پلٹ گئی۔ مر رہا ہوں مگر مر نہیں چکتا۔

مین پوری کے ایک مشاعرے میں میں نے ایک شعر پڑھا تھا اور آپ سامنے ہی بیٹھے تھے غالباً یاد ہوگا۔

عمر گھٹنے کے لیے ہے وقت کٹنے کے لیے
مفت دن گننے کو ہم پکڑے گئے بیکار میں

اب اپنا شعر قال مطابق حال یعنی جگ بیتی سے آپ بیتی بن گیا۔ اب معلوم ہوا کہ دن کٹنا کسے کہتے ہیں۔ صبح ہوتی ہے چائے پی لیتا ہوں اور دوپہر کو ایک روٹی کھا لیتا ہوں صبح سے شام شام سے صبح ہوتی ہے اور میں یوں ہی پڑا رہتا ہوں۔ کوئی کام نہیں کر سکتا۔ اب تو کوئی کتاب بھی پاس نہیں، سارا گھر، مکان بہادر روڈ والوں نے لوٹ لیا۔ افسوس ہے زندگی بھر کا سرمایہ یعنی میرے قلمی مسودات بھی لٹ گئے۔ زیادہ کیا لکھوں۔ دعا فرمائیں کہ اب جلد چھٹکارا ہو۔

یگانہ

بنام من موہن تلخ

(۱)

۱۸ دسمبر ۱۹۵۳

رباعی

(ایک راوی کے بیان کا خلاصہ)

کھایا ہوگا نہ باپ دادا نے کبھی
سیروں پی جائیں دہی ہو کہ کڑھی (وہ کیسا دہی ہوگا)
مل جائے جو رامپور والے کا اُلش
اک لقمہ میں چھٹ جائے پھپھوندی منہ کی

(۲)

۱۹۵۳

یگانہ آرٹ

کہنے کو تو کعبہ بھی خدا کا گھر ہے
دیکھا تو وہی اینٹ ہے یا پتھر ہے
حق کا مرکز ہے حق شناسوں کے لیے
یہ سینہء بے کینہ عجب مندر ہے

☆

کافر کوئی اپنا ہے نہ دیں دار اپنا
اچھا نہ سہی کوئی خریدار اپنا
ٹیکا ہے نہ گھٹا ہے یہاں ماتھے پر
سیرت اپنی ہے اور کردار اپنا

(۳)

۱۹۵۴

یگانہ آرٹ

اتنا سادہ تو کوئی انساں بنے
محفل میں قدم رکھتے ہی ناداں بنے
گہرے اتنے کہ تھاہ دیتے ہی نہیں
بیٹھے ہیں جو کھوئے ہوئے انجان بنے

میرزا یگانہ چنگیزی لکھنوی

عزیزی من موہن تلخ زادلطفہ، ۱۰۵، نیو مارکٹ، شنکر روڈ، راجندر نگر، نیو دہلی

(۴)

۱۹۵۵

رباعی

ناکامیوں سے حوصلہ ہوتا نہیں پست
بدنام سہی! حال میں اپنے ہیں مست
لکھی تھی میرزا یگانہ کے لیے
باطن کی فتح اور ظاہر کی شکست

بنام رضا انصاری

غوری منزل، حیدر گوڑہ

حیدر آباد

۲۴ مئی ۱۹۴۴ء

مائی ڈیر رضا صاحب سلام علیکم

میں بحمد اللہ بخیر و عافیت ہوں۔ میز پر پوسٹ کارڈ پڑا تھا میں نے کہا اس سے کچھ کام لینا چاہیے چنانچہ چند اشعار آپ کی تفریح طبع کے لیے بھیجتا ہوں۔ مولوی صبغۃ اللہ صاحب اور ان کے بھائی کیا نام ہے مولوی ارادۃ اللہ صاحب اور دیگر یاد فرماؤں کی خدمت میں سلام شوق۔ حکیم سید محمد قاسم صاحب سے ملاقات (ہو؟) تو بہت بہت سلام کہیے۔

راقم۔ میرزا یگانہ چنگیزی

(پوسٹ کارڈ کی اول سطح پر 'ادب جدید تھو' کے عنوان سے چند اشعار لکھے گئے ہیں۔)

بنام زیبا ردولوی

لاتور (دکن)

۱۱۳کتوبر ۱۹۳۸

عزیز من۔

سلام شوق۔ آپ کی غزل بعد اصلاح آج ارسال کرتا ہوں۔ غالباً یہ پہلا خط ہے جو آپ نے مجھے لکھا ہے۔ کبھی کبھی خط لکھتے رہا کیجیے۔ پردیس میں انہی خطوط سے دل بہلتا رہتا ہے۔ عزیز من۔ یہ نہ سمجھو کہ میں خدا نہ کردہ رنج و غم میں مبتلا ہوں۔ حاشا ایسا نہیں ہے، رنج و غم جسے کہتے ہیں حق تعالیٰ نے مجھے اس سے محفوظ رکھا ہے۔ مرے دل کو سکون و اطمینان سے بہرہ حاصل ہے۔ ہاں بس ایک فکرِ معاش نے مجھے ہمیشہ پراگندہ رکھا ہے۔ یہ فکر اس حقیقی سکون و اطمینان کے مقابلے میں، جو محبت کے فیض سے مجھے حاصل ہے، کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتی البتہ یہ ضرور ہے کہ پریشانی و تنگ دستی انسان کے لیے ایک بڑا عذاب ہے۔

میرزا یگانہ

بنام یگانہ بیگم

(۱)

۴۸۶

یک نہ شد دو شد!

لاتور، دکن

۶ فروری ۱۹۳۵ء

محرمِ رازِ من سلامت۔ سلامِ شوق۔ آپکا پوسٹ کارڈ ملا۔ پرسوں ایک اور منی آرڈر تیس روپے کا بھیج چکا ہوں۔ یعنی تنخواہ جو آئی اوس (اُس) میں سے تیس روپے پرسوں آپ کو روانہ کر موجود بیس روپے آغا صاحب کو۔ اب ان کے چالیس تو ادا ہو گئے۔ بیس اور ہیں۔ بے شک آپکو آجکل خرچ کی تکلیف ہو رہی ہے۔ خیر، مشین کی قسط اور مولوی صاحب کی تنخواہ دے دیجیے۔ ساٹھ میں سے جو کچھ باقی بچے اوس (اُس) سے آئندہ مہینے تک خرچ چلائیں۔ اب آئندہ تنخواہ پر بھیجونگا۔

خرچ میں جو مشکلیں پیش آرہی ہیں، اوسکی (اُس کی) کئی وجہیں ہیں۔ ایک تو محکمہء رجسٹری کا بازار سرد پڑ گیا ہے اور اپنے اخراجات بڑھ گئے۔ اب کہاں تک چھپاؤں۔ اس دفعہ جو حیدرآباد گیا تو ایک نئی سوغات گلے باندھ دی گئی۔ اسکا قصہ شروع سے سناؤں۔ جونپور کے رہنے والے ہیں ایک صاحب، حکیم جعفری نام۔ کہتے ہیں آبا سے اون (اُن) سے بہت راہ و رسم تھی۔ کوئی دو برس ہوئے جب آگرے سے پہلی دفعہ میں

حیدر آباد واپس ہوا ۱ (جن دنوں میں نواب شہریار جنگ بہادر کا انتقال ہوا تھا) اور فانی صاحب کے مکان پر ٹھہرا تھا تو اسی احاطے میں کہ جہاں فانی صاحب رہتے ہیں، حکیم صاحب بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ یہ حکیم صاحب بڑی چلتی طبع ہیں۔ عراق اور مصر وغیرہ کی سیر کر آئے ہیں۔ خیر۔ اسی احاطے میں ایک صاحب عزیز عباس ہیں فانی صاحب کے مکان کے سامنے۔ اون (اُن) کی ایک سالی تھیں نوجوان بیوہ۔ عزیز عباس نے حکیم جعفری صاحب کو بڑی کوششوں کے بعد شیشہ میں اتارا اور اپنی سالی کا عقد اون (اُن) سے کر دیا۔ حکیم صاحب کا کوئی مستقل پیشہ تو ہے نہیں نہ مستقل قیام۔ آج یہاں کل وہاں۔ کوئی ایک مہینے تک نئی بیوی کا ساتھ رہا۔ جب حیدر آباد میں چاروں طرف سے اون (اُن) پر قرض خواہوں کا ہجوم ہوا تو بمبئی چل دیے۔ بیوی بے چاری پھر ٹرون ٹون رہ گئی۔ اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ ہیں شریف سید زادے۔ خیر بیوی نے بمبئی میں میاں کو (کے؟) پاس کئی خط بھیجے کہ چلے آئیں مگر وہ بھی کیا آتے۔ لکھ بھیجا کہ تین سو روپے بھیجدو۔ اون (اس؟) بے چاری نے زیور بیچ کر سوا سو بھیج دیے۔ مگر حکیم صاحب بھلا اب کیا واپس آتے۔ لکھ بھیجا کہ اس میں نہیں آسکتا۔ یہ واقعہ ہے کوئی دو برس کا۔ اب جب اتنے دن گزر گئے تو فانی صاحب نے غالباً اور لوگوں نے بھی عزیز عباس کو سمجھایا کہ یہ تو پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا کہ یہ آدمی اٹھاؤ چولہا ہیں، تھالی کے بیگن ہیں آپ نے خوامخواہ اون (اُن) کے گلے منڈھ دیا۔ خیر جو ہوا سو ہوا، بہتر یہ ہے کہ اب فارغ خطی لکھوا لیجیے اور کسی شریف آدمی کے حوالے کیجیے جو اس کی ذمے داری کا بوجھ اٹھا سکے۔ مختصر یہ کہ حکیم صاحب سے فارغ خطی لکھوائی گئی، وہ تو اپنا پیچھا چھڑانا ہی چاہتے (تھے)۔ فارغ خطی ہوگئی تو فانی صاحب کی ستم ظریفی دیکھئے کی اونھوں (انہوں) نے بہت سی تعریفیں کر کے میرا نام تجویز کر دیا۔ اور سمجھا دیا کہ یگانہ صاحب کی بیوی تو دکن میں رہنا پسند نہیں کرتیں اور اون (اُن) کی صحت بھی ٹھیک نہیں

رہتی ہے اس لیے یہ ایک معقول جگہ ہے مگر یگانہ کبھی راضی نہ ہوں گے اس لیے کچھ اور حکمتِ عملی سے کام لینا چاہیے۔ سید محمد مہدی صاحب اور سید علمبردار صاحب کو یہ تمام واقعات سمجھائے گئے اور کہا گیا کہ ایک شریف لڑکی کا ٹھکانہ ہو جائے تو بڑا کارِ خیر انجام پائے۔ یگانہ صاحب آپ لوگوں کے اثر میں ہیں اونھیں (انہیں) کسی طرح راضی کیجیے۔ اور اس کے بعد یہ تدبیر کیجیے کہ اون (اُن) کی کچھ ترقی ہو جائے تا کہ دونوں گھر سنبھال سکیں۔ آپ کو تو معلوم ہے کہ سید مہدی صاحب کے اثر سے نواب شہریار جنگ[2] نے مجھے سب رجسٹری دیدی ورنہ خدا جانے کب تک انتظار کرنا پڑتا۔ محمد مہدی صاحب نے کہا کہ خیر دیکھا جائیگا کچھ نہ کچھ کیا جائیگا، فی الحال عقد تو کرا دینا چاہیے۔ غرض کہ ڈیڑھ سو روپے خرچ کر کے یہ سوغات حیدرآباد سے لایا ہوں۔ پہلے کچہری کے احاطے میں رہتا تھا وہ چھوڑ دیا، اک دوسرا مکان کرائے پر لے لیا ہے۔ آج چار دن ہوئے کہ مہارجہ بہادر لاتور[3] تشریف لائے تھے۔ سید محمد مہدی صاحب اور سید علمبردار صاحب بھی اون (اُن) کے ساتھ تھے۔ میں پچھلے خط میں آپ کو لکھ چکا ہوں کہ مہاراجہ بہادر نے خوش ہو کر مجھے بیمرو کا تھان مرحمت فرمایا اور میرا ایک شعر بھی نوٹ کر لیا۔ تمام حکام جو اوس (اُس) وقت موجود تھے اونکی (ان کی) نظریں مجھ پر پڑیں اور جب وہاں سے واپس آئے تو یہ سنا کہ منصف صاحب اپنے اجلاس پر کہہ رہے تھے کہ مہاراجہ بہادر یگانہ صاحب سے بہت خوش ہیں.............[4] ان کا درجہ بڑھا دیا جائیگا۔ اون (اُن) کے منہ میں گھی شکر۔ خدا ایسا ہی کرے۔ مگر فی الحال تو دو گھر کا خرچ اٹھانا ہے۔ اللہ سے امید ہے کہ ترقی کی کوئی راہ نکل آئے۔ سید محمد صاحب کا قدم درمیان تھا، ہزار ہزار انکار کیا مگر کچھ نہ چلی۔ کیوں کہ یہی ایک شخص ہیں جو میرے آڑے آجاتے ہیں انکا کہا ٹالا نہیں جا سکتا۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

یگانہ

(۲)

لاتور، دکن

۱۶فروری ۳۵ھ

محرمِ رازمن سلامت۔ کل جمعہ کو کوئی ڈیڑھ بجے بلند اقبال سلمہا کا خط ملا۔ جسے پڑھ کر معلوم ہوا کہ میرا فریب آپ لوگوں پر چل گیا۔ میں نے قلم برداشتہ جو مذاقیہ ڈرامہ تیار کر کے بھیجا تھا اوسے (اُسے) آپ نے سچ باور کرلیا۔ میں نے کل ہی تار دے دیا کہ خدا نخواستہ آپ کو زیادہ دنوں تک الجھن رہنے سے صدمہ نہ پہونچ (پہنچ) جائے۔ تار میں لکھ دیا ہے کہ یہ محض دل لگی تھی خدا کی قسم۔ پھر اس مذاقیہ ڈرامے کا جب بلند اقبال پر اتنا دردناک اثر ہوا تو نہ معلوم آپ کا کیا حال ہوا ہوگا۔ خیر اوس (اُس) نے تو ابھی دنیا دیکھی نہیں اوس پر (اُس) پر اتنا اثر ہونا تعجب کی بات نہیں۔ تعجب تو یہ ہے کہ آپ لال بجھکڑ۶ ہو کر بھی فریب میں آگئیں۔ آپ تو میرا جھوٹ سچ فوراً تاڑ لیا کرتی تھیں، یہ آپ کو کیا ہوگیا۔ بات یہ ہے کہ اوس (اُس) وقت سچ مچ میرے قلم نے عجیب وغریب شوخیاں دکھائیں۔ یعنی جھوٹ وسچ کا وصل و پیونداس طرح کیا ہے کہ جھوٹ، جھوٹ نہیں معلوم ہوتا۔ اس ڈرامے میں سچ اتنا ہی ہے کہ بے شک حکیم جعفری ایک شخص ہیں آبا کے ملاقاتیوں میں۔ اون (اُن) کا سارا قصہ عزیز عباس کی سالی سے عقد ہونے تک اور پھر چھوڑ کر بمبئی چلے جانے اور اون (اُن) کی بیوی کے زیور بکنے تک بالکل صحیح ہے۔ اس کے بعد جو کچھ ہے وہ دروغ گوئی یا افسانہ نگاری کا کمال ہے۔

فانؔی صاحب کی تجویز اور پھر سید محمد مہدی صاحب سے مشورہ اور عہدہ بڑا ملنے کا منصوبہ اور عقدِ ثانی کا قصہ سب جھوٹ مگر اس طرح بیان کیا گیا ہے بہتیرے لوگوں کو یقین آجائے تو تعجب نہیں۔ مگر آپ کو کیوں کر یقین آگیا۔ کیا فی الواقع میں ایسا ناداں ایسا بیدرد

ہوسکتا ہوں۔زندگی بھر میں سب سے بڑی نعمت آپ کی ذات اور سچے دوستوں میں ہیڈ ماسٹر صاحب ہے، یہی دو دم ہیں جنہیں میں اپنا کہہ سکتا ہوں۔اب رہیں بچے، بے شک یہ سب میرے آپ کے جگر کے ٹکڑے ہیں تو سہی مگر پرائی امانتیں ہیں۔آغا جان نے ابھی تک کوئی امید افزا چلن اختیار نہیں کیا، کل کا حال اللہ کو معلوم۔رہے حیدر بیگ تو وہ ابھی کس قطار شمار میں؟ میرے اس مذاقیہ ڈرامے سے آپ لوگوں کو چند روز تک ذہنی تکلیف تو ہوئی مگر یہ بھی نتیجے سے خالی نہیں ہے۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ابھی آپ لوگوں میں کچھ کمزوری باقی ہے۔دنیا میں نت نئے انقلاب آیا کرتے ہیں۔ان سے گھبرا کر شکستہ دل ہو جانا بڑی غلطی ہے۔جو کچھ بھی پیش آئے اس کا مردانہ وار مقابلہ کرنا چاہیے۔ہرگز ہرگز اپنا اصول زندگی ٹوٹنے نہ پائے۔آپ لوگوں کی زندگی کا اصول کیا ہے یا آئندہ ہماری اولاد کی زندگی کا اصول کیا ہوگا یا کیا ہونا چاہیے؟ اس کا جواب دو لفظوں میں یہ ہے۔اپنا فرض اور اپنی آن بان۔میرزا یگانہ اور یگانہ بیگم[8] اور یگانہ فیملی کا اصول یہی ہے اور رہے گا۔مجھے بلند اقبال سلمہا کا خط پڑھ کر بڑی تسکین ہوئی۔خط تو درد سے بھرا ہوا تھا مگر یہ معلوم کر کے اطمینان ہوا کہ اوسکا (اُس کا) دل انسانی غیرت وحمیت سے لبریز ہے۔ایسی اولاد ماں باپ کے لیے قابل فخر ہے۔اور آئندہ خدا نے چاہا تو اوس (اُس) کی زندگی اوسکے (اس کے) رفیق زندگی کے لیے باعثِ فخر وطمانیت ثابت ہوگی۔وہ اپنی آخری سانس تک اس بات کا ثبوت دیگی کہ کس باپ کی بیٹی ہے اور کس ماں کی گود میں پلی ہے۔

دنیا اب مجھے کیا فریب دیگی۔فریب کھانے کا زمانہ گزر گیا۔یوں تو قدم قدم پر اپنی سادہ لوحی سے دوستوں یا دوست نما زمانہ سازوں کے ہاتھوں دھوکے کھاتا ہی رہتا ہوں مگر ایسا اندھیر نہیں ہوسکتا کہ ترقی عہدہ کی لالچ میں آکر ایسا ظلم کروں۔آپ کو یہ معلوم کر کے تعجب ہوگا کہ اس دفعہ جو میں حیدرآباد گیا تو فانی صاحب[9] سے بیس برس کی ملاقات ترک

ہوگئی۔ میں نہایت سادہ دلی اور خلوص سے ملتا رہا مگر یہ کیا معلوم تھا کہ یہ خلوص میری حماقت پر مبنی ہے۔ میں یہ قصہ پھر کبھی سناون گا (سناؤنگا)۔[10]

ببا[11] کا خط کئی دن ہوئے آیا جس سے سخت تشویش ہوئی۔ وصی بھائی[12] کی جان خطرے میں ہے۔ کئی نشتر لگ چکے ہیں۔ اللہ رحم کرے۔ ہم لوگوں کا درد دکھ اون (اُن) سے دیکھا نہیں جاتا۔ وقت پر اوٹھ (اُٹھ) کھڑے ہوتے ہیں۔ اور جہاں تک ممکن ہوتا ہے ہم لوگوں کی خبر رکھتے ہیں۔ اس وقت وہ ایسی مصیبت ایسی ایذا اٹھا رہے ہیں کہ اپنی گزشتہ مصیبتیں یاد آ گئیں۔ زیادہ ممکن نہ تھا، دس روپے بذریعہ تار میں نے روانہ کر دیے ہیں۔ خدا کرے وہ صحیح سلامت اٹھ کھڑے ہوں تو مولا کشا کی نذر دلواؤں۔ پرسوں بلند اقبال کے نام ایک پوسٹ کارڈ اور کل آغا کے نام ایک پوسٹ کارڈ اور آپ کے نام ایک تار روانہ کر چکا ہوں۔

(حاشیہ میں) سب بچوں سے روزمرہ کے کام لیے جائیں کوئی بیکار نہ بیٹھنے پائے۔ حیدر بیگ اور ....[13] کے پڑھنے میں مداخلت نہ ہونے پائے۔ ہاں میرا وہ مذاقیہ خط ذرا نجم کو دکھائیں۔ دیکھیے، اون (اُن) پر کیا اثر پڑتا ہے۔ مگر اون (اُن) کو میری اور فانؔی کی ملاقات ترک ہو جانے کا حال معلوم ہے۔ اس وجہ سے شاید وہ مذاقیہ ڈرامے کے فریب میں نہ آ سکیں۔

یگانہ

(یگانؔہ اور بقیہ حضرات کے خطوط پڑھنے میں مجھے کس درجہ ذہنی تکلیف ہوئی، یہ بیان سے باہر ہے۔ اول تو دو تہائی صدی پرانے خط، دوم میرے نزدیک ان کے بوسیدہ عکس، سوم یگانؔہ کی بقلمِ خویش تحریر پڑھنے کا یہ میرا پہلا موقعہ۔ ستم بالائے ستم کہ کوئی مشیر بھی نہیں۔ قہر درویش برجانِ درویش۔ خدا کا لاکھ شکر کہ یہ مرحلہ بھی طے ہوا۔ عاقبت کی خبر خدا جانے۔ **مصنف**)

بنام پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیبؔ

(۱)

لاتور دکن

۱۸ فروری ۳۵ء

مائی ڈیر مسعود صاحب۔ سلام شوق۔ عنایت نامہ مورخہ ۲۷ جنوری صادر ہوا۔ مجھے اوس (اُس) الو کے پٹھے ''مولوی ٹھینگا موہانی''[۱۴] کے ''جوہر آئینہ''[۱۵] کی اطلاع آج آپ کے خط سے ہوئی اور آج ہی۔۔۔۔[۱۶] کا ایک پرچہ غیر متوقع طور پر موصول ہوا۔ جس میں ''جوہر آئینہ پر ایک اجمالی نظر'' کے عنوان سے ایک صاحب کا مضمون نظر سے گزرا۔ مولوی ٹھینگا قوتِ شاعرانہ سے تو ہمیشہ محروم رہا اور رہے گا مگر یہ ضرور ہے کہ وہ فارسی اچھی جانتا ہے اور قوتِ تنقید بھی رکھتا ہے[۱۷] اگر اس قوت کو بے ایمانی کے ساتھ صرف کرتا ہے۔ وہ نہایت ذلیل اور نجس شخص ہے، میں اوس (اُس) کے رگ پٹھے سے واقف ہوں۔ وہ مجھ سے تو حسد کرتا ہی ہے مگر یہ معلوم کر کے تعجب ہوا کہ آپ سے بھی حسد کرنے لگا ہے۔ آپ کے اوس (اُس) سے تعلقات پہلے ایسے تو نہ تھے، نہ آپ کی افتادِ مزاج ایسی دل شکن ہے جیسی میری۔ وہ ہزار سر مار کر آپ کی تصنیف ''ہماری شاعری'' کی جائز تنقیص نہیں کر سکتا البتہ بے وقوفوں کو بہکانے کے لیے اپنے دل کی ہوس نکال سکتا ہے۔ ''ہماری

شاعری'' کے مطالعے سے خیالات میں نہایت صحیح اور مفید انقلاب پیدا ہوسکتا ہے۔ یورپ زدہ دماغوں کی اصلاح کے لیے یہ نہایت صحیح نسخہ ہے۔ کوئی پانچ چھ برس ہوئے، میں نے پڑھی تھی اوراس کی نسبت یہی رائے قائم کی تھی۔ اردو اور فارسی شاعری کو صحیح طور پر سمجھنے صحیح روشنی میں دیکھنے کے لیے اک خاص میعار قائم کرنا پڑیگا اور یہ میعار 'ہماری شاعری' میں قائم کردیا گیا ہے۔ مشرقی شاعری کو مغربی معیار پر پرکھنے والے کبھی حقیقتِ حال سے واقف نہ ہوسکیں گے۔

''چراغِ سخن'' ۱۸ کی ایک کاپی موجود ہے جو بھیجے دیتا ہوں مگر آیاتِ وجدانی طبع اول ۱۹ کا نسخہ میرے پاس نہیں ہے۔ شیخ مبارک علی تاجر کتب لوہاری دروازہ لاہور سے منگوا لیجیے۔ زیادہ نیاز۔

(پیشانی پر) یاس و یگانہ نہایت مکروہ معلوم ہوتا ہے، فقط یگانہ کافی ہے، یاس سے اب مجھے بھی نفرت ہے۔

یگانہ چنگیزی

(۲)

(مکتوبِ ہٰذا، مکاتیب بنام ادیبؔ میں شامل ہے)

مائی ڈیر سلیم شوق

موسم کی سختیوں نے مرض کی شدت کو
اور بڑھا دیا۔ رات کو اگر حملہ تازہ
طبیعت بے حال رہی۔ چلتے وقت
آدمی سے کہہ دیا کہ صاحب کو میرے جانے کی اطلاع
کر دینا۔ غالباً اطلاع ہو گئی ہوگی۔
زیادہ اس وقت کیا عرض کروں

عرض
مرزا یگانہ
۹ اگست ۵۵

بنام بلند اقبال

سلطان بہادر روڈ

کاظمین۔ لکھنو

۲۹ مئی ۱۹۵۰ء

اقبال صاحب، سلامت رہو

تمہارے خط سے تم لوگوں کی پریشان حالی کا اندازہ ہوا۔ بچے بھی تمہارے بیمار رہتے ہیں اور تمہیں بھی چین نہیں۔ پاؤں پھیلا کر سونے کی جگہ نہیں۔ جب ایسے حالات ہیں تو جبر و صبر کے سوا کیا چارہ ہے۔

میں ۷ مئی کو بخار میں مبتلا ہوا۔ دھوپ بہت تیز تھی اور میں ضرورت سے نخاس ۲۰ گیا تھا۔ ۹ مئی کو ۔۔۔۔۔۔ ۲۱ صاحب رخصت ہونے کے لیے میرے پاس آئے اس وقت بھی مجھے بخار تھا۔ ۱۰ مئی کو میرا بخار کم ہوا تو تمہاری اماں کو بخار آ گیا۔ اور ۱۱ مئی کو دوپہر بہت تیز ہو گیا۔ میں نے دو بجے کے قریب تھرمامیٹر لگا کر دیکھا تو ۱۰۴ درجہ کا بخار تھا، خدا کی پناہ۔ شام کے قریب تمہاری اماں دالان سے اوٹھ (اُٹھ) کر آگن (آنگن) مین پلنگ پر آ بیٹھیں کہ بچھونا ہو جائے تو ۔۔۔۔۔۔ ۲۲ اتنی دیر میں میری نظر پڑ گئی تو کیا دیکھتا ہوں بیٹھی بیٹھی سرنگوں ہوتی جا رہی ہیں۔ میں نے قریب جا کر دیکھا تو آنکھوں کا رنگ ہی بیرنگ نظر آیا۔ جلدی سے میں نے اور عامرہ بیگم ۲۳ نے اوسی (اُسی) پلنگ پر لٹا دیا اور ہم دونوں رونے لگے ۲۴۔ وہ غش میں پڑی تھیں۔ فوراً ہی تجن بھی آ گئے۔ ہم سب آئی گھبراہٹ میں کھڑے تھے۔ میں پنکھا جھل رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں ہوش آیا۔ غرض یہ کہ اوس (اُس) وقت

سے آدھی رات تک انھیں اوسی (اُسی) پلنگ پر پڑا رہنے دیا کہ ہلنے جلنے نہ پائیں۔ آدھی رات کے بعد میں اور عامرہ بیگم دونوں انھیں گود میں اٹھا کر دالان میں لے آئے اور لٹا دیا۔ صبح تک طبیعت بحال ہوگئی۔ مگر تین دن تک کوئی چیز کھانے کو نہ دی۔ فقط کچی سونف پیس پیس کر انہیں بھی پلاتا رہا اور میں بھی پیتا رہا۔ ۱۴ مئی کو دس بجے کے قریب دل کی حالت بہت نازک ہوگئی۔ فوراً ڈاکٹر بیجناتھ (کے؟) پاس جا کر حال بیان کیا۔ اونھوں (انہوں) نے دوا تجویز کی اور کہا کہ کئی دن سے فاقہ ہے اور دوا بھی پینی ہو تو پیٹ میں کچھ پڑنا چاہیے ۔ دودھ یا شوربا دیجیے اور دوا پلائیے۔ خیر وہاں سے میں دوا لایا، تھوڑا سا شوربا پلانے کے تھوڑی دیر بعد دوا پلائی۔ پھر کوئی چار بجے دوسری خوراک پلائی۔ تھوڑی دیر بعد تمہاری اماں نے کہا کہ اس دوا کے پینے سے دماغ پر خراب اثر پڑا ہے، معلوم ہوتا ہے دماغ سن ہوگیا ہے۔ میں نے باقی خوراکیں پھینک دیں اور حکیم صاحب عالم کے دواخانے سے عرق۔۔۔ ۲۵ مشکی کی بوتل لے آیا۔ عرق پلاتا رہا دوسرے دن۔۔۔ ۲۶ کی بوتل اور تیسرے دن جا کر شربت کی بوتل لایا۔ شربت اور عرق بید مشک پلاتا رہا اس سے طبیعت بحال ہوتی گئی اور اب تک روزانہ ہی عرق اور شربت پلا رہا ہوں۔ اب طبیعت۔۔۔۔ اور اچھی ہے۔ مگر ہر وقت بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ دھوپ میں نکلنے نہیں دیتا۔ خدا کا شکر ہے بڑی آفت ٹل گئی۔

۲۷ مئی کو عامرہ بیگم سلمہا اپنے میاں کے ساتھ موسیٰ نگر (کانپور) روانہ ہو گئیں۔ خدا کا شکر ہے کہ لڑکیاں اپنے اپنے ٹھکانے سے ہوگئیں۔ خدا سب کو خوش رکھے۔ اب لکھنو ہے اور ہم دو میاں بیوی۔ اصل بات یہ ہے کہ تمام اولادیں ایک ایک کر کے جدا ہوگئیں۔ اس صدمے نے تمہاری اماں کی صحت پر خراب اثر ڈالا ہے۔ خصوصاً تمہارے چھوٹ جانے سے وہ بالکل تنہا ہوگئیں۔ بچوں سے دل بہلتا رہتا تھا۔ اب تنہائی

کے عالم میں جتنا بھی دل گھبرائے کوئی چارہ نہیں۔

محمد عالم کی طرف سے پندرہ روپے وصول ہوئے تھے اور کوئی پانچ چھ روپے اوپر اپنی طرف سے لگا کر تمہاری اماں نے بیس اکیس روپے میں سامان مہیا کر کے تمہیں بھیجا ہے۔کوئی چھ مہینے بعد حیدر بیگ سلمہ کا ایک خط آیا ہے۔میں نے حیدر بیگ کے خط کا جواب جو لکھا ہے اسی لفافے میں رکھے دیتا ہوں۔اون (اُن) کے پاس بھیج دو۔اون (اُن) کا پتہ ہے۔

Meerza Hyder Beg

Laboratory Assistant

Pakistan Military Academy

P.O.Kekul (N.W.F.P)

خدا حافظ

یگانہ چنگیزی

بنام آغا جان

بنام آغا جان

سلطان بہادر روڈ، منصور نگر

لکھنو (انڈیا)

۱۹ نومبر ۱۹۵۲ء

میرزا آغا جان سلمہ اللہ تعالیٰ

جان پدر سلامت رہو۔ مجھے معلوم ہوا تمہارے ۔۔۔۔۔۔۲۸ کے خط سے کہ تم نوکری سے سبکدوش ہو کر لاہور میں ٹھہرے ہوئے ہو۔ خدا جانے تم پر کیا گزر رہی ہے۔ مگر تم نے تو بہت قبل دنیا کے رنگ کو سمجھ لیا اور تمہاری عقل سلیم کی بناء پر مجھے قوی امید ہے کہ ہرگز ہرگز کسی وقت کوئی اضطراری فعل نہ کر بیٹھو گے۔

میری صحت اب عود تک نہیں کر سکتی۔ مجھے توقع نہ تھی کہ دہلی کے مشاعرے میں (۱۰، ۱۱ نومبر) پہونچنے (پہنچنے) کے قابل رہوں گا۔ مگر الحمد اللہ پہونچ (پہنچ) گیا۔ ۱۰ کی شام کو بخار آ گیا، فوراً روانہ ہو گیا۔ دوارکا داس شعلہ سلمہ نے تم سب بھائی بہنوں کو ایک ایک کر کے پوچھا۔ عامرہ بیگم کے متعلق میں نے اون (اُن) سے بھی صاف کہہ دیا کہ وہ تو اب ہم لوگوں کے لیے مر چکی گویا اک حادثہ تھا جو ہو چکا۔ تمہارے بارے میں گفتگو ہوتی رہی۔ سچ تو یہ ہے کہ تم اس نوکری کے چکر میں نہ پڑتے تو آج اون (اُن) کے ساتھ کام کر کے کم از کم ایک لاکھ روپیے کے آدمی ہو جاتے۔ مگر خیر جو وقت گزر گیا سو گزر گیا۔ اوس (اُس) کا ذکر فضول۔ اب بھی موقع ہے سنبھل جاؤ۔ وہ کہتے ہیں اور کر کے دکھا دیں گے۔ وہیں لاہور میں تمہارے نئے کاروبار کی ۔۔۔۔۔۔۔۲۹ پیدا کر دیں گے اور دو

تین ہی سال کے بعد تم دیکھ لو گے کہ تم کہاں سے کہاں پہنوچ (پہنچ) گئے۔ دہلی میں وہ کچھ زیادہ نہیں کر سکتے مگر لاہور میں اب بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں۔[۳۰] تو اون (اُن) کے ساتھ ہو جاؤ۔ میں اب تمہیں اون (اُن) کے سپرد کرتا ہوں۔ خدا حافظ۔

(اسی کے نیچے)

پانچ مہینے سے حیدر بیگ سلمہ کا خط نہیں آیا۔ کلیجہ مسوسے بیٹھا ہوں۔ کیا کروں۔ ستمبر کے مہینے تک تو اونھوں (انہوں) نے خرچ بھیجا تھا۔ مگر خط جون کے مہینے میں ملا تھا۔ پھر کوئی خط نہیں آیا۔ خیر مجھے اللہ کے فضل و کرم پر بھروسہ ہے۔

میں تم سے کیا کہوں۔ اوس (اُس) نالائق نے تم لوگوں سے کیا بیر باندھا ہوا ہے۔ نوکری تو تغلب و تصرف کے ہاتھوں گئی۔ مگر وہ جب لکھنو سے ڈھاکہ روانہ ہوا تو اپنا نام بدل کر وہاں پہونچا۔ اپنا نام رکھا ہے میرزا حیدر بیگ ولد میرزا یگانہ مرحوم[۳۱]۔ آفاق بیگم میرے ہاں آئی تھیں اور مجھ سے کہتی تھیں کہ یہ نام رکھا ہے۔ جانتے ہو اس میں کیا بھید ہے کہ ہمنامی کی لئے میں حیدر بیگ پکڑ لیے جائیں۔ ببا بھی اک دفعہ اسی لئے میں ایک ڈپٹی کمشنر کے اجلاس میں پکڑ لیے گئے تھے۔ اون (اُن) کا ایک ہمنام محمد تقی عراق گیا تھا۔ اوس (اُس) نے جرم کیا تھا۔ مگر جب فوٹو دیکھا تو وہ دوسرے شخص کا تھا۔ اس طرح ببا پر آئی آفت ٹل گئی۔

بنام شیخ انصار حسین ۳۲؎

پیلا مکان، شاہ گنج

لکھنو

۷ستمبر ۱۹۵۳ء

عزیزی انصار حسین سلامت رہو۔

تمہاری علمی و عملی کوششوں سے اور ماں باپ بھائی بہنوں کے ساتھ جذبہء محبت کے حالات معلوم کر کے جی خوش ہوتا ہے۔ اور یہ خبر کس قدر باعثِ مسرت ہے کہ وقار حسین سلمہ۔۔۔۔۔۔۳۳؎ لڑکوں کے مقابلے میں اول رہا۔ خدا تم سب کو کامیاب زندگی کرامت (؟) فرمائے۔ شاہد حسین صاحب کیسے ہیں، میرا سلام کہو۔

میری صحت اب کچھ زیادہ توجہ کے قابل نہیں ہے۔ قدرت کا عمل جیسا ہونا چاہیے ہو رہا ہے۔ دونوں تلوؤں اور پنڈلیاں روز بہ روز کمزور ہوتی جاتی ہیں۔ سانس چڑھتی رہتی ہے۔ دو سال سے علاج ہو رہا ہے مگر علاج سے کچھ نقصان ہی پہونچتا (پہنچتا) ہے۔ اس سے ایک مرض کو فائدہ ہوتا ہے تو دوسرا مرض پیدا ہو جاتا ہے۔ زندگی کی اس منزل پر مجھے شدید حالات سے دوچار ہونا پڑا اور خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ایسے ناگفتہ حالات میں میرے ذہن میرے ضمیر کے سکون کو صدمہ نہیں پہونچا (پہنچا)۔ حق و صداقت کی طاقت بڑی چیز ہے جس سے انسان بڑے بڑے حوادث کا مقابلہ کرتا رہتا ہے۔ خدا حافظ۔

یگانہ چنگیزی

بنام باقر حسین رضوی

پیلا مکان، شاہ گنج

لکھنو

۵ ستمبر ۱۹۵۵ء

عزیزی و شفیقی سلام شوق

آپ کا خط جو پہلا خط ہے آج کئی دن ہوئے ملا۔ جواب آج لکھتا ہوں کل لکھتا ہوں۔ کیا لکھوں گا۔ دو سال سے مر رہا ہوں لیکن مر نہیں چکتا۔ دمے کا مرض پرانا ہو چکا۔ پیٹ بھر سانس نہیں لے سکتا۔ اک ذرا سی جنبش میں ہانپنے لگتا ہوں۔ پیروں کی طاقت بڑی تیزی سے زائل ہوتی جا رہی ہے۔ پلنگ سے اٹھ کر دہلیز تک دو قدم جاتا ہوں تو سانس اکھڑ جاتا ہے۔ مگر یہاں سال پر سال گزر جاتے ہیں اور قصہ ختم نہیں ہوتا۔ خیر۔ ہوگا۔

قصہ تمام عمر کا کیا مختصر ہوا
رخ داستانِ غم کا ادھر سے اودھر ہوا
دنیا کے ساتھ دین کی بیگار الاماں ۳۴ء
انسان آدمی نہ ہوا، جانور رہا
ماتم سرائے دہر میں کس کس کو رویئے
اے وائے! دردِ دل نہ ہوا دردِ سر ہوا

اللہ اللہ میرے پیارے باقر حسین رضوی میرے سامنے آئے ہیں اتنے دنوں

بعد تو اپنا اتا پتا بتا کر اپنے تئیں پہنچوار ہے ہیں زیبا کے بھائی۔ دانش محل کی ادبی صحبت۔ مولانا رشید ترابی کے یہاں ملاقاتیں۔ المنتظر کی اڈیٹری وغیرہ گویا میں اب اتنا اونچا ہو گیا ہوں ،قطب مینار سے بھی اونچا کہ شاید اونھیں بھی پہچان نہ سکوں۔

اپنے خطوط کی ایک جلد میں نے 'ساقی' کے پرچے میں دیکھی تو ہکا بکا رہ گیا۔ کیا خبر تھی یہ لڑکا اس طرح دغا کریگا۔ دہلی کے مشاعرے سے واپس ہوتے وقت اک نوجوان کوئی سترہ اٹھارہ سال کا ریل میں میرے پاس آبیٹھا اور کچھ شعر و سخن کے متعلق باتیں کرنے لگا۔ تھوڑی دور تک ساتھ رہا۔ جب میں لکھنو پہونچا (پہنچا) تو اس کا خط پہونچا (پہنچا)۔ پھر دوسرا خط پہونچا (پہنچا) پھر تیسرا۔ پھر جوابی کارڈوں کا تانتا بندھ گیا۔ میں اک سادہ لوح بے وقوف شاعر، پرانے اخلاق کا پابند، جو آجکل سراسر حماقت ہے، جواب دیتا چلا گیا۔ اور اسی صفائی اور بے تکلفی سے جو میری فطرت ہے۔

میں کبھی کسی سے چوکنا نہیں ہوتا۔ بدگمان نہیں ہوتا۔ احتیاط نہیں برتتا۔ چوکنا رہنا میرے نزدیک ایک روحانی بیماری ہے۔ میرا کوئی معاملہ ہی ایسا نہیں کہ چوکنا رہنے کی ضرورت ہو۔ مگر یہ دنیا ہے۔ یہ دین صدری ۳۵؎ (؟) ہے جہاں سادہ لوح قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے ہیں اور پھر نہیں سنبھلتے۔ میں کیا جانتا تھا کہ میں جو کچھ۔۔۔۔۔۳۶؎ اپنے خطوں میں لکھ رہا ہوں، شائع کیا جائیگا اور مجھے مسخرہ بنایا جائیگا۔ اوس (اُس) دن سے پھر میں نے اس لڑکے کی خط و کتابت کا جواب نہیں دیا۔ معلوم نہیں شاہد احمد۳۷؎ کو مجھ اور میرے حالات سے کیوں اتنی دلچسپی ہے۔ ایک دفعہ کوئی اٹھارہ بیس سال ہوئے، ساقی میں میرا ایک کارٹون شائع کیا تھا، ایک شخص کھڑا ہے اوس (اُس) نے گویا اک جست ماری ہے، میرے سر سے ٹوپی گئی ہے، بہت خوب!

ارے میاں یہ سب گزر جانے والی باتیں ہیں۔ آخر میں وہی آیاتِ وجدانی وہی غالب شکن رہ جائیگی۔

حسن کافر کی پرستش عین ایماں کیوں نہ ہو
دل جو رکھتا ہو، مسلماں کیوں ہو، انساں کیوں نہ ہو
کون آنکھوں میں سما سکتا یگانہ کے سوا
ماسوا سے چشم پوشی عین ایماں کیوں نہ ہو

یگانہ چنگیزی

حواشی

بابِ پنجم

۱) یگانہ کے قیامِ آگرہ کی تفصیل مکاتیب بنام شعلہ کے حاشیہ نمبر ۱۶ میں درج کی گئی ہے۔ یہ وہی وقت تھا جب فانی بدایونی، بدایوں سے وکالت ترک کر کے حیدر آباد میں صدر مدرسی کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ یہاں سے کچھ وقت قبل، جس اثناء میں فانی اٹاوہ میں وکالت کرتے تھے، یگانہ اٹاوہ ہائی اسکول میں اردو کے استاد کے عہدے پر فائز تھے۔ یگانہ جنوری ۱۹۲۴ء میں اٹاوہ پہنچے تھے۔

۲) نواب شہریار جنگ، حکومتِ نظام میں انسپکٹر جنرل، محکمہء رجسٹریشن و اسٹامپ کے عہدے پہ فائز تھے۔

۳) لاتور، سن ۱۹۴۸ء تک سلطنتِ نظام دکن میں شامل تھا۔ ۱۹۶۰ء میں ریاستِ مہاراشٹر کے وجود سے، لاتور مہاراشٹر میں ضم کر دیا گیا۔ لطف کی بات تو یہ بھی ہے کہ یگانہ دکن کے جتنے بھی شہروں اور قصبوں میں مقرر تھے، وہ تمام (بہ استثنائے یادگیر) سقوطِ حیدر آباد اور مہاراشٹر کی تشکیل کے بعد مہاراشٹر میں آگئے۔ جن میں لاتور، عثمان آباد، کنوٹ، پربھنی، سیلو، ہنگولی شامل ہیں۔

۴) کاغذ کی خستگی نے ایک لفظ ضائع کر دیا۔

۵) اس خط کی تاریخ پر اس لیے بھی کلام نہیں کیا جا سکتا کہ مذکورہ خط سے ایک دن قبل یگانہ، بیگم کو تار اور آغا جان کو پوسٹ کارڈ روانہ کر چکے تھے۔ ساتھ ہی دو دن پیش تر بلند اقبال کو بھی پوسٹ کارڈ بھجوا چکے تھے۔ ان تمام کیفیات میں خط پر مندرج تاریخ پر شائبہ نہیں ہوتا۔ لیکن مجھے سخت حیرت ہے کہ ایک خط لاتور جیسے چھوٹے قصبے سے ۶ فروری کو لکھنو کے لیے نکلتا ہے۔ لکھنو میں موصولی کے بعد وہاں سے اس خط کا جواب لاتور آتا ہے۔ یگانہ جواب بر جواب لاتور سے بھجواتے ہیں۔ یگانہ کے جواب بر جواب والے خط پر ۱۶ فروری تاریخ درج ہے۔ حیرت تو اس بات کی ہے کہ مندرجہ بالا تمام کاروائی محض ۱۰ دن میں مکمل ہو جاتی ہے۔ جب کہ یہ واقعہ آج سے ۷۸ برس قبل کا ہے۔ اس برق رفتار والے دور میں کہ جہاں انٹرنیٹ اور سپیڈ پوسٹ جیسی تیز رفتار سہولتیں میسر آ گئی ہیں، باوجود اس کے، اتنی طویل کاروائی محض دس دن کی قلیل مدت میں آج بھی ممکن نہیں۔ خدا جانے کیا معاملہ رہا ہو۔

۶) لال بجھکڑ، پہلے دانا کے معنوں میں مستعمل تھا، لیکن اب اس کے معنی کچھ اور ہی نکلتے ہیں۔ ایس ڈبلیو فالن کے لغت میں اس لفظ کی وضاحت ملتی ہے کہ یہ کسی عقل مند شخص کا نام تھا جو گوتم کے یہاں ملازم ہوا کرتا تھا۔ ہر چند کہ مولوی فیروز الدین نے اس کے معنی 'پرلے درجے کا بیوقوف' بتائے ہیں لیکن یگانہ کے یہاں یہ ''عقل مند'' کے محل پہ استعمال کیا گیا ہے۔

۷) اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ کے صدر مدرس مولوی الطاف حسین، جو یگانہ پر جان چھڑکتے تھے۔ انھی کی بدولت یگانہ کو اسلامیہ اسکول میں تیس روپیے ماہوار مدرس کی نوکری ملی تھی۔ یگانہ سے عمر میں بارہ سال خورد فراقؔ گورکھپوری نے لکھا ہے کہ ''پنڈت نہرو نے میرے سامنے تجویز رکھی کہ تم آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے انڈر سیکریٹری کی حیثیت سے الہ

آبادآ کر دفتر کا کل کاروبار سنبھال لو۔اب میں ڈھائی سو روپے مہینے پر مستقل انڈر سیکریٹری بن گیا''۔کہاں تیس روپے ماہوار اور کہاں اڑھائی سو روپے مہینہ۔ہائے ری ستم ظریفی وقت۔بادشاہوں کی سلطنت (دکن) میں ملازمت کرنے کے باوجود یگانہ نے کبھی حکام کی مدح میں قصیدہ نہیں لکھا۔(بلکہ پرنس معظم جاہ بہادر نے یگانہ کو وظیفہ یابی سے چھ ماہ قبل با تنخواہ رخصت لے کر دربار میں آنے کی دعوت دی تھی لیکن اسی خوف سے کہ وہاں قصیدہ خوانی کرنی پڑیگی، یگانہ نہیں گئے) لیکن یہی وہ مولوی الطاف حسین ہیں کہ جن کی مدح میں یگانہ نے دو رباعیاں کہی تھیں۔اس امر سے یگانہ اور الطاف حسین کی دلی رغبت کا اظہار ہوتا ہے۔

۸) لکھنو کے مشہور و معزز حکیم محمد شفیع صاحب کی پہلی بیوی کنیز فاطمہ کی سب سے چھوٹی بیٹی کنیز حسین، یگانہ سے منسوب ہوئیں۔کنیز حسین، اپنے نام سے کم اور ''یگانہ بیگم'' سے دنیائے ادب میں مشہور ہیں۔یگانہ اور یگانہ بیگم کا تینتالیس برس کا ساتھ رہا۔

۹) اس اثناء میں حیدرآباد ادب کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔یگانہ، فانی، جوش، حیرت بدایونی، نجم آفندی وغیرہم مشاہیر ادب حیدرآباد میں مقیم تھے۔

۱۰) میکش اکبرآبادی نے لکھا ہے کہ ''فانی صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ یگانہ مجھ سے ناخوش ہیں، انھیں غلط فہمی ہوگئی ہے کہ حیدرآباد کے ایک اخبار میں شیعوں کے خلاف جو مضمون لکھا گیا ہے اس میں میرا ہاتھ ہے۔'' (میرزا یگانہ کے ساتھ چند لمحے۔مطبوعہ نقوش لاہور اکتوبر ۱۹۵۸ صفحہ نمبر ۲۳۹) چونکہ یگانہ فقہ جعفریہ سے تعلق رکھتے تھے، اس لیے شیعہ مسلک کے خلاف مضمون میں فانی کا دخل پا کر کشیدگی واقع ہوئی ہو۔

۱۱) میرزا محمد تقی عرف بآصاحب، یگانہ کے خسر حکیم محمد شفیع کے بھائی۔

۱۲) کنیز حسین عرف یگانہ بیگم کے بڑے بھائی، یگانہ کے بھائی خسر۔

۱۳) کاغذ کی دریدگی ایک لفظ ضائع کر گئی۔

۱۴) مولوی بےخودؔ موہانی مراد ہیں۔ بیخودؔ کے متعلق مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔ مکاتیب بنام ادیبؔ کا حاشیہ نمبر ۸۔

۱۵) پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیبؔ کی شہرہ آفاق تصنیف ''ہماری شاعری'' ۱۹۲۸ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کی بے پناہ مقبولیت کے پیش نظر بالترتیب ۱۹۲۹ء، ۱۹۳۵ء میں دوسرا اور تیسرا ایڈیشن شائع کیا گیا۔ جس کے اعتراض میں مولوی بیخودؔ موہانی نے ایک رسالہ (کتابچہ) ''جوہرِ آئینہ'' لکھا۔ اس اعتراض کے جواب میں حضرتِ ادیبؔ نے ''آئینہء سخن فہمی'' شائع کی۔

۱۶) یہاں ایک لفظ، بہ ہزار کوشش، میں سمجھ نہ سکا۔

۱۷) یگانہ کو ہٹ دھرم اور دوسروں کی نہ ماننے والا کہنے والے حضرات ذرا یہاں دیکھیں کہ کس طرح ایک سچا مسلمان اور ایک عظیم فنکار اپنے حریف کی قابلیت کا اعتراف کرتا ہے۔

۱۸) نثری تصنیفِ یگانہؔ (برعروض وقوافی)، مطبوعہ مطبع نول کشور لکھنو دسمبر ۱۹۲۱ء

۱۹) شعری تصنیفِ یگانہؔ، مطبوعہ مطبع کریمی لاہور ۱۹۲۷ء

۲۰) لکھنو کا ایک قدیم علاقہ جو مطب کے لیے مشہور تھا۔

۲۱) ایک لفظ، باوجود کوشش بسیار، سمجھ نہیں پایا۔

۲۲) ایضاً

۲۳) تفصیل کے لیے دیکھیے، مقدمہء کتابِ ہٰذا، صفحہ نمبر ۱۹

۲۴) یہاں یہ بات قابل غور و ضاحت ہے کہ یہی وہ یگانہ ہیں جو بڑے بڑے طوفانوں سے بھی زندگی بھر بخوشی لڑتے رہے، ہر آفت، ہر بڑی مصیبت کو خندہ پیشانی سے قبول کرتے رہے۔ حتیٰ کہ دنیا کے کسی ادیب کے ساتھ جو خلاف از تہذیب فعل نہ کیا گیا ہو، اس

غیر انسانی حرکت کے سرزد ہونے پر بھی جو انسان ماتھے پہ شکن تک نہ لایا، دیکھیے کہ اپنی شریکِ حیات سے بے پناہ محبت والفت میں کیسا روتا نظر آتا ہے۔ وگرنہ زندگی بھر جہد البقاء میں بھی یگانہ نے افسوس تک نہ کیا تو آنسو بہانہ کجا۔ اہلِ ایران کا ایمان ہے کہ 'اپنی بیوی سے محبت کرنا کارِ ثواب ہے۔' اور آخرِ کار اسی بیوی نے یگانہ کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا، اس کا ذکر میں نے حواشی میں متعدد مقامات پر کیا ہے۔

۲۵) اور ۲۶) یہاں ایک لفظ بوسیدگیِ کاغذ کی بنا پر ضائع ہوگیا۔ معلوم پڑتا ہے کہ کوئی یونانی عرق کا نام ہے۔

۲۷) یگانہ کی بیٹی عامرہ بیگم کے شوہر، جو یگانہ کے سسرالی رشتے دار تھے۔ تفصیل اسی باب کے مکتوب بنام آغا جان کے حاشیہ نمبر ۳۱ میں درج کی جاتی ہے۔

۲۸) ایک لفظ کاغذ کی خستگی نے ضائع کر دیا۔

۲۹) ایضاً

۳۰) دوارکا داس شعلہ، یگانہ کے نہایت قریبی خیر خواہوں میں سے تھے۔ آخری عمر تک ساتھ نبھانے والے تین ہی دوست یگانہ کو میسر آئے تھے جو کسی نہ کسی طرح یگانہ کے روزمرہ کی ضروریات کے لیے مالی امداد کر دیا کرتے تھے۔ شعلہ، اسمٰعیل ہاشم بمبئی، مالک رام۔ جن میں شعلہ پیش پیش رہے۔ شعلہ لاہور کے مشہور کیمسٹ تھے۔ وہاں ان کا کاروبار بڑے زور وشور سے چلتا تھا لیکن تقسیم ہند کے اندوہ ناک سانحے میں شعلہ اپنی تمام جائیداد لٹا کر دہلی آگئے تھے۔ شعلہ نے یگانہ کو تجویز کیا تھا کہ ان کا بیٹا آغا جان کے روزگار کے لیے وہ لاہور میں دوائیات کے بازار میں کاروبار شروع کرواسکتے ہیں۔ لاہور میں ان کی شناسائی اور رسوخ بہت اچھے ہونے کی بنا پر اس امر میں بعید نہ تھا۔ یگانہ ان ہی باتوں کا درس بڑی شفقت کے ساتھ اپنے بیٹے کو دے رہے ہیں۔

۳۱) یگانہ کی چھوٹی بیٹی عامرہ بیگم کی شادی یگانہ بیگم کے رشتے دار محمد عالم سے ۱۹۵۰ء میں لکھنو میں ہوئی۔ محمد عالم بظاہر تو بڑے متقی و پرہیزگار دکھائی دیتے تھے لیکن بباطن نہایت سفاک آدمی تھے۔ یگانہ کو زندگی میں شدید تکلیف پہنچانے والے چند لوگوں میں یہ سرِ فہرست تھے۔ بلند اقبال فرماتی ہیں ''بھائی ابا (یگانہ) کو ان کی ظاہر داری اور مکر و ریا سے سخت چڑ تھی۔ انھیں اپنی زندگی میں جن لوگوں سے شدید ذہنی اذیت پہنچی تھی ان میں محمد عالم کا نام سر فہرست تھا۔ بعض قدروں پر سے ان کے اعتماد اٹھ جانے کا سبب یہی ذہنی اذیت تھی''۔ محمد عالم پر لکھنو میں غبن کا مقدمہ قائم ہوا تو جرم کے خوف سے فرار ہو کر ڈھاکہ (جو اس وقت مشرقی پاکستان کا عملی پایہ ءتخت تھا) چلے گئے۔ اور وہاں جا کر یگانہ کے بیٹے ''حیدر بیگ'' خود کا نام رکھ لیا۔ مزید تفصیل میرے مقالے ''یگانہ چنگیزی۔ تحقیق و تجزیہ'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

۳۲) یگانہ کے ہم زلف جناب شیخ نثار حسین کے فرزند پروفیسر شیخ انصار حسین، سابق چیئر من، شعبہ ءطبیعات جامعہ کراچی)

۳۳) ایک لفظ ضائع ہو گیا۔

۳۴) فارسی الاصل لفظ ہے۔ جو اب قطعی طور پر غیر مروج ہے۔ 'بغیر اجرت کے کام'۔ مرہٹی زبان میں مرکب حالت میں 'وٹھ بیگار' مستعمل ہے۔ جسے فارسی سے صوتاً و معناً بلا تصرف مرہٹی نے اپنایا ہے۔

۳۵) 'دین صدری' اس ترکیب کے لیے میں نے فرہنگِ آصفیہ، نور الغات، ایس۔ ڈبلیو۔ فالن، ڈنکن فوربس، لغاتِ کشوری، مہذب الغات، فرہنگِ عامرہ وغیرہ لغات کی ورق گردانی کی لیکن مذکورہ ترکیب کہیں نہیں دکھائی دی۔ ہاں البتہ فرداً ''صدری'' مل جاتا ہے جس کے معنی مندرجہ بالا لغات میں یکساں ہیں۔ 'سینہ بہ سینہ پہنچا ہوا نسخہ یا کلام'۔ اب انہی

معنی کے ساتھ دین کا سابقہ لگا کر مفہوم نکالنے پر اکتفا کیا جا سکتا ہے۔

۳۶)ایک لفظ ضائع ہو گیا۔

۳۷)مدیر، ماہنامہ ساقی کراچی۔ ریل میں یگانہ کے ساتھ بیٹھنے والا ۱۸ سالہ لڑکا من موہن تلخ تھے۔ ماہنامہ ساقی، کراچی، اپریل ۱۹۵۵ء تا اگست ۱۹۵۵ء کے شماروں میں خطوطِ یگانہ بنام من موہن تلخ شائع کیے گئے۔
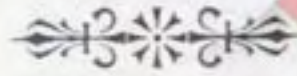
بابِ ششم
مکافاتِ عمل

(مجلّہ 'ساقی'، دہلی میں شمارہ بابت بالترتیب مئی ۱۹۳۴ء و جون ۱۹۳۴ء شائع ہوئے مندرجہ ذیل دو خطوط پر تاریخ درج نہیں ہے۔ تاہم قارئین کی آسانی کے لیے اس اثنا میں یگانہ کا قیام و دیگر عوامل کی مدد سے میں نے عمومی تاریخ درج کی ہے۔ 'ساقی' ہر ماہ کی ۴ تاریخ کو شائع کیا جاتا تھا، اس اعتبار سے اول الذکر خط ۱۲ر اپریل ۱۹۳۴ء کو لکھا گیا، اس مفروضہ میں قباحت نہیں۔ ٹھیک اسی طرح مکتوبِ یگانہ بنام ادیب محررہ ۱۳ مئی میں 'ساقی' کے متذکرہ دونوں شماروں کا ذکر یگانہ نے کیا ہے، عین ممکن ہے کہ یگانہ نے دونوں خط (ادیب و شاہد) ایک ہی نشست میں لکھے ہوں، اس قیاس سے ثانی الذکر خط کی تاریخ ۱۳ مئی ۱۹۳۴ء متعین کی جا سکتی ہے۔ یگانہ ۱۹۳۳ء تا ۱۹۳۸ء لاتور میں برسرِ ملازمت رہے، لہٰذا خطوط کا مقامِ تحریر لاتور درج کیا جاتا ہے۔ مصنف)

بنام شاہد احمد دہلوی

مدیر، ماہنامہ ’ساقی‘ دہلی

(۱)

۱۲/اپریل ۱۹۳۴ء
لاتور (دکن)

میرے پیارے شاہد سلامت رہو۔

ساقی کا ’ظریف نمبر‘ شاید آپ نے میرا دماغی توازن برابر کرنے کی غرض سے بھیجا ہے مگر آپ کی اس نیت کا انجام بخیر ہونا معلوم، اب تک تو محض مزاحیہ انداز میں چچا جان کے ساتھ طفلانہ شوخیاں ہوتی رہی ہیں، مگر اب چچا جان کے کیرکٹر اور ان کے طرزِ زندگی پر روشنی ڈالنی پڑے گی۔ جانِ برادر! جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے کے لیے آپ لوگ میرا جس قدر مذاق اڑائیں یا کھسیانی ہنسی ہنس کر دل کو جھوٹی تسلی دے لیں حق بجانب ہیں، میں بھی آپ حضرات کے اس جذبہء انتقام سے ہمدردی رکھتا ہوں۔ مگر جناب مضحک دہلوی نے جوشِ انتقام میں یگانہ آرٹ پر نکتہ چینی کی جو ہمت کی ہے وہ اتنی مضحک ہے کہ کوئی صاحبِ فن ہنسی روک نہیں سکتا۔ میرزا یگانہ کی ذات پر جا و بے جا جتنے بھی حملے کرنا چاہو کر سکتے ہو۔ اک گنوار آدمی بھی الٹی سیدھی پھبتیاں کہہ کر اپنا دل خوش کر سکتا ہے، مگر ایسا کوئی شخص پیدا نہیں ہوا جو یگانہ آرٹ کے خلاف فن کے اعتبار سے جائز نکتہ چینی کر سکے۔ بڑے

بڑوں کے دل میں ہوس رہ گئی! کچھ بنائے نہ بنی، جناب مضحک نے ماشااللہ یگانہ آرٹ کے خلاف بھی قلم فرسائی کی جرأت کی ہے بقول شخصے، 'بڑے بڑے بہہ گئے بھیڑ کہے کتنا پانی!'

معنوی اعتبار سے کلامِ یگانہ میں اگر دو ایک مصرع قابلِ اعتراض ثابت ہو تو یہ مقتضائے بشریت ہے، کسی انسان کا ہنر اتنا کامل نہیں ہو سکتا کہ کسی پہلو سے کوئی اعتراض ممکن ہی نہ ہو، مگر اب تک کوئی ایسا اعتراض میری نظر سے نہیں گزرا جسے میں اپنے مقررہ اصول کے تحت تسلیم کر سکتا۔ جناب مضحک نے یگانہ آرٹ کا مضحکہ اڑانے کی ہوس میں خود اپنی زباندانی کا پردہ بھی فاش کر دیا، یعنی میرزا یگانہ کی زبان پر بھی اعتراضات کیے ہیں سبحان اللہ۔ میرزا یگانہ سے زبان کی غلطی ہو، اس کے کیا معنی؟

زبان کی غلطی یا معنوی سقم تلاش کرنا چاہتے ہو دیوانِ غالب میں بڑی آسانی سے پا سکتے ہو۔ شاعر کے کلام اور اس کے طرزِ زندگی کا جائز مضحکہ اڑانا چاہتے ہو تو اس کے لیے غالب خاص توجہ کا مستحق ہے۔

میرزا یگانہ چنگیزی لکھنوی

(۲)

۱۴ مئی ۱۹۳۴ء
لاتور (دکن)

مائی ڈیر شاہد صاحب، سلام علیکم۔ ساقی کا مئی نمبر پہنچا۔ شکریہ
'بیگانہء شاعری' کے عنوان سے اک بدایونی اُمردؔ نے جو بھولی بھالی بکواس کی ہے اسے پڑھ کر اس جنگل کی تنہائی میں کسی قدر تفریح تو ضرور ہوگئی۔ مگر اس فسادی لڑکے نے مجھ پر مذہبی تعصب کا بہتان رکھ کر جو قلم فرسائی کی ہے میں اس چالاکی کو خوب سمجھتا ہوں۔ وہ مذہب کی آڑ پکڑ کر مجھے زک پہنچانا چاہتا ہے۔ حالانکہ 'ترانہ' کوئی مذہبی تصنیف نہیں ہے۔ محض ایک رباعی (کس دن کے لیے علی سے بیعت طلبی)۔ مجموعہء رباعیات میں میں نے اس لیے شامل کردی ہے کہ مصنف کا شخصی خیال اسلام کی ابتدائی سیاسی حالت کے متعلق معلوم ہوسکے۔ شاعر کا بہ حیثیت شاعر کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ مگر شخصی اعتبار سے اس کا کچھ نہ کچھ عقیدہ ضرور ہوتا ہے اور ہونا چاہیے۔ مگر یہ ضرور نہیں کہ اس کا عقیدہ جمہور کے عقیدے کے موافق ہی ہو، اہلِ خبر سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ خلافت کا جھگڑا کوئی مذہبی جھگڑا نہ تھا۔ محض سیاسی جھگڑا تھا جو بنی ہاشم اور دیگر قبائلِ قریش کے موروثی نزاع پر مبنی تھا۔ اسے مذہبی مسئلہ قرار دینا قوم کو گویا دھوکہ دینا ہے۔ مسلمانوں کے بعض باخبر اور سنجیدہ افراد کو خود اس امر پر افسوس ہے کہ مجلسِ شوریٰ میں عبدالرحمٰن بن عوف اور عمرو بن عاص کی کاوشوں سے حضرت عثمانؓ کا انتخاب ہوگیا۔ جس کا نتیجہ آگے چل کر جو ہوا سو ہوا۔ ظاہر ہے کہ یہ سب

سیاسی سازشیں تھیں، انہیں مذہب سے کیا سروکار۔ حضرت عثمانؓ کا انتخاب ہو جانے کے بعد جب حضرت علیؓ مجلس شوریٰ سے بغیر بیعت کیے اٹھ چلے تو انہیں قتل کی دھمکی دے کر بیعت پر مجبور کیا گیا۔ غور کرنے کی بات ہے کہ اس طرح بیعت پر مجبور کرنا کیا اسلام کا کوئی قابلِ فخر کارنامہ ہے۔ اب واقعات کا رباعی مذکور میں کوئی ذکر تو ہے نہیں البتہ ایک لفظ سازش ضرور کچھ اشارے کر رہا ہے۔ اسی لفظ کو پکڑ کر مذہبی تعصب اور دل آزاری کا الزام رکھنا حسد شاعری نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ تو وہ واقعات ہے کہ مسلم اور غیر مسلم سبھی جانتے ہیں۔ دل آزاری تو جب ہوتی جب کسی مذہبی مسئلہ یا کسی مذہبی شخصیت کے خلاف کوئی چوٹ کی گئی ہوتی۔ ڈیر شاہد، بات یہ ہے کہ بعض نوخیز افراد؁ مجھ سے اٹکنا چاہتے ہیں مگر میں ایسا نادان نہیں کہ ہر کس و ناکس سے الجھ پڑوں۔

مضحک صاحب کے نام سے جو مضمون شائع ہوا ہے وہ بھی شاید کسی لڑکے کا لکھا ہوا ہے مگر مجھے کیا ضرور کہ ایسے فضول اعتراضات کا جواب دوں۔ ملک اہلِ زبان سے ابھی بالکل خالی نہیں ہے۔ زبان کے پرکھنے والے ابھی تک کچھ نہ کچھ موجود ہیں۔ ہاں مضحک صاحب کی تحریر میں ایک اعتراض ایسا ہے جسے صاف کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ وہ اعتراض بھی میرے کلام پر نہیں ہے بلکہ فٹ نوٹ کی عبارت پر ہے۔ بات یہ ہے کہ کاپی دیکھتے وقت میں رواروی میں چند فٹ نوٹ بھی لکھ دیئے تھے۔ جو لوگ مضمون نگاری اور انشا پردازی کا تجربہ رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ جہاں دھیان بھٹکا تو لکھنا چاہتے ہیں کچھ اور قلم سے نکل جاتا ہے کچھ اور۔ مبتدا ہے واحد تو خبر بھی صیغہء واحد میں کھلنی چاہیے۔ مگر قلم واحد کی جگہ جمع اور جمع کی واحد لکھ جاتا ہے۔ اس قسم کی غلطیاں نکالنا چاہو تو میرے خطوط میں بھی مل سکیں گی۔ اسی قسم کی غلطی میرے اس فٹ نوٹ میں ہو گئی جو 'ڈگن لگی' کے متعلق میں نے کاپی دیکھتے وقت لکھ دیا تھا،

تازہ کوئی ڈگن لگی ہے شاید

مصرع میں کوئی گنجائشِ کلام نہیں ہے۔ڈگن کے متعلق نوٹ میں یہ لکھنا چاہیے تھا کہ 'ڈگن اس کانٹے سے مراد ہے جو مچھلی کے شکار کے ڈور میں باندھا جاتا ہے' 'ڈگن کانٹے سے مراد ہے' کے بدلے قلم یہ لکھ گیا کہ 'ڈگن اس کانٹے کو کہتے ہیں'۔اس سے معترض کو زبان پکڑنے کا موقع مل گیا۔

مگر معترض کا یہ قول درست نہیں ہے کہ ڈگن لگنا محاورہ نہیں ہے۔یا ڈگن لگتی نہیں لگائی جاتی ہے۔نہ معترض کا یہ قول درست ہے کہ ڈگن اس چھڑ کو کہتے ہیں جس میں ڈور باندھی جاتی ہے۔

مچھلی بازوں کی اصطلاح میں (جہاں تک مجھے معلوم ہے،مگر میں کوئی مچھلی باز نہیں میں نے کبھی خود مچھلی کا شکار نہیں کھیلا) ڈگن نہ تو اس چھڑ کو کہتے ہیں جس میں ڈور اور کانٹا بندھا ہوتا ہے اور نہ محض کانٹے کو کہتے ہیں بلکہ چھڑ اور ڈور اور کانٹے کے مجموعہ کا نام ہے ڈگن اور اسی ڈگن کو بنسی بھی کہتے ہیں جس میں چھڑ اور ڈور اور کانٹا شامل ہو۔یہ تو ہوا وہ مفہوم جو مچھلی بازوں کی اصطلاح کے مطابق ہے۔

مگر شاعر ڈگن جب بھی کہے گا کانٹے ہی سے مراد لے گا۔یہ سمجھنے کی بات ہے کیوں کہ شاعر تو کانٹے ہی سے مطلب رکھتا ہے جو اصل چیز ہے۔چنانچہ استاد بحرؔ لکھنوی نے بھی ڈگن سے کانٹا ہی مراد لی ہے۔

دل مرزمانِ آب کے ہو جائیں گے شکار
جس دن تری مژہ کی ڈگن دلربا لگی

جناب مضحک کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ ڈگن لگنا محاورہ نہیں ہے۔ڈگن لگے گی ہی نہیں تو مچھلی پھنسے گی کیوں کر؟ بس یہ تھی حقیقت جناب مضحک کے اعتراض کی کہ آپ نے فٹ

نوٹ میں اس سہوالقلم سے فائدہ اٹھانا چاہا تھا۔

دسا بمعنی درگت پر بھی اعتراض غلط ہے۔اردو کے فصحا گت بمعنی درگت اور دسا بمعنی دردسا بولتے ہیں۔یعنی گت اور دسا میں دُر کا مفہوم شامل ہے یعنی برے معنی میں بولے جاتے ہیں۔گت کہو یا درگت،دسا کہو یا دردسا،دونوں کا مفہوم ایک ہے اور دونوں طرح اردو میں مستعمل ہے مگر دُردشا اردو میں مستعمل نہیں ہے۔

میرزا یگانہ چنگیزی لکھنوی

بنام عبدالعزیز

لاتور

یکم فروری ۱۹۳۷ء

مائی ڈیر مسٹر عبدالعزیز صاحب۔ السلام علیکم

رسالہ غالب شکن آپ کے کسی دوست کی نشان دہی سے نہیں بلکہ کسی رسالہ میں آپ کا نام دیکھ کر بھیج دیا گیا تھا۔ اس طرح اور بہت سے لوگوں کے پاس بھیج دیا۔ خواہ شناسائی ہو یا نہ ہو۔ آپ فرماتے ہیں:-

''میں نے جناب کے کلام کو ہمیشہ محبت کے ساتھ ساتھ اک غیر محسوس بیگانگی کے ساتھ دیکھا...... لیکن حسن سخن کے جو استہزا کا پہلو آپ اختیار فرماتے ہیں، شاید اُس کے متعلق خاموش رہنا غیر شریفانہ ہوگا۔''

خاکسار کی گزارش یہ ہے کہ شرافت و تہذیب کے جو آثار آج ہندوستان میں پائے جاتے ہیں، وہ ہم مغلوں کی بدولت۔ یہ ہمیں لوگوں کا حصہ ہے ہمیں جانتے ہیں کہ شرافت و تہذیب کہاں برتنا چاہیے اور کہاں نہیں، آگے چل کر آپ فرماتے ہیں:-

آپ کے کمال فن میں کلام نہیں لیکن اک مرحوم استاد کے ساتھ چچا بھتیجے والی چھیڑ چھاڑ رکھنا بظاہر کچھ قابل داد بات نہیں معلوم ہوتی۔ آپ کا یہ عقیدہ ممکن ہے درست ہو کہ غالبؔ مرحوم کو بہت زیادہ وقعت دی گئی ہے۔ لیکن آپ لوگوں کے اس خیال (کا؟) بطلان دوسرے ذرائع سے بھی فرما سکتے ہیں ''پھر تمسخر کیوں؟''

(۱) میں کیا عرض کروں۔ ان باتوں کا جواب تو غالب شکن ہی میں موجود ہے، کوئی نہ دیکھے یا دیکھ کر انجان ہو جائے تو اُس کی نظر یا اُس کے ایمان کی خطا ہے۔ چچا جان کے ساتھ یہ تمسخر قابلِ داد نہیں ہے تو قابلِ فریاد بھی نہیں، کیونکہ چچا بھتیجے کی نوک جھونک کوئی نئی بات کوئی بدعت نہیں ہے۔ بزرگوں سے ہوتی آئی ہے۔ خصوصاً چچا غالبؔ تو بزرگوں سے دل لگی مذاق گالی گلوج کرنے میں چھٹے ہوئے پھکڑ بیگ ہیں، چچا جان کی اس شرمناک بداخلاقی و بدتہذیبی کی طرف میں نے غالب شکن میں صاف اشارہ کر دیا ہے۔ (بحوالہ قاطع بُرہان غالبؔ) ؎

آپ نہ دیکھیں یا دانستہ چشم پوشی کریں تو میں کیا کروں، مولانا غیاث الدین رامپوری کو تو اپنے مکتوبات میں (غالبؔ نے) محض اُلّو کا پٹھا بنا کر چھوڑ دیا ہے مگر میرزا قتیل جیسے ادیب جلیل کو کھتری بچہ تک کہہ دیا، اور دو سو برس قبل کے مردے میرزا محمد حسین برہان تبریزی کے ساتھ مادر چادر پر اُتر آئے۔ خدا کی سنوار اس شرافت و تہذیب پر ٹھہریئے آگے چل کر بتائے دیتا ہوں۔

(۲) اہل نظر کا یہ یقین کوئی جاہلانہ عقیدہ نہیں ہے کہ غالبؔ کی مدح میں یہ خلیجی جو بے پر کی اڑایا کرتے ہیں۔ یہ سب جہالت ہی کی برکت ہے۔ غالبؔ کو اُردو شاعری کا واحد نمائندہ۔ صوفی۔ وطن پرست۔ تہذیب و اخلاق کا پُتلا۔ ارسطو و افلاطون کا چچا۔ مختصر یہ ہے کہ اک آسمانی دیوتا باور کرانا۔ اوس (اُس) کے دیوان کی اوٹ پٹانگ شرحیں لکھنا (شرحیں بھی کس کی؟ اردو دیوان کی) پریشان نگاری و بدمذاقی کی اشاعت کرنا، بھوپال سے نسخہ حمیدیہ، لاہور سے مرقع چغتائی اور جرمنی سے دیوان غالبؔ کے خاص ایڈیشن کی اشاعت یہ سب کیا ہے؟ عوام الناس کی نگاہ میں کوئی بڑی ادبی ترقی ہو تو ہو مگر اہلِ تحقیق کے نزدیک یہ سب کرشمے ہیں جہالت کے۔ آپ کو تعجب ہوگا کہ ایسی بین ترقیوں کو جہالت کہنا کیوں کر

درست ہے۔ مگر فی الحقیقت ان سب نام نہاد ترقیوں، شرح نویسوں اور ادبی تجارتوں کی بُنیاد جہالت ہی پر ہے۔ کیونکہ جس ملک جس قوم میں یہ صلاحیت ہی باقی نہ رہی ہو کہ سقراط و ارسطو جیسے دماغ رکھنے والے سخن وروں کو پہچان سکے وہ پھر غازی میاں کو جھنڈے پر چڑھا کر نچاتی نہ پھرے تو کیا کرے۔

ہے بادے گاوں اونٹ بھی پرمیشر

مگر اہل تحقیق ایسے ویسے غازی میاں کی عامیانہ پرستش کو دیوانہ پن کے سوا عقل وخرد پر مبنی کیوں کر سمجھ لیں۔ اسی ہندوستان میں اک ایسا جلیل القدر فلسفی شاعر بالا دست ہو گزرا ہے جس کے آگے انوری و خاقانی بھی پانی بھرتے ہیں (یہ شاعرانہ مبالغہ نہیں ہے حقیقت ہے) جس کے سامنے غالب اک طفلِ مکتب سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ جس کے دریائے فیض سے یہ غازی میاں بہت کچھ مستفیض ہوتے رہے ہیں جس کے خزانے سے بہت سامال چُرا چُرا کر اپنی جھولی میں رکھ لیا ہے۔

وہ کون؟ وہ مرزا بیدل علیہ الرحمۃ جن کا کلیات اک سمندر ہے حقائق و معارف عالیہ کا۔ بھلا ان غلچیوں ان گمراہ گریجوئیٹوں کو اتنی استعداد اتنی توفیق کہاں کہ میرزا بیدل کا مطالعہ کریں، اُن کے مرتبہ کا اندازہ کریں۔ ایسی قوم غازی میاں کو بانس پر نچاتے پھرنے کے سوا کیا کر سکتی ہے۔

ہاں فکر رسا دیکھ بڑا بول نہ بول
گنجینۂ راز اندھی نگری میں نہ کھول
جس کی جتنی ضرورت اُتنی قیمت
ہیرا کبھی کنکر ہے کبھی ہے انمول

(یگانہ)

بازار میں گھٹیا مال کے گاہک لاکھوں۔ مگر 'قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری'۔ اس کا مطلب یہ نہ سمجھئے کہ میں غالبؔ کو محض گھٹیا درجہ کے شاعر سمجھتا ہوں۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ مگر غالبؔ کے اُردو دیوان کی یہ ساری دھوم دھام اور عوام الناس کا یہ جوشِ عقیدت یہ ساری بلبلاہٹ اسی وجہ سے ہے کہ قوم میرزا بیدلؔ جیسے سخنور یکتا کو پہچاننے کی اہلیت نہیں رکھتی ورنہ اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ یا اوسط کی پرستش چہ معنی؟ غالبؔ کو یوروپ کے فلاسفروں سے بھڑایا جاتا ہے چہ خوش! غالبؔ تو بیدل کا پاسنگ نہیں ٹھہر سکتا۔ سقراط وافلاطون تو بہت دُور ہیں۔

(۳) یہ کہنا کہ غالبؔ کے ساتھ تمسخر کیوں روا رکھا گیا۔ عامیوں کے عقیدے کو دوسرے طریقوں سے بھی باطل کی جا سکتا تھا۔ کیوں کر؟ کیا مہذب وسنجیدہ طریقے سے۔ جی نہیں۔ یہ محل تہذیب کا ہرگز نہیں ہے، اس طوفان بے تمیزی میں جبکہ غالبؔ انسان نہیں اک آسمانی دیوتا ٹھہرایا جاتا ہے، سنجیدگی ومتانت کا کیا کام ہے۔ پچیس برس پہلے۵ میں نے کلام غالبؔ پر جو تنقید شروع کی تھی۔ اُس کا لب ولہجہ ہرگز ایسا نہ تھا، مگر اُس وقت جائز ومعقول تنقید پر بھی لوگ یہی کہتے تھے کہ سبحان اللہ آپ چلے ہیں، مرزا غالبؔ پر تنقید کرنے؟ جب کورانہ عقیدت کا بھوت اس طرح سر پر سوار ہو کہ معقول سے معقول بات بھی لغو سمجھی جائے تو پھر اسی صورت میں تہذیب برتنا خلاف اصول ہے اب 'غالب شکن' نے بتا دیا کہ غالبؔ کو سمجھنے والے غلچیوں کے سوا اور لوگ بھی ہیں، کھوٹے کھرے کی پرکھ اوروں کو بھی ہے۔

مغرب زدہ بیدھوں٦ کو نہ یوں چمکارو
چمکار کو کب مانتے ہیں پھٹکارو
یہ زورِ قلم ملا ہے کس دن کیلئے ؟
مارو مارو غلچیوں کو مارو !

(یگانہؔ)

یاروں کا گلا ہے اور دشمن کی چھری
بنتی نہیں کچھ بات بجز خانہ پُری
کس دل سے یگانہ کو بھلا دے کوئی
واللہ قلم کی مار ہوتی ہے بری!
(ولہ)

رہزن کے رُوپ میں ہے رہبر یہ کیا؟
غالب کا ایسا سخنور یہ کیا؟
واللہ یگانہ نے عجب کام کیا!
سیّاں ے کی بھیس میں پیمبر یہ کیا؟
(ولہ)

غالب کے ساتھ تمسخر کیوں؟ وہی عامیانہ پش پا افتادہ سوال۔ جو ذرا سی غور و فکر سے سمجھ میں آسکتا ہے، جس کا جواب غالب شکن میں بھی موجود ہے۔ یہ تمسخر غالب کے ساتھ نہیں۔ غالب اور یگانہ میں کیا باپ مارے کا بَیر ہے۔ کیا یگانہ غالب کے ہمعصر ہیں؟ یہ تمسخر تو غلچیوں کی بہکی ہوئی ذہنیت کو کچل ڈالنے کے لیے ہے اور یہ قلم کی مار ہے جو کچھ بھول ہی نہیں سکتی۔

غالب اِک شاعر ہے اُسے شاعر کی حدوں میں رکھ کر جانچنا چاہئے نہ یہ کہ جملہ اوصاف اُس کے سر تھوپ دیئے جائیں۔ تم خواہ مخواہ غالب کو اخلاقی حیثیت سے بھی اِک اعلیٰ درجہ کا انسان باور کرانا چاہو تو یہ ممکن نہیں۔ وہ اوّل نمبر کے چھٹے ہوں پھکڑ باز۔ بھئی پیشہ قصیدہ گو۔ قصیدہ گو بھی ایسے کہ صلا نہ ملا تو نواب سکندر جہان۔ بیگم صاحب والیہ بھوپال کی ہجو دہلی اخبار میں چھپوادی۔ بیگم صاحب نے مقدمہ چلانا چاہا، مگر اُن کے مدار المہام نے تو

تھنبو کردی ۸ اور پانچ سو رُوپے کی ہنڈی اپنے پاس سے بھیج کر غالبؔ کا مُنہ بند کردیا۔ غالبؔ کے فارسی دیوان میں بھی ہجوؤں کے بعض نمونے موجود ہیں۔ بھلا غور تو کیجئے اس قسم کی قصیدہ گوئی اور پھکڑ بازی کیا یہ شریفوں کے ڈھنگ ہیں؟ بھلا ایسا شخص شریفانہ وضع کے لحاظ سے میر تقی میرؔ، میر انیسؔ، خواجہ آتشؔ جیسے بزرگوں کے سامنے کیوں کر لایا جا سکتا ہے۔ نواب وزیر اودھ کی سواری چوک سے گزر رہی ہے۔ میرؔ صاحب بھی اپنی راہ جا رہے تھے۔ نواب سعادت علی خاں بہادر فرماتے ہیں کہ میر صاحب آپ تو کبھی میرے پاس تشریف نہیں لاتے۔ میرؔ صاحب جواب دیتے ہیں کہ ''بھلے آدمی راستے میں باتیں نہیں کرتے۔'' جل جلالہٗ۔ یہ شانِ کمال، یہ شانِ بزرگی و شرافت ہے کہ بادشاہ سے بھی راستے میں گفتگو کرنا خلافِ وضع سمجھتے ہیں، بلکہ بادشاہ کو بدتہذیب ٹھہراتے ہیں، اور بادشاہ بھی ناز بردار ایسے قدرداں کہ خاموش ہو جاتے ہیں۔ ورنہ اِک اشارے میں کام تمام ہو جاتا۔

قصیدہ گوئی وہ ذلیل پیشہ ہے، جس نے ایشیا کے بڑے بڑے شعرائے ذی جوہر کے حقیقی مرتبہ سے گرا دیا۔ میرزا یگانہ بھی صاحبِ ناموس ہیں۔ کثیر العیال ہیں مگر سخت سے سخت وقت میں بھی (جبکہ حرام بھی حلال ہو جاتا ہے) کسی کی شان میں قصیدہ کہنا تو کجا ایک مصرع تک نہیں کہا۔ اپنے معزز آرٹ کو بھی کبھی ذلیل نہیں کیا۔ میں نے غالبؔ کے ساتھ تمسخر ہی تو کیا۔ چور۔ گونگا بے سرا ہی تو کہا۔ یہ کیا جھوٹ ہے؟ کلامِ غالبؔ سامنے رکھ کر ہر الزام کو جانچ لو۔ یہ تو نہیں کہا کہ کلامِ غالبؔ اوّل سے آخر تک لغو ہے۔ غالبؔ کا کمال اپنی جگہ ہے اور اُس کی خامیاں اپنی جگہ ہیں۔ دیکھ لو کانٹوں میں تول کر۔ میں نے غالبؔ کو گلال اکبرآبادی تو نہیں کہا جیسا کہ غالبؔ کے معاصر مولانا امین الدین اپنی تصنیف 'قاطع القاطع' ۹ میں جا بجا کہتے گئے ہیں۔ دیکھو صفحہ ۲۴، ۴۱، ۴۲ اور غالبؔ کی تہذیب و شرافت کا تو یہ حال ہے کہ دو سو برس کے مُردے میرزا محمد حسین برہانؔ تبریزی (مصنف بُرہان قاطع)

کے ساتھ تمسخر ہی نہیں بلکہ کلمات فحش سے زبان کو آلودہ کرتے گئے ہیں۔اس پر مولانا امین الدین نے غالبؔ کو جس طرح لتاڑا اور از روئے تحقیق جس طرح خطاوار ثابت کیا ہے، دیکھنے ہی کے قابل ہے، اُن کی لاجواب تصنیف ''قاطع القاطع'' مکرر چھپوانے کی چیز ہے، دیکھئے غالبؔ کی تہذیب وشرافت کے متعلق مولانا امین الدین کیا فرماتے ہیں،

''نگارندۂ این اوراق (یعنی میرزا غالبؔ مؤلف قاطع برہان) بے انصافی شعار است وگفتارش محض ناپائدار۔لغات ومعنی صحیح راغلط می شمارو خود خبر غلط گوئی بہرہ ندارد......فحش ودشنام کہ سوقیان لب باظہار آن نکشایند سامان دادہ است وگفتار لایعنی را کہ بازاریان نیز حذر نمایند بنیاد نہادہ است۔ منکہ ازیں روش نشانے وازیں نمط امکانے در کسے از زمرہ شرفا نیافتہ بودم تعجب نمودم کہ مردۂ دوصد سالہ را کہ خاکش ہم بر باد رفتہ باشد بہ فحش ودشنام یاد کردن آئین کدام ذی شعور است۔''

یہ تو اُس جذبۂ نفرت کا اظہار ہے جو غالبؔ کے خلاف قاطع برہان کے مطالعہ سے مولانا امین الدین اور معاصرین غالبؔ کے دل میں پیدا ہوا اور ہر بھلے آدمی کے دل میں پیدا ہوتا رہے گا۔اب خود بدولت میرزا غالبؔ کی تہذیب یا بدتہذیبی کا اندازہ خود اُن کی تحریر سے بھی کر لیجئے،

(ا) مؤلف برہان قاطع نے لفظ (آدر) کو بضم ثالث بروزن مادر بمعنی آذر یعنی آتش لکھا ہے۔میرزا غالبؔ اپنی قاطع برہان میں اس کا یوں مضحکہ اڑاتے ہیں۔''چوں آدر بفتح ثالث گفت بروزن مادر چرا گفت۔ واگر ہم چنیں می بالیستے گفت می گفت۔ چادر را گزاشتن ومادر را آوردن بے حیائی است۔''

دیکھئے دوسو برس کے مُردے کے ساتھ چچا جان کس مزے سے 'مادر چادر' کی دل لگی فرمارہے ہیں، کیوں نہ ہو یہ تو بزرگوں سے ہولی آئی ہے۔اب آپ ہی فرمائیے یہ بے

حیائی کس کی ہے؟ میرزا برہاؔن کی کہ چچا جان؟ کیا میرزا یگاؔنہ نے کبھی اپنے زندہ اور کمینے سے کمینے دشمن کے ساتھ بھی ایسی بدتہذیبی کو روا رکھا۔ کیا میر تقی میرؔ۔ خواجہ آتشؔ۔ میرزا انیس علیہم الرحمۃ جیسے شریف و مہذب بزرگوں کے سامنے کوئی بھلا آدمی میرزا غالبؔ و شرافت کا دعویٰ کرسکتا ہے؟ کیا صوفی صافی معلم اخلاق ایسے ہی ہوتے ہیں۔ مولانا امین الدین اس مادر چادر کے جواب میں فرماتے ہیں۔

''مردانہ از مادر کسے است کہ ایں ہمہ برآشفتہ و ناگفتنی ہا گفتہ است''

یعنی مصنف برہان قاطع نے آدر بروزن مادر کہہ کر کسی کی ماں سے تو مطلب رکھا نہ تھا کہ اس قدر آپ سے باہر ہو کر ان کہی کہنے لگا۔

اسی طرح مولانا امین الدین ترکی بہ ترکی جواب دیتے اور علمی نقطۂ نظر سے ازروئے تحقیق غالبؔ کے اعتراضات کو باطل کرتے گئے ہیں۔

(۲) برہان قاطع۔ آستینہ بروزن ماستینہ تخم مُرغ را گویند۔

میرزا غالبؔ فرماتے ہیں ''ایں چنیں لغت غریب را چگونہ بے سند باور داریم ......تا چہ دیدہ است کہ خایہ مرغ فہمیدہ است۔''

واہ جی واہ۔ کیا شریفانہ گفتگو ہے۔ برہاؔن نے تو تخم مرغ کہا ہے (اگرچہ تخم بیضہ۔ اور خایہ سب کے معنی ایک ہی ہیں) مگر چچا جان کو تخم کے بدلے خایہ پسند آیا۔

سُبحان اللہ کیا پاکیزہ مذاق ہے کیا تہذیب ہے۔ مولانا امین الدین فرماتے ہیں،

''باید دید کہ خایہ از ذہن معترض چگونہ برآمد''

(۳) برہان قاطع۔ آنکس بہ بفتح اول و ثالث و سکون ثانی و سین و فتح بائے ابجد بمعنی بزرگ تر۔

اب چچا جان کی گفتگو ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں،

''کاش از بوم وکن دگرے برخیز دو گوید کہ صحیح اِنگسیہ است بالف مکسور بروزن بے خُصیہ۔''

سُبحان اللہ سُبحان اللہ۔ بے خُصیہ کی ایک ہی کہی۔ اے تم جیتے رہو چچا جان بزرگوں کا نام اچھالنے والے مولانائے ممدوح فرماتے ہیں، ''حیرانم کہ خصیہ را فرد بُردہ چگونہ بآسانی بیرون داد۔ غرض از بوم وکن کس نبود کہ اِنگسیہ و بے خُصیہ را نگارش می نمود۔ آرے از خرابۂ اکبر آبادی بومے بہ دہلی رسیدہ است کہ انگسیہ و بے خصیہ را بصدائے منحوس سرائیدہ است''

بھلا مذکورہ بالا گندہ زبانی کے ساتھ غالبؔ کی تہذیب وشرافت کا دعویٰ کون احمق کرسکتا ہے؟ قاطع برہان دیکھ جاؤ۔ ایسی بدتہذیبی و بدلگامی لکھنوی تہذیب میں ہرگز نہ پاؤ گے۔ میرزا یگانہؔ نے چچا جان کو سلطنتِ مُغلیہ کا خود غرض نمک خور۔ غدّار۔ انگریزوں کا پرستار یا زیادہ سے زیادہ چور۔ گونگا۔ بے سرابنا کر چھوڑ دیا (اوران سب الزامات کے تحریری ثبوت موجود ہیں) مگر غالبؔ کی طرح دوسو برس کے مُردے کو خصیہ اور خایہ تو نہیں دکھایا۔ ببیں تفاوت رہ از کجا مست تا بہ کجا! مگر

ایک اور ایک دو کیسے سمجھائیں
اُن کے مُرغے کی ہے وہی اِک ٹانگ
بول بالا رہے یگانہؔ کا
نام باجے جگت کے چاروں دانگ
(یگانہؔ)

فانوس خودی میں آپ مستور ہیں ہم
پردہ یہ اُٹھے تو نور ہی نور ہیں ہم

دیکھا تو سہی تو نے مگر کیا دیکھا؟
جتنے نزدیک اُتنے ہی دُور ہیں ہم
(ولہٗ)

بیچارہ تسنیم مینائی ابھی کالج کی چاردیواری سے نکلا ہے۔ اِک دیہات کا باشندہ۔ اہلِ زبان کے فیض صحبت سے بھی بے بہرہ وہ کیا جانے غالبؔ اور یگانہؔ میں کیا فرق ہے۔ وہ عام فیشن کے مطابق غالبؔ پرستی میں مبتلا ہے، اور اسی حالت میں خوش ہے وہ بیچارا کیا بڑے بڑے چغادری ادیب بھی آیاتِ وجدانی اور ترانہ کے کمالِ حسن کو دیکھ نہیں سکتے (باستثنائے چند) کیونکہ حقیقی آرٹ اور بازاری کاریگروں کی گھٹیا صنعتوں میں بڑا فرق ہے۔ غالبؔ اگرچہ بازاری شاعر نہیں ہے مگر پھر بھی گونگا اور بے سُرا۔

حواشی

بابِ ششم

۱) 'بڑے بڑوں' سے مراد عزیز لکھنوی اوران کی بڑی فوج ہے۔ جس سے کسی زمانے میں یگانہ تنہا چومکھی لڑتے رہے اور فتح پاتے رہے۔

۲) 'بدایونی امرد' سے مراد ماہر القادری ہیں۔ ماہر القادری کا وطن بدایوں تھا۔ مئی ۱۹۳۴ء کے شمارے 'ساقی' دہلی میں ماہر القادری کا مضمون 'یگانہ، شاعری' شائع ہوا تھا۔

۳) 'نوخیز' کس قدر پیارا، برمحل اور موزوں لفظ ہے۔ یگانہ کی زباندانی قسم کھانے کے قابل ہے بلا مبالغہ۔

۴) 'برہان قاطع' مولوی محمد حسین تبریزی کی مولفہ فارسی لغت ہے۔ مولوی محمد حسین نے ۱۰۶۲ھ (۱۶۵۲ء) میں تالیف دی تھی جو افضل المطابع، کلکتہ سے بہ اہتمام محمد اعظم لکھنوی ۱۲۵۲ھ (۱۸۳۶ء) میں شائع ہوئی۔ غالب نے ۱۸۵۷ء کے قریب اس لغت کا مطالعہ کیا۔ اور محسوس کیا کہ مذکورہ لغت میں اغلاط کی بھرمار ہے، لہٰذا اس کی تردید میں ایک کتاب بہ عنوان 'قاطع برہان' لکھ ڈالی۔ مطبع نول کشور، لکھنو سے رمضان ۱۲۷۸ھ (۲۱ مارچ ۱۸۶۲ء) میں چھپی ۹۷ صفحاتی اس کتاب میں غالب نے 'برہان قاطع' کے ۲۸۴ کلمات پر اعتراضات مرتب کیے ہیں۔ اس کتاب کے شائع ہوتے ہی اس سے متعلقہ ردو قبول میں کتابوں کا

سلسلہ چل پڑا۔ 'قاطع برہان' کا ۱۵۴ صفحاتی دوسرا ایڈیشن بہ اضافہء اعتراضات غالب نے 'درفش کاویانی' کے عنوان سے مطبع اکمل المطابع، دہلی سے ۱۲۸۲ھ (دسمبر ۱۸۶۵ء) میں بہ اہتمام میر فخر الدین شائع کیا۔

۵) مراد ہے یگانہ کے غالب سے متعلقہ مضامین سے کہ جس میں یگانہ کا غالب کے لیے لہجہ سنجیدہ اور ملائم رہا، جن میں 'آتش و غالب' (مطبوعہ ماہنامہ 'خیال' ہاپوڑ نومبر ۱۹۱۵ء) 'آتش و غالب'۔ پانچ اقساط (مطبوعہ مجلّہ 'مخزن' لاہور مارچ تا جولائی ۱۹۱۸ء) 'میرزا غالب اور میں' (مطبوعہ مجلّہ 'مخزن' لاہور جون ۱۹۱۸ء) وغیرہ شامل ہیں۔

۶) 'بیدھا وہ جس کی مت اوندھی ہوگئی ہو، جو سقراط و ارسطو کے مقابلہ میں غازی میاں کو نچاتا پھرے' (حاشیہ از یگانہ)

۷) سیاں۔ لکھنو کا مشہور شہدہ مگر صاحبِ ایمان۔ پھر کیا پوچھنا ہے ایسوں کے مرتبہ کا؟ (حاشیہ از یگانہ)

۸) 'تو تھمبو' ہندی الاصل ترکیب ہے۔ گزشتہ وقتوں میں 'روک تھام'، 'بیچ بچاؤ' کے معنی میں مستعمل تھی۔

۹) غالب کی کتاب 'قاطع برہان' کے جواب میں مولوی امین الدین امین دہلوی نے 'قاطع القاطع' کے عنوان سے ۱۲۸۱ھ (۱۸۶۴ء) میں لکھی ۲۶۸ صفحاتی کتاب کو مطبع مصطفائی، دہلی سے ۱۲۸۳ھ (۱۸۶۶ء) میں شائع کیا۔

بابِ ہفتم

اعترافِ یگانہ

ڈاکٹر محمد اقبالؔ بنام ماسٹر محمد طالع

(یہ مکتوب شیخ عطا اللہ کے مرتب کردہ مکاتیبِ اقبالؔ ''اقبالؔ نامہ'' حصہ دوم، مطبوعہ لاہور 1951ء صفحہ نمبر ۲۲۷، میں پہلی مرتبہ شائع کیا گیا ہے۔ بلاشبہ اقبالؔ کے اس خط سے یگانہؔ کے قد کا تعین ہوتا ہے نیز زبان پر عبوریت ثابت ہوتی ہے۔ اور پھر مزے کی بات یہ بھی ہے کہ ذرا ہم اقبالؔ کے تجویز کردہ ناموں کی ترتیب پر غور کریں۔ اقبالؔ نے یگانہؔ کا نام پہلے لکھا ہے اور عزیزؔ لکھنوی ان کے بعد۔ ہر چند کہ عزیزؔ لکھنوی یگانہؔ سے عمر میں بزرگ تھے، تاہم علمیت میں خورد۔ اس کا ذکر بھی یہاں بے جا نہ ہوگا کہ خود اقبالؔ بھی یگانہؔ سے سات برس بڑے تھے۔ اس خط کے حاشیے میں مرتب نے لکھا ہے کہ ''مکتوب الیہ نے جلال پور جٹاں ضلع گجرات، پنجاب سے (اقبال سے) دریافت فرمایا کہ جب الفاظ عربی یا فارسی سے اردو میں منتقل ہوتے ہیں تو بعض اوقات اردو میں آن کر تلفظ بدل جاتا ہے، مثلاً عربی میں شَفَقَت ہے، لیکن اردو میں شَفقت صحیح ہے، مگر بعض باریک بین اور نفاست پسند حضرات اصلی زبان کے تلفظ کو خواہ مخواہ ٹھونسنے پر ادھار کھائے ہوئے ہیں۔ اس بارے میں آپ کی

کیا رائے ہے؟ کیا اصلی زبان کے تلفظ کو صحیح تصور کیا جائے یا وہ تلفظ صحیح ہے جو اہل زبان، دہلوی اور لکھنوی ادیب یا ان کا خواندہ طبقہ، استعمال کرتے ہیں۔' اس کے بعد ماسٹر صاحب موصوف نے الفاظ کی ایک فہرست دے کر ان کا درست تلفظ دریافت فرمایا۔ جواب میں یہ خط موصول ہوا۔ شیخ عطا اللہ''۔ اقبالؔ کا مذکورہ خط یگانہؔ کی زباندانی اور استادی پر دلالت کرتا ہے۔ برسبیل تذکرہ عرض کروں کہ مکتوب الیہ نے جس موضوع پر اقبالؔ سے استفسار کیا، خاکسار اسی موضوع پر متعدد مضامین رقم کر چکا ہے۔ مصنف)

محمد اقبالؔ

لاہور

۱۸/جون ۱۹۲۱

مکرم بندہ!

السلام علیکم۔ جس قسم کی تحقیق زبان آپ کو مطلوب ہے افسوس کہ میں اس میں آپ کی کوئی امداد نہیں کر سکتا۔ غالباً لکھنو سے ایک آدھ رسالہ اس قسم کا شائع ہوتا ہے۔ مگر مجھے نام معلوم نہیں۔ اس بارے میں آپ میرزا یاس عظیم آبادی ایڈیٹر کارِ امروز لکھنو اور میرزا عزیز لکھنوی اشرف منزل لکھنو سے خط وکتابت کریں۔ وہ آپ کو بہتر مشورہ دے سکیں گے۔ میں آپ کی قدر ومنزلت کرتا ہوں کہ اس زمانے میں اور ایسے مقام پر آپ کو صحیح اردو کا ذوق ہے۔

محمد اقبال

جوشؔ ملیح آبادی بنام یگانہؔ

(بخطِ جوشؔ)

جوشؔ ملیح آبادی[1] بنام یگانہؔ

طاہر پیلیس

شنکر سیٹھ روڈ،

پونا۔ ۲

۳۱ دسمبر ۱۹۴۶ء

محترمی!

حامل رقعہ جلال ملیح آبادی، میرا حقیقی بھانجا ہے، اسے خدمتِ گرامی، اس غرض سے روانہ کر رہا ہوں کہ آپ ازراہِ شفقتِ بزرگانہ، اس کے کلام پر نظر ڈال کر اس کے فنی عیوب سے اسے مبرا فرما دیں۔ جس کے واسطے میں آپ کا نہایت شکرگزار ہوں گا۔

چونکہ آپ، میرے نزدیک کیا، تمام فلک کے نزدیک، امامِ فن کا مرتبہ رکھتے ہیں، اس لیے مجبور ہوں کہ آپ ہی کو تکلیف دوں۔ امید کہ آپ اس تکلیف رسا کو، براہِ کرم، معاف فرمائیں گے۔

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

آپ کا خادم

جوشؔ

فہیم گوالیاری بنام یگانہ

(بخطِ فہیم)

میرزا فہیم بیگ گوالیاری بنام یگانہ

۲۶ نومبر ۱۹۲۶ء

برادر مکرم دام لطفہ

تسلیم! واپسی پر مراجعت کا حال معلوم ہوا۔ میاں حفظ الرحمٰن کی صلاح ہے کہ پہلی دوسری کو دس روپے کا منی آرڈر ارسال خدمت کریں۔ فی الحال زیادہ کی گنجائش نہیں دو روپے اور بھی بھیجے جائیں گے۔ ایک روپیہ کی چھوٹی سی دیگچی، ایک روپیہ میں دو مٹی کی فرشیاں لیتے آئیے گا۔

لاہور آنے کے معاملے میں کوئی فال دیکھئے نہ استخارہ نہ کسی صاحب سے مشورہ کیجیے۔ فوراً تشریف لے آئیے۔ زمانے کی رو جاری ہے۔ افسوس ہم بہت پیچھے رہ گئے۔ سوچ بچار کا موقعہ نہیں پس و پیش میں معاملہ دور جا پڑے گا۔ جیسا کہ اب تک ہوتا رہا ہے۔ امید ہے کہ مجھے ناامید نہ کیجیے گا۔ ضرور تشریف لائیے گا۔

میاں حفظ الرحمٰن اور تپش صاحب کا آداب نیاز میری طرف۔۔۔۔۔

میرزا فہیم بیگ گوالیاری

(پوسٹ کارڈ کی دوسری جانب)

میرزا صاحب مہربانی کر کے جلد فرماویں، مٹی کی فرشی جس پر چاندی کا سا رنگ چڑھا ہوا ہو یا کوئی اور اعلیٰ درجے کی، عمدہ سے عمدہ کتنے میں مل سکتی ہے۔ یعنی مٹی کی فرشی مہنگی سے مہنگی کتنے میں مل سکتی ہے۔ مشکور ہونگا۔ آغا جان کو پیار۔

مکتوبِ دوارکا داس شعلؔہ بنام مولانا ابوالکلام آزادؔ

(تقسیمِ ہند کے بعد ہندوستان کے کئی بڑے شاعر اور دانشور اپنے وطنِ عزیز کو چھوڑ کر پاکستان چلے گئے۔ ان میں جوشؔ، حفیظؔ، سیمابؔ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ جوشؔ کو پنڈت نہرو نے کئی مرتبہ روکنے کی کوشش کی لیکن جوشؔ بالاخر جا کر ہی رہے۔ اس کے برعکس یگانؔہ چنگیزی اپنے ہندوستان اور لکھنو کی محبت میں کسی طرح اپنے وطن کو چھوڑنے پہ راضی نہ ہوئے۔ ہر چند کہ یگانؔہ کی تقریباً اولادیں مع اہلیہ پاکستان میں اقامت گزیں ہو چکی تھیں۔ لیکن باوجود اس کے، یگانہ نے تنہا ہندوستان میں رہائش پسند کی۔ اس عظیم قربانی کے صلے میں ہندوستان نے انھیں کیا دیا؟؟ سوائے رسوائی اور بے انتہا تکالیف کے۔ حتیٰ کہ پس مرگ جب دوارکا داس شعلہ نے مرکزی وزیر مولانا ابوالکلام آزادؔ سے سرکاری خرچ پر محض یگانؔہ کی قبر پختہ کروانے کی درخواست کی تو ہمارے معزز وزیر صاحب نے انھیں جواب تک دینا پسند نہ کیا۔ جب کہ اس خرچ میں ۲۵۰ روپیے شعلؔہ نے اپنی جیب سے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ عوام کی بے حسی کا رونا تو خیر کیا روئیں لیکن خواص کی چشم پوشی پر بے حد افسوس ہوتا ہے۔ حیف صد حیف۔

قربان جائیے اہلِ پاکستان کی اعلیٰ ظرفی پر کہ جنھیں مولائے کریم نے دیدۂ بینا سے نوازا ہے۔ قومی عجائب گھر کراچی میں ابوالمعانی یگانؔہ چنگیزی کے خطوط، ان کی بیاضیں، غیر مطبوعہ کلام، تصاویر اور دیگر متعلقہ چیزیں بڑی حفاظت اور توجہ سے رکھی گئی ہیں۔ میں قومی عجائب گھر کے اربابِ حل وعقد کو سلام کرتا ہوں کہ انھوں نے ایک شاعرِ عظیم، ایک مردِ مجاہد کی یادگاریں بحفاظت سنبھالے رکھنے کا اہتمام کیا۔ مولانا آزادؔ کے نام دوارکا داس شعلؔہ کا

خط یہاں اس غرض سے پیش کیا جارہا ہے کہ قارئین، ہندوستان کے ایک محبِ وطن کا حشر بھی دیکھ لیں۔ مولانا آزاد کی عظمت سے مجھے انکار نہیں، ہو بھی نہیں سکتا، لیکن شعلہ کے خط کی عدم جوابی، مولانا آزاد کی غیر ضروری مصلحت اندیشی اور تعصب ظاہر کرتی ہے۔

رکھیو غالبؔ مجھے اس تلخ نوائی سے معاف

ہیچ مداں

دہلی

۱۸ مئی ۱۹۵۶

مولانائے ما! نیاز و سلامِ شوق

آپ میرزا یگانہؔ کو ضرور جانتے ہوں گے کیوں کہ آپ کی نگاہِ جوہر شناس سے کوئی وہ ذرہ پوشیدہ نہیں جو کچھ روشنی رکھتا ہو اور میرزا تو اپنے وقت کے بڑے شاعر تھے۔ شاعر تو وہ تھے ہی مگر بحیثیت انسان کہیں زیادہ بڑے تھے۔ میرے نزدیک انسان ہونا آج کے اشتہاری دور میں بڑی بات ہے۔ اس سے بڑھ کر ہوتا تو خدا جانے کیا ہوتا۔ میرزا بے باکی کی حد تک صاف گو تھے۔ اس لیے دوست پیدا نہ کر سکے۔ ہندوؤں کے نزدیک وہ مسلمان تھے اور مسلمانوں کی نگاہ میں کافر۔ مجھے ان کا نیاز مند ہونے کا فخر حاصل ہے۔ ۷۲ برس کی عمر میں میرزا نے گزشتہ ۳ر۴ فروری کی درمیانی رات کو انتہائی کسمپرسی کی حالت میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ زندگی مالی پریشانیوں بلکہ بدحالی کے عالم میں گزاری مگر ان کے ماتھے پر شکن تک نہ ابھری۔ ہر مشکل کو، ہر مصیبت کو نہ صرف خندہ پیشانی سے برداشت کیا بلکہ جزو حیات بنا لیا۔ بہر کیف۔ زندگی کو جیسا گزرنا تھا گزر گئی۔ اب میرزا مصائب کی دست برد سے آزاد ہیں۔ میرا خیال ہے ان کے خلاف جو طوفان تعصب ابھی باقی ہے وہ موجودہ نسل کے ختم

ہوتے ہوتے ختم ہوجائیگا۔اور پھر لوگ انہیں ادبی اور انسانی حیثیت سے دیکھنے لگیں گی۔میری خواہش ہے کہ ان کا نشان باقی رہے۔شاید یہ ایک شئے ہی آنے والی نسلوں کے خراجِ عقیدت کے لیے کافی ہو۔اگر آپ کی وساطت سے حکومت صرف ان کا مزار اور احاطہ پختہ بنوادے تو فی الحال کافی ہے۔ایک کتبہ تکیے کی طرف ہو جس پر ان کا نام، یومِ ولادت و وفات اور انہی کا ایک شعر ہو:

خود پرستی کیجیے یا حق پرستی کیجیے
آہ کس دن کے لیے ناحق پرستی کیجیے

میرے بس کی بات ہوتی تو میں اب تک بے دریغ تعمیر مکمل کروادیتا۔اڑھائی سو روپے تک اب بھی دینے کے قابل ہوں اور اگر آپ یہ کام اپنے ہاتھ میں لیں تو یہ رقم فوراً حاضر کردوں۔

میں جانتا ہوں کہ تعصب آپ کے قریب سے ہوکر نہیں گزرا۔میں سمجھتا ہوں کہ خدانے آپ کو وہ توفیق خاص طور پر عطا کی ہے جس سے انسان کے لیے حق شناسی اور حق بینی ممکن ہوجاتی ہے،اور یہ۔۔۔۔۔۔کارِ خیر جس کے لیے میں التجا کر رہا ہوں یقیناً ملک و قوم وادب کی خدمت ہے۔میرزا کا مزار فی الحال ایک تودۂ خاک پر مشتمل ہے،اس سے پہلے کہ لکھنو کی برسات اسے باقی سطح سے ہموار کردے،ازراہِ کرم ادب وانسانیت کی مدد کیجیے۔

خاکسار

دوارکاداس

حواشی

بابِ ہفتم

۱) جوش ملیح آبادی، عزیزؔ لکھنوی کے شاگرد تھے۔ جوش کے استاد بھائی گوپی ناتھ امنؔ نے مالک رام سے کہا تھا کہ ''صاحب! عزیزؔ میرے استاد تھے اور ہمارا فرض تھا کہ ہم ان کی حمایت اور یاس یگانہؔ کی مخالفت کریں۔ لیکن ایمان کی بات یہ ہے کہ یاسؔ صاحب کے اعتراضات کا جواب ممکن نہیں تھا۔ چناچہ ہمیں کچھ کرتے بن نہ آئی'' (وہ صورتیں الٰہی، مکتبہ جامع لمیٹیڈ دہلی، ۱۹۷۴ء صفحہ نمبر ۱۴۶)

۳۸) جوش ملیح آبادی، وحیدالدین ضیاالدین احمد کی تھیٹر کمپنی شالیمار پکچر کے بلاوے پر نغمہ نگاری کی غرض سے پونا میں رہا کرتے تھے۔ مذکورہ خط جوش کے قیامِ پونہ کے دوران تحریر کردہ ہے۔ شالیمار پکچر کے تحت بننے والے سنیما میں جوش نے عمدہ نغمے تخلیق کیے ہیں۔ جن میں 'من کی جیت (۱۹۴۴)' 'پریم سنگیت' وغیرہ شامل ہیں۔ یہاں یہ وضاحت بھی نہایت ضروری خیال کرتا ہوں کہ 'من کی جیت' سنیما کا ایک گیت اس زمانے میں بہت مقبول ہوا۔ ''نگری مری کب تک یونہی برباد رہے گی''۔ اس گیت کا ٹیپ کا بند جوش نے یگانہؔ کی غزل 'جب تک خلشِ دردِ خداداد رہے گی'' کے ایک مصرع کو بنایا تھا'' دنیا یہی دنیا ہے تو کیا یاد رہے گی''۔ یگانہ کا مکمل شعر یوں ہے۔

ہر شام ہوئی صبح کو اک خوابِ فراموش
دنیا یہی دنیا ہے تو کیا یاد رہے گی

مذکورہ غزل ۱۹۲۵ء کی تخلیق کردہ ہے جو ۱۰ اکتوبر ۱۹۲۵ء کے مشاعرۂ علی گڑھ میں پڑھی گئی اور

یگانہ کے شعری مجموعہ ''آیاتِ وجدانی'' میں صفحہ نمبر ۲۹۳ پر درج ہے۔ (اول ایڈیشن، جس کا عکس اس وقت میری تحویل ہے) ''کلیات یگانہ'' میں اس غزل کے حاشیہ پر مشفق خواجہ نے جوشؔ کے نغمے کا ذکر نہیں کیا۔ ہر چند کہ یہ ضروری تھا۔ ممکن ہے مشفق خواجہ اس گیت سے بے بہرہ ہوں۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہاں یہ بھی واضح کرتا چلوں کہ ۱۹۶۱ء میں منظرِ عام پر آئے ہندوستانی سنیما ''جب پیار کسی سے ہوتا ہے'' میں حسرتؔ جے پوری کا لکھا مشہور گیت ''تری زلفوں سے جدائی تو نہیں مانگی تھی''۔ حسرتؔ نے یگانہؔ کے ایک مصرع کو یک لفظی تصرف سے اس گیت کا ٹیپ کا بند بنایا تھا ''قید مانگی تھی رہائی تو نہیں مانگی تھی''۔ یگانہ کا مکمل شعر یوں ہے۔

موت مانگی تھی خدائی تو نہیں مانگی تھی
لے دعا کر چکے اب ترکِ دعا کرتے ہیں

لیکن سخت حیرت ہے کہ ان تمام باتوں کا اظہار نہ جوشؔ نے کیا، نہ حسرتؔ نے اور نہ کلیاتِ یگانہ کے مرتب جناب مشفق خواجہ نے۔ یاراں فراموش کردند عشق۔

باب ہشتم

انتخابِ کلام

(غزلیات)

❖

جب تک خلشِ دردِ خداداد رہے گی
دنیا دلِ ناشاد کی آباد رہے گی

چونکائے گی رہ رہ کے تو غفلت کا مزہ کیا
ساتھ اپنے اجل صورتِ ہمزاد رہے گی

روح اپنی ہے بیگانۂ ہر جنت و دوزخ
گم ہو کے ہر اِک قید سے آزاد رہے گی

دل اور دھڑکتا ہے ادب گاہِ قفس میں
شاید یہ زباں تشنۂ فریاد رہے گی

شیطان کا شیطان، فرشتے کا فرشتہ
انسان کی یہ بُوالعجبی یاد رہے گی

ہاں وسعتِ زنجیر تک آزاد بھی ہوں میں
ہستی مری مجموعۂ اضداد رہے گی

ہر شام ہوئی صبح کو اِک خوابِ فراموش
دُنیا یہی دنیا ہے تو کیا یاد رہے گی

(۱۹۲۵)

ادب نے دل کے تقاضے اُٹھائے ہیں کیا کیا
ہوس نے شوق کے پہلو دبائے ہیں کیا کیا

نہ جانے سہوِ قلم ہے کہ شاہکارِ قلم
بلائے حُسن نے فتنے اُٹھائے ہیں کیا کیا

نگاہ ڈال دی جس پر وہ ہو گیا اندھا
نظر نے رنگِ تصرف دکھائے ہیں کیا کیا

اِسی فریب نے مارا کہ کل ہے کتنی دُور
اِس آج کل میں عبث دن گنوائے ہیں کیا کیا

پیامِ مرگ سے کیا کم ہے مژدہٴ ناگاہ؟
اسیر چونکتے ہی تلملائے ہیں کیا کیا

کسی کے رُوپ میں تم بھی تو اپنے درشن دو
جہاں میں شاہ و گدا رنگ لائے ہیں کیا کیا

گزر کے آپ سے ہم، آپ تک پہنچ تو گئے
مگر خبر بھی ہے کچھ پھیر کھائے ہیں کیا کیا

بلند ہو تو کُھلے تجھ پہ زور پستی کا
بڑے بڑوں کے قدم ڈگمگائے ہیں کیا کیا

خوشی میں اپنے قدم چوم لوں تو زیبا ہے
وہ لغزشوں پہ مری مسکرائے ہیں کیا کیا

خدا ہی جانے یگانہؔ میں کون ہوں، کیا ہوں
خود اپنی ذات پہ شک دل میں آئے ہیں کیا کیا

❖

کار گاہِ دنیا کی نیستی بھی ہستی ہے
اِک طرف اُجڑتی ہے، ایک سمت بستی ہے

بے دلوں کی ہستی کیا، جیتے ہیں نہ مرتے ہیں
خواب ہے نہ بیداری، ہوش ہے نہ مستی ہے

کیا بتاؤں کیا ہوں میں، قدرتِ خدا ہوں میں
میری خود پرستی بھی عینِ حق پرستی ہے

کیمیائے دل کیا ہے، خاک ہے مگر کیسی؟
لیجیے تو مہنگی ہے، بیچیے تو سستی ہے

خضرِ منزل اپنا ہوں، اپنی راہ چلتا ہوں
میرے حال پر دنیا کیا سمجھ کے ہنستی ہے

کیا کہوں سفر اپنا ختم کیوں نہیں ہوتا
فکر کی بلندی یا حوصلے کی پستی ہے

چتونوں سے ملتا ہے کچھ سراغ باطن کا
چال سے تو کافر پر سادگی برستی ہے

ترکِ لذّتِ دنیا کیجیے تو کس دل سے؟
ذوقِ پارسائی کیا؟ فیضِ تنگ دستی ہے

دیدنی ہے یاسؔ اپنے رنج و غم کی طغیانی
جھوم جھوم کر کیا کیا یہ گھٹا برستی ہے

(۱۹۲۳)

❖

چلے چلو جہاں لے جائے ولولہ دل کا
دلیلِ راہِ محبت ہے فیصلہ دل کا

ہوائے کوچۂ قاتل سے بس نہیں چلتا
کشاں کشاں لیے جاتا ہے ولولہ دل کا

گِلہ کسے ہے کہ قاتل نے نیم جاں چھوڑا
تڑپ تڑپ کے نکالوں گا حوصلہ دل کا

خدا بچائے کہ نازک ہے اِن میں ایک سے ایک
تنک مزاجوں سے ٹھہرا مُعاملہ دل کا

دکھا رہا ہے یہ دونوں جہاں کی کیفیت
کرے گا ساغرِ جم کیا مقابلہ دل کا

ہوا سے وادیِ وحشت میں باتیں کرتے ہو
بھلا یہاں کوئی سنتا بھی ہے گِلہ دل کا

قیامت آئی کُھلا رازِ عشق کا دفتر
بڑا غضب ہوا، پھوٹا ہے آبلہ دل کا

کسی کے ہو رہو اچھی نہیں یہ آزادی
کسی کی زلف سے لازم ہے سلسلہ دل کا

پیالہ خالی اٹھا کر لگا لیا منہ سے
کہ یاسؔ کچھ تو نکل جائے حوصلہ دل کا

(۱۹۱۲)

❖

سجدۂ صبح و شام کیا کرتا
غائبانہ سلام کیا کرتا

جو نہ سمجھے خود اپنا مطلبِ شوق
وہ پیام و سلام کیا کرتا

جسے چاہا بنا لیا دیوتا
بندۂ بے امام کیا کرتا

نہ چلی کچھ تو بددعا ہی سہی
دہنِ بے لگام کیا کرتا

جس کی تلوار کا ہو لوہا تیز
حجتِ ناتمام کیا کرتا

ارے کیسی سزا، کہاں کی جزا
ہچکچاتا تو کام کیا کرتا

وقت جس کا کٹے حسینوں میں
کوئی مردانہ کام کیا کرتا

مجھ سے معنی شناس پر جادو
حسنِ صورت حرام کیا کرتا

بندۂ خاص پر مرا مولا
نگہِ فیضِ عام کیا کرتا

یہ مساوات تحفۂ نا چیز
وہ یگانہؔ کے نام کیا کرتا

❖

مجھے دل کی خطا پر یاسؔ شرمانا نہیں آتا
پرایا جرم اپنے نام لکھوانا نہیں آتا

برا ہو پائے سرکش کا کہ تھک جانا نہیں آتا
کبھی گمراہ ہو کر راہ پر آنا نہیں آتا

ازل سے تیرا بندہ ہوں، ترا ہر حکم آنکھوں پر
مگر فرمانِ آزادی بجا لانا نہیں آتا

مجھے اے ناخدا آخر کسی کو منھ دکھانا ہے
بہانہ کر کے تنہا پار اُتر جانا نہیں آتا

مصیبت کا پہاڑ آخر کسی دن کٹ ہی جائے گا
مجھے سر مار کر تیشے سے مر جانا نہیں آتا

دلِ بے حوصلہ ہے اک ذرا سی ٹھیس کا مہماں
وہ آنسو کیا پیے گا جس کو غم کھانا نہیں آتا

اسیرِ شوقِ آزادی مجھے بھی گدگداتا ہے
مگر چادر سے باہر پاؤں پھیلانا نہیں آتا

سراپا راز ہوں میں کیا بتاؤں، کون ہوں، کیا ہوں
سمجھتا ہوں مگر دنیا کو سمجھانا نہیں آتا

(۱۹۲۴)

❖

کدھر چلا ہے اِدھر ایک رات بستا جا
گرجنے والے گرجتا ہے کیا برستا جا

دکھا دے خاک کے پُتلوں میں زور کتنا ہے
ہوا پہ تیر چکا، اب زمیں میں دھنستا جا

رُلا رُلا کے غریبوں کو ہنس چکا کل تک
مری طرف سے اب اپنی دسا پہ ہنستا جا

جفائے پنجۂ خوں خوار سے جو بس نہ چلے
تو بن کے خشک نوالہ گلے میں پھنستا جا

علاجِ اہلِ حسد، زہر خندِ مردانہ
ہنسی ہنسی میں تو اِن احمقوں کو ڈستا جا

بقدرِ ذوق تماشائے حُسن ناممکن
ترسنے میں بھی ہے اِک کیفیت، ترستا جا

تو آپ اپنی ہے شمشیر آپ اپنی سپر
یگانہ باگ اٹھا اپنے بل پہ کستا جا

(۱۹۳۶ء)

❖

دھواں سا جب نظر آیا سوادِ منزل کا
نگاہِ شوق سے آگے تھا کارواں دل کا

چراغ لے کے کسے ڈھونڈتے ہیں دیوانے
نشاں تو دور ہے یاں نام تک نہیں دل کا

کبھی تو موج میں آئے گا تیرا دیوانہ
اشارہ چاہیے ہے جُنبشِ سلاسل کا

وہ دستِ شل جو دعا کے لیے بھی اُٹھ نہ سکے
ارادہ کون سے بل پر کرے گا ساحل کا

پرائی موت کا احساں بھی ہے ہمیں منظور
کہیں طلسم تو ٹوٹے عدم کی منزل کا

خود اپنی آگ میں جلتا تو کیمیا ہوتا
مزاج داں نہ تھا پروانہ شمعِ محفل کا

ہوا پھری افسردہ دلوں کی رُت بدلی
اُبل پڑا ہے پھر رنگ نقشِ باطل کا

جوابِ حسنِ طلب بے دلوں سے بن نہ پڑا
حیا سے گڑ گئے جب نام آگیا دل کا

حضورِ دوست یگانہ کچھ ایسے غائب تھے
زبانِ گنگ تک آیا نہ ماجرا دل کا

(۱۹۱۷)

❖

وحشت تھی ، ہم تھے، سایۂ دیوارِ یار تھا
یا یہ کہو کہ سر پہ کوئی جن سوار تھا
لالے کا داغ دیکھ کہ چتون بدل گئی
تیور سے صاف رازِ جنوں آشکار تھا
پہلے تو آنکھیں پھاڑ کے دیکھا اِدھر اُدھر
دامن پھر اِک اشارے میں بس تار تار تھا
اللہ رے توڑ نیچی نگاہوں کے تیر کا
اُف بھی نہ کرنے پائے تھے اور دل کے پار تھا
نیرنگِ حُسن و عشق کی وہ آخری بہار
تربت تھی میری اور کوئی اشک بار تھا
لو اَب کُھلا، بہار کے پردے میں تھی خزاں
دھوکے کی ٹٹی یہ چمنِ روزگار تھا
ساحل کے پاس یاسؔ نے ہمّت بھی ہار دی
کچھ ہاتھ پاؤں مارتا ظالم تو پار تھا

❖

سب ترے سوا کافر، آخر اِس کا مطلب کیا
سر پھرا دے انساں کا ایسا خبطِ مذہب کیا

چُلّو بھر میں متوالی، دو ہی گھونٹ میں خالی
یہ بھری جوانی کیا؟ جذبۂ لبالب کیا؟؟

ہاں دعائیں لیتا جا، گالیاں بھی دیتا جا
تازگی تو کچھ پہنچے، چاہتا رہوں لب کیا

شامت آگئی آخر کہہ گیا خدا لگتی
راستی کا پھل پاتا بندۂ مقرب کیا

اُلٹی سیدھی سنتا رہ، اپنی کہہ تو اُلٹی کہہ
سادہ ہے تُو کیا جانے بھانپنے کا ہے ڈھب کیا

سب جہاد ہیں دل کے، سب فساد ہیں دل کے
بے دِلوں کا مطلب کیا اور ترکِ مطلب کیا؟

ہو رہے گا سجدہ بھی جب کسی کی یاد آئی
یاد جانے کب آئے، زندہ داریٔ شب کیا؟

پڑ چکے بہت پالے، ڈس چکے بہت کالے
مُوذیوں کے مُوذی کو فکرِ نیشِ عقرب کیا

میرزا یگانہ واہ! زندہ باد! زندہ باد!
اِک بلائے بے درماں جب تم کیا تھے اور اب کیا

(۱۹۴۰)

❖

روشن تمام کعبہ و بُت خانہ ہوگیا
گھر گھر جمالِ یار کا افسانہ ہوگیا

اعجازِ عشق دیکھو ، وہی پُر غبار دل
آئینہ دارِ جلوۂ جانانہ ہوگیا

آساں نہیں ہے آگ میں دانستہ کودنا
دیوانہ شوقِ وصل میں پروانہ ہوگیا

دیر وحرم بھی ڈھہ گئے جب دل نہیں رہا
سب دیکھتے ہی دیکھتے ویرانہ ہوگیا

کل کی ہے بات جوش پہ تھا عالمِ شباب
یادش بخیر ، آج اِک افسانہ ہوگیا

زنجیر پھر ہلا دی نسیمِ بہار نے
پھر باہر آپ سے ترا دیوانہ ہوگیا

آئینہ دیکھتا ہے گریباں کو پھاڑ کر
وحشی اب اپنا آپ ہی دیوانہ ہوگیا

کیا جانے آج خواب میں کیا دیکھا اُس نے
کیوں چونکتے ہی آپ سے بیگانہ ہوگیا

(۱۹۱۳)

❖

خودی کا نشہ چڑھا آپ میں رہا نہ گیا
خدا بنے تھے یگاؔنہ مگر بنا نہ گیا

پیامِ زیرِ لب ایسا کہ کچھ سنا نہ گیا
اشارہ پاتے ہی انگڑائی لی رہا نہ گیا

ہنسی میں وعدۂ فردا کو ٹالنے والو
لو دیکھ لو وہی 'کل' 'آج' بن کے آنہ گیا؟

گناہِ زندہ دلی کہیے یا دل آزادی
کسی پہ ہنس لیے اِتنا کہ پھر ہنسا نہ گیا!

پکارتا رہا کس کس کو ڈوبنے والا
خدا تھے اتنے مگر کوئی آڑے آ نہ گیا

سمجھتے کیا تھے؟ مگر سنتے تھے ترانۂ درد
سمجھ میں آنے لگا جب تو پھر سُنا نہ گیا

کروں تو کس سے کروں دردِ نارسا کا گلہ؟
کہ مجھ کو لے کے دلِ دوست میں سما نہ گیا!

بُتوں کو دیکھ کے سب نے خدا کو پہچانا
خدا کے گھر تو کوئی بندۂ خدا نہ گیا

کرشن کا ہوں پجاری علی کا بندہ ہوں
یگاؔنہ شانِ خدا دیکھ کر رہا نہ گیا

(۱۹۳۲)

❖

خدا معلوم ، کیسا سحر تھا اس بُت کی چتون میں
چلے جاتی ہیں اب تک چشمکیں شیخ و برہمن میں

کنارِ آب جو بیٹھے ہیں مستِ نکہتِ ساغر
نظر سوئے فلک اور ہاتھ ہے مینا کی گردن میں

بتاؤ سیرِ صحرا کی کوئی تدبیر وحشی کو
گریباں میں تو ہاتھ اُلجھا ، پھنسا ہے پاؤں دامن میں

تھکے ماندے سفر کے سو رہے ہیں پاؤں پھیلائے
یہ سب مر مر کے پہنچے ہیں بڑی مشکل سے مدفن میں

جو ہر دم جھانکتے تھے روزنِ دیوارِ زنداں سے
انھیں پھر چین آیا کس طرح تاریک مدفن میں

کجا موسیٰ، کجا مقصودِ سبحان الذّی اسریٰ
رگڑ کر ایڑیاں بس رہ گئے وادیِ ایمن میں

حجابِ نازِ بے جا یاسؔ جس دن بیچ میں آیا
اُسی دن سے لڑائی ٹھن گئی شیخ و برہمن میں

(۱۹۱۲)

❖

یکساں کبھی کسی کی نہ گزری زمانے میں
یادش بخیر، بیٹھے تھے کل آشیانے میں

صدمے دیے تو صبر کی دولت بھی دے گا وہ
کس چیز کی کمی ہے سخی کے خزانے میں

غربت کی موت بھی سببِ ذکرِ خیر ہے
گر ہم نہیں تو نام رہے گا زمانے میں

دم بھر میں اب مریض کا قصہ تمام ہے
کیوں کر کہوں، یہ رات کٹے گی فسانے میں

دل میں بہارِ چہرۂ رنگیں کا دھیان ہے
یا جلوۂ بہشت ہے آئینہ خانے میں

صیّاد اِس اسیری پہ سو جاں سے میں فدا
دل بستگی قفس کی کہاں آشیانے میں

رہ رہ کے جیسے کانؔ میں کہتا ہے یہ کوئی
ہوں گے قفس میں کل جو ہیں آج آشیانے میں

افسردہ خاطروں کی خزاں کیا، بہار کیا
کنجِ قفس میں مر رہے یا آشیانے میں

دیوانے بن کے ان کے گلے سے لپٹ بھی جاؤ
کام اپنا کر لو یاسؔ بہانے بہانے میں

(۱۹۱۲)

❖

دامنِ قاتل جو اُڑ اُڑ کر ہوا دینے لگے
کیا بتاؤں ، زخمِ دل کیا کیا دعا دینے لگے

وائے ناکامی کہاں سفاک نے روکا ہے ہاتھ
زخم ہائے شوق جب کچھ کچھ مزا دینے لگے

چارہ سازو، مجھ سے رُسوا جاں بلب بیمار کو
زہر دینا چاہیے تھا ، تم دوا دینے لگے

یاس وحرماں، آہِ سوزاں، اشکِ خوں، داغِ جنوں
حضرتِ عشق اور کیا اِس کے سِوا دینے لگے

آج ہو شاید کسی کو آتشِ غم کی خبر
شکر ہے اب اُستخواں بوئے وفا دینے لگے

کیا مخالف ہوگئی ہم سے زمانے کی ہوا
یاسؔ دیکھو، حضرتِ دل بھی دغا دینے لگے

(۱۹۱۱)

❖

خون کے گھونٹ بلا نوش پیئے جاتے ہیں
خیر ساقی کی مناتے ہیں جیئے جاتے ہیں

ایک تو درد ملا اس پہ یہ شاہانہ مزاج
ہم غریبوں کو بھی کیا تحفے دیے جاتے ہیں

آگ بجھ جائے مگر پیاس بجھائے نہ بجھے
پیاس ہے یا کوئی ہوَکا کہ پیئے جاتے ہیں

نہ گیا خوابِ فراموش کا سودا نہ گیا
جاگتے سوتے تجھے یاد کیے جاتے ہیں

خوب سیکھا ہے سلام آپ کے دیوانوں نے
شام دیکھیں نہ سحر، سجدے کیے جاتے ہیں

نشۂ حسن کی یہ لہر، الٰہی توبہ!
تشنہ کام آنکھوں ہی آنکھوں میں پیئے جاتے ہیں

دل ہے پہلو میں کہ امید کی چنگاری ہے
اب تک اتنی ہے حرارت کہ جیے جاتے ہیں

ڈوبتا ہے نہ ٹھہرتا ہے سفینہ دل کا
دم الٹتا ہے مگر سانس لیے جاتے ہیں

کیا خبر تھی کہ یگانہ کا ارادہ یہ ہے
ڈوب کر پار اترنے کے لیے جاتے ہیں

(۱۹۳۵)

❖

ارے واہ ! صلح ہوئی تو کیا، وہی آگ دل میں بھری رہی
وہی خُو رہی ، وہی بُو رہی ، وہی فطرتِ بشری رہی
یہ بلائے حُسن کہاں نہیں ، مگر اپنے واسطے کچھ نہیں
تمھیں کیا بتائیں ، نظر کے ساتھ جو زحمتِ نظری رہی
نگہِ کرم کا سوال کیا، ہے عتاب کی بھی خبر نہیں
ترے سنگِ در پہ جبینِ شوق، دھری رہی، سو دھری رہی
نہ خداؤں کا نہ خدا کا ڈر، اسے عیب جانیے یا ہنر
وہی بات آئی زبان پر، جو نظر پہ چڑھ کے کھری رہی
کوئی چشمِ شوق کے سامنے ہو، تو سوجھتی ہے نئی نئی
تیرے دم قدم کی بہار تھی، کہ طبیعت اپنی ہری رہی
کوئی میری آنکھ سے دیکھتا ، وہ زوالِ دولتِ رنگ و بو
کہ بہارِ حسن کی شام کو بھی عجیب جلوہ گری رہی
کوئی آرزو تھی چھپی ہوئی،کوئی اقتضا تھا دبا ہوا
دلِ مضطرب میں جبھی تو اک، خلشِ شکستہ پری رہی
وہ گناہگار ہمیں تو ہیں، کہ جمال پاک کے سامنے
نظر اُٹھتے اُٹھتے جھپک گئی، ہوسِ گناہ دھری رہی
عجب اتفاق ، بھڑک اٹھی وہ نشے میں دوست کی دشمنی!
ارے اس حقیقتِ تلخ سے مجھے کیوں نہ بے خبری رہی
یہ وہ دل ہے ،جس میں سوائے حق کسی دوسرے کا گزر نہیں
وہی ایک ذاتِ یگانہ بس ،وہی ایک جلوہ گری رہی

(۱۹۳۶)

❖

کس کی آواز کان میں آئی
دور کی بات دھیان میں آئی

ایسی آزاد روح، اس تن میں؟
کیوں پرائے مکان میں آئی

آپ آتے رہے بلاتے رہے
آنے والی اک آن میں آئی

ہائے کیا کیا نگاہ بھٹکی ہے
جب کبھی امتحان میں آئی

یہ کنارہ چلا کہ ناؤ چلی؟
کہیے کیا بات دھیان میں آئی

علم کیا علم کی حقیقت کیا؟
جیسی جس کے گمان میں آئی

حسن کیا خواب سے ہوا بیدار
جانِ تازہ جہان میں آئی

بات ادھوری مگر اثر دُونا
اچھی لکنت زبان میں آئی

آنکھ نیچی ہوئی ، ارے یہ کیا؟
کیوں غرض درمیان میں آئی

میں پیمبر نہیں یگانہؔ سہی
اس سے کیا کسر شان میں آئی

(۱۹۴۲)

❖

خدا کی مار وہ ایامِ شور و شر گزرے
وہ جن سوار تھا سر پر کہ سر سے در گزرے
مرے فرشتے بھی شاید ہیں آپ کے جاسوس
کہ آہ کرتے ہی پرچہ لگے، خبر گزرے
حلال بھی مرے حق میں حرام، واویلا!
نگاہِ شوق سے کیا کیا گل و ثمر گزرے
جو سبز باغِ تمنا پہ پھیر دے پانی
خدا بچائے، ہم ایسی نظر سے در گزرے
نکالے عیب میں سَو حسن، حسن میں سَو عیب
خیال ہی تو ہے، جیسا بندھے، جدھر گزرے
زمین پاؤں تلے سے نکل گئی تو کیا؟
ہم اپنی دُھن میں زمانے سے بے خبر گزرے
خدا کے بعد بھروسہ ہے حضرتِ دل کا
خدا نخواستہ شک ایسے دوست پر گزرے
مزہ نہ پوچھیے، واللہ، دل دُکھانے کا
کہاں کا خوفِ خدا؟ ٹھان لی تو کر گزرے
ادب کے واسطے کتنوں کے دل دُکھائے ہیں
یگانہ، حد سے گزرنا نہ تھا مگر گزرے

(۱۹۳۸)

❖

لپٹتی ہے بہت یادِ وطن جب دامنِ دل سے
پلٹ کر اک سلامِ شوق کر لیتا ہوں منزل سے
ابھرنے کے نہیں ، بحرِ فنا میں ڈوبنے والے
دُرِ مقصود ہی گم ہے تو پھر کیا کام ساحل سے
نہیں معلوم ، کیا لذت اٹھائی ہے اسیری میں
دلِ وحشی پھڑک اٹھتا ہے آوازِ سلاسل سے
رہے گی چار دیوارِ عناصر درمیاں کب تک
اٹھے گا زلزلہ اک دن اسی بیٹھے ہوئے دل سے
کہاں تک پردۂ فانوس سے سر کی بلا ٹلتی
ازل سے لاگ تھی بادِ فنا کو شمعِ محفل سے
یہیں سے سیر کر لو یاسؔ اتنی دور کیوں جاؤ
عدم آباد کا ڈانڈا ملا ہے کوئے قاتل سے

(۱۹۱۴)

❖

موت آئی ، آنے دیجیے، پروا نہ کیجیے
منزل ہے ختم، سجدۂ شکرانہ کیجیے

زنہار ترکِ لذتِ ایذا نہ کیجیے
ہرگز گناہِ عشق سے توبہ نہ کیجیے

نا آشنائے حسن کو کیا اعتبارِ عشق
اندھوں کے آگے بیٹھ کے رویا نہ کیجیے

تہ کی خبر بھی لائیے ساحل کے شوق میں
کوشش بقدرِ ہمتِ مردانہ کیجیے

وہ دن گئے کہ دل کو ہوس تھی گناہ کی
یادش بخیر، ذکر اب اُس کا نہ کیجیے

ساون میں خاک اڑتی ہے دل ہے رُندھا ہوا
جی چاہتا ہے گریۂ مستانہ کیجیے

دیوانہ وار دوڑ کے کوئی لپٹ نہ جائے
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے دیکھا نہ کیجیے

(۱۹۲۰)

❖

سلامت رہیں دل میں گھر کرنے والے
اس اجڑے مکاں میں بسر کرنے والے
گلے پر چھری کیوں نہیں پھیر دیتے؟
اسیروں کو بے بال و پر کرنے والے
اندھیرے اجالے کہیں تو ملیں گے
وطن سے ہمیں دربدر کرنے والے
چھپے دامنِ ابرِ رحمت میں آخر
سیہ کاریوں میں بسر کرنے والے
گریباں میں منھ ڈال کر خود تو دیکھیں
برائی پہ میری نظر کرنے والے
اس آئینہ خانے میں کیا سر اٹھاتے؟
حقیقت پر اپنی نظر کرنے والے
بہارِ دو روزہ سے کیا دل بہلتا
خبر کر چکے تھے خبر کرنے والے
کھڑے ہیں دوراہے پہ دیر و حرم کے
تری جستجو میں سفر کرنے والے
کجا صحنِ عالم، کجا کنجِ مرقد!
بسر کر رہے ہیں، بسر کرنے والے
یگانہ وہی فاتحِ لکھنؤ ہیں
دلِ سنگ و آہن میں گھر کرنے والے

(۱۹۱۵)

❖

برابر بیٹھنے والے بھی کتنے دور تھے دل سے
مرا ماتھا وہیں ٹھنکا فریبِ رنگِ محفل سے

ارادے نے عمل کی راہ پائی کتنی مشکل سے
الٰہی خیر، لو ہے لگ گئے پہلی ہی منزل سے

نہ ترکِ اختیار آساں نہ ضبطِ اضطرار آساں
کوئی ایسا بھی ہے، پیاسا پلٹ آئے جو ساحل سے

مشیت اپنی تو جانے، کوئی گم گشتہ کیا جانے
اٹکتا جائے رہزن سے، بھٹکتا جائے منزل سے

مزاجِ حسن میں بھی درد پیدا ہو چلا شاید
پھڑک اٹھتا تھا ظالم پہلے کیا کیا رقصِ بسمل سے

جزائے خیر دے اللہ اس دیرینہ دشمن کو
بلائے زندگی لپٹی ہے اب تک نیم بسمل سے

دلِ طوفاں شکن تنہا جو آگے تھا سو اب بھی ہے
بہت طوفان ٹھنڈے پڑ گئے ٹکرا کے ساحل سے

ٹھہر جانا اشارے پر، نہیں آگے نکل جانا
یگانہ تجھ سے مطلب ہے کہ راہ و رسمِ منزل سے

(۱۹۳۸)

❖

زمانے پر نہ سہی دل پہ اختیار رہے
دکھا وہ زور کہ دنیا میں یادگار رہے

نظامِ دہر نے کیا کیا نہ کروٹیں بدلیں
مگر ہم ایک ہی پہلو سے بے قرار رہے

ہنسی میں لغزشِ مستانہ اڑ گئی واللہ
تو بے گناہوں سے اچھے گناہ گار رہے

تڑپ تڑپ کے اٹھاؤں گا زندگی کے مزے
خدا نکردہ ،مجھے دل پہ اختیار رہے

زمانہ اس کے سوا اور کیا وفا کرتا
چمن اجڑ گیا، کانٹے گلے کے ہار رہے

خزاں کے دم سے مٹا خوب وزشت کا جھگڑا
چلو یہ خوب ہوا، گُل رہے نہ خار رہے

جواب دے کے نہ توڑو کسی غریب کا دل
بلا سے کوئی سراپا امیدوار رہے

مزہ تو جب ہے یگانہ کہ یہ دلِ خود بیں
خودی کے نشے میں بیگانۂ خمار رہے

(۱۹۲۵)

❖

ہمہ تن شمع بنے یا ہمہ تن دل ہوجائے
جل کے ٹھنڈا کہیں پروانۂ محفل ہوجائے

حسنِ بے رنگ کہیں رنگ پکڑ سکتا ہے؟
پردہ جب تک نہ کوئی بیچ میں حائل ہوجائے

حسن وہ حسن کبھی جس کی حقیقت نہ کُھلے
رنگ وہ رنگ جو ہر رنگ میں شامل ہوجائے

صلح جوئی نے گنہ گار مجھے ٹھہرایا
جرم ثابت جو کیا چاہو تو مشکل ہوجائے

بھولنا سہل گناہوں کا بھلانا مشکل
تو جو یاد آئے تو آسان یہ مشکل ہوجائے

حق میں اوروں کے تری ذات سراپا احساں
وائے قسمت کہ مری ضد سے تو عادل ہوجائے

زندہ در گور ہوں موت آئے تو سر آنکھوں پر
مگر ایسا نہ ہو مہماں کوئی نازل ہوجائے

اپنی ضد، اپنی مشیت پہ جو آجائے کوئی
یاسؔ سب حسنِ عمل دفترِ باطل ہوجائے

(۱۹۲۳)

❖

خاک کا پتلا بگولہ دشت کا ہوجائے گا
مٹ کے بھی اک پیکرِ نشو نما ہوجائے گا

دردمندوں کی کہانی پر دلِ بے دسترس
ہاتھ مَل کر فرض سے اپنے ادا ہوجائے گا

کیا خبر تھی دل سا شاہنشاہ آخر ایک دن
عشق کے ہاتھوں گداؤں کا گدا ہوجائے گا

عشق کا حسنِ طلب اک معنیِ بے لفظ ہے
ٹکٹکی بند جائیگی مطلب ادا ہوجائے گا

اعتبارِ وعدہ واجب، بدگمانی کفر ہے
کفر سے باز آیئے وعدہ وفا ہوجائے گا

سانس لیتا ہوں تو آتی ہے صدائے بازگشت
کون دن ہوگا کہ اک نالہ رسا ہوجائے گا

بڑھتے بڑھتے اپنی حد سے بڑھ چلا دستِ ہوس
گھٹتے گھٹتے ایک دن دستِ دعا ہوجائے گا

چھوڑیے دیر و حرم کو یاسؔ دلّی دور ہے
اس دوراہے میں غضب کا سامنا ہوجائے گا

(۱۹۲۲)

❖

مستانہ رقص کیجیے گردابِ حال میں
بیڑا ہے پار ڈوب کر اپنے خیال میں

مارا فریبِ حسن کا پنپے تو جانیے
کتنے خدا رسیدہ پڑے اس وبال میں

ہاں کیوں نہ پار اتر چلوں خمیازہ جھیل کر
ڈوبے مری بلا عرقِ انفعال میں

ترسی ہوئی نگاہوں پہ اب رحم کیجیے
کب تک یہ امتیاز، حرام و حلال میں

کھٹکا لگا نہ ہو تو مزہ کیا گناہ کا
لذت ہی اور ہوتی ہے چوری کے مال میں

کیا زندگی کے بعد بھی ہے کوئی زندگی
پھر جان آچلی چمنِ پائمال میں

آوازِ بازگشت پہ کیا دیتے ہو صدا؟
کس سے الجھ رہے ہو جواب وسوال میں

واللہ نگاہِ شوق کی معراج ہے یہی
وہ خواب دیکھیے جو نہ آئے خیال میں

کیا بزمِ اتحاد ہے، کیا حسنِ اتفاق!
بیگانہ و یگانہ ہیں سب ایک حال میں

(۱۹۳۵)

❖

وہ جوانی کی موج وہ منجدھار
خیر، نیت بخیر بیڑا پار
آپ کیا جانیں مجھ پہ کیا گزرا ی
صبح دم دیکھ کر گلوں کا نکھار
اپنے ہی سائے سے بھڑکتے ہو
ایسی وحشت پہ کیوں نہ آئے پیار
تُو بھی جی اور مجھے بھی جینے دے
جیسے آباد گل سے پہلوئے خار
منہ جو تکتی ہو مرگِ دشمن کا
ایسی تلوار پر خدا کی مار
بے نیازی بھلی کہ بے ادبی؟
لڑکھڑاتی زباں سے شکوۂ یار؟
جاگتا خواب دیکھیے کب تک
چشمِ امید پر خدا کی سنوار
عشق ہی عین زندگی تو نہیں
ہاں مگر زندگی کا آلۂ کار
بن پڑے تو یگانہ بن کر دیکھ
عکس کوئی اتر سکے تو اتار

(۱۹۴۲)

❖

محبت نے ایمان کھویا تو کیا
پشیمانیوں میں ڈبویا تو کیا

حرارت ہے دل کی ابھی تک وہی
زمانے نے اتنا سمویا تو کیا

یہاں کیا دھرا ہے جو ہاتھ آئیگا
کلیجے میں پنجہ گڑویا تو کیا

امانت میں تیری خیانت نہ کی
مگر مفت کو بوجھ ڈھویا تو کیا

سرِ بزم پیاسے ہی مرجایئے
کہ تلچھٹ سے دامن بھگویا تو کیا

تہہِ دل سے ہو کچھ تو اک بات ہے
ہنسا میں تو کیا اور رویا تو کیا

نہا لیتے گنگا، بکھیڑا تھا پاک!
گناہوں کو زمزم سے دھویا تو کیا

تمہیں بھی مزہ اس کا چکھنا پڑا
یگانہ کو ہاتھوں سے کھویا تو کیا

❖

ہر رنگِ روشن ہر دیدنی کیا
دل تک نہ پہنچے وہ روشنی کیا
نشہ ہے نشہ، گس بَل ہے گس بَل
گس بَل کے آگے اک سنسنی کیا
یہ نوجوانی، یہ نامرادی
چھائی ہے منھ پر یہ مُردنی کیا
منھ سے نہ بولو سر سے تو کھیلو
ہے ماجرائے ناگفتنی کیا
اندر ہی اندر کیوں کھپ رہے ہو
کر بیٹھے کوئی ناکردنی کیا
کیوں یاد آئے پچھلا زمانہ
اک جاں بلب سے یہ دشمنی کیا
مشکل تو اک دن آسان ہوگی
یہ کون جانے دم پر بنی کیا
ہم ہوں کہ تم ہو دونوں ہیں ٹھنڈے
اب دوستی کیا اور دشمنی کیا
انگور کھٹے ہوں خواہ میٹھے
بے دسترس سے طعنہ زنی کیا
ہر خار و گل سے یکتا یگانہ
پھر دیدنی کیا، نا دیدنی کیا
(۱۹۴۲)

❖

بندہ وہ بندہ جو دم نہ مارے
پیاسا کھڑا ہو دریا کنارے
دکھ درد تُو ہی سمجھے نہ سمجھے
گونگا تو گونگا کس کو پکارے؟
بندوں سے اپنا اتنا تغافل؟
چوکھٹ پہ کوئی سر دے نہ مارے
کرنی کسی کی بھرنی کسی کی
بےموت مرنا غیرت کے مارے
اتنا بھی سیدھا سادہ چلن کیا؟
ایسے کو کوئی کیوں کر ابھارے؟
ٹکرا کے دیکھیں تم کیا ہو ہم کیا
جیتے تو جیتے، ہارے تو ہارے
حسنِ یگانہ ، اللہ اللہ
یہ بھیس بدلے یہ روپ دھارے!

(۱۹۴۵)

آخری غزل

بندھی ہے ٹکٹکی ، آپس میں گفتگو نہ سہی
زبانِ حال سہی، حرفِ آرزو نہ سہی
بھرا ہے بادۂ بے رنگ سے یہ شیشۂ دل
دماغ تازہ ہے اپنا، شگفتہ رو نہ سہی
جو تیری یاد میں کھویا گیا تو کیا پروا
جدھر بھی ہو دلِ گم گشتہ، قبلہ رو نہ سہی
خدا کے سامنے پاکیزگی جتانا کیا
نگاہ پاک ہو، دل صاف ہو، وضو نہ سہی
بھری بہار میں نیت نہ ہوگی ڈانواں ڈول؟
خیالِ خام سہی، تیری آرزو نہ سہی
ٹٹول لینے سے بے چارہ کیوں رہے محروم
ہوس نصیب کو احساسِ رنگ و بو نہ سہی
مزاج کیوں نہ بہکتا زمانہ سازوں کا
زمانہ ان کے موافق ہے ایک تو نہ سہی
یگانہ آم وہی ہے، وہی ہے خربوزے
یہ لکھنو ہے وہی، گو وہ لکھنو نہ سہی
(۱۹۵۳ء)

فارسی غزل

من کہ برنمی تابم دردِ زیستن تنہا
صبح دم چساں بینم شمعِ انجمن تنہا
تا کجا اماں یابد از ہجومِ جاں بازاں
گوشہ گیرِ فانوسے، بہرِ سوختن تنہا
ہر گلے و ہر خارے فتنہ با بر انگیزد
الحذر دلِ حیراں صد بہار و من تنہا
ذوق می تواں دانست رنگِ حسنِ نادیدہ
شاہدیست غمازے، بوئے پیرہن تنہا
طرفہ محشرے دارد از فریبِ فردائے
زندہ زیرِ پیراہن، مردہ در کفن تنہا
اے کہ کارہا کردی، مدفنے مہیا کن
تا بکے نہاں دارد عیب من کفن تنہا
چارۂ پشیمانی، خوش دلی و خوش کامی
توبہ از ریاکاراں، خندہا زمن تنہا
رہبرانِ خود گم را، جز دعا چہ فرمایم
پا شکستہ و حیراں ، ماندہ در وطن تنہا
ناخدا زمن بگزر سوے دیگراں بنگر
کارِ من بہ دریا در دست و پا زدن تنہا
صد رفیق و صد ہمدم پر شکستہ و دل تنگ
داورا نمی زیبد بال و پر بہ من تنہا
نکتہ دانِ خود سازم میرزا یگانہ را
دل نمی تواں برداشت لذتِ سخن تنہا
(۱۹۲۴)

❖

وائے نادانی کہ داری گوش بر دیوارِ ما

اہلِ دل را روے ما آئینۂ اسرارِ ما

چشم پوشی شیوۂ ما، حیلہ جوئی تا کجا

اے کہ باشی غائبانہ در پےِ آزارِ ما

پیش پا افتادہ بینی صد بلند و پست را

بہرۂ یابی اگر از نشۂ پندارِ ما

کیست ازیں ہردو کہ بکشاید درے ازمعرفت

زاہدِ شب زندہ دارے، یا دلِ بیدار ما؟

دوستانِ زندہ دل را خندہ بر لب سوختی

اے نگاہِ بے زبان، اے برقِ بے زنہار ما

زخمِ عبرت خوردہ ایم از دستِ نقاشِ ازل

خندۂ غفلت مزن بر پیکرِ خونبار ما

ہر کس از بزمِ یگانہ دست بر دل می رود

خویش را بیگانہ سازد محرمِ اسرار ما

(۱۹۲۶)

رباعیات

کیا کروں کیا نہ کروں

کعبہ کی طرف دُور سے سجدہ کرلوں
یا دَیر کا آخری نظارہ کرلوں
کچھ دیر کی مہمان ہے جاتی دنیا
ایک اور گنہ کرلوں کہ توبہ کرلوں
(۱۹۳۲)

موت کی دوا

حیران ہے کیوں، رازِ بقا مجھ سے پوچھ
میں زندۂ جاوید ہوں، آ مجھ سے پوچھ
مرتے ہیں کہیں دلوں میں بسنے والے
جینا ہے تو موت کی دوا مجھ سے پوچھ
(۱۹۳۲)

امتحانِ صبر

مشکل کوئی مشکل نہیں جینے کے سوا
خاموش لہو کا گھونٹ پینے کے سوا
کُھلتے ہیں جبھی جوہرِ تسلیم و رضا
جب کوئی سپر ہی نہ ہو سینے کے سوا
(۱۹۳۲)

ہر رنگ کو کہتا ہے فریبِ نظری
ہر بُو کو ہوائے منزلِ بے خبری
ہر حسن کو فلسفی کی آنکھ سے نہ دیکھ
دشمن کو مبارک ہو یہ بالغ نظری
(۱۹۳۳)

دل کیا ہے؟

دل کیا ہے؟ اک آگ دہکنے کے لیے
دنیا کی ہوا کھاکے بھڑکنے کے لیے
یا غنچۂ سربستہ چٹکنے کے لیے
یا خار ہے پہلو میں کھٹکنے کے لیے

(۱۹۲۹)

اعجازِ ہنر

واللہ یہ زندگی بھی ہے قابلِ دید
اک طرفہ طلسم، دید جس کی نہ شنید
منزل کی دُھن میں جھومتا جاتا ہوں
پیچھے تو اجل ہے آگے آگے امّید

(۱۹۳۱)

ترانۂ نیم شبی

ساجن کو سکھی منالو، پھر سو لینا
سوتی قسمت جگالو، پھر سو لینا
سوتا سنسار، سننے والا بیدار
اپنی بیتی سنالو، پھر سو لینا
(۱۹۳۰)

دل کی آواز

دُکھتا ہوا دل ٹٹول لینے والا
آنکھوں آنکھوں میں تول لینے والا
دل کی آواز گوشِ دل سے سن کر
کیا ہے کوئی درد مول لینے والا؟
(۱۹۳۰)

ہر روز نیا رکھتی ہے جوبن دنیا
مکار و زمانہ ساز و پرفن دنیا
معلوم نہیں کہ کھا گئی کتنوں کو
کہتے ہیں جسے سدا سہاگن دنیا

کھویا ہی نہیں تو پانا معلوم

منزل کا پتا ہے نہ ٹھکانہ معلوم
جب تک نہ ہو گم، راہ پہ آنا معلوم
کھو لیتا ہے انسان تو کچھ پا لیتا ہے
کھویا ہی نہیں تونے تو پانا معلوم

(۱۹۳۱)

متضاد قوتیں

چارہ نہیں کوئی جلتے رہنے کے سوا
سانچے میں فنا کے ڈھلتے رہنے کے سوا
اے شمع، تری حیاتِ فانی کیا ہے
جھونکا کھانے، سنبھلتے رہنے کے سوا
(۱۹۲۹ء)

پھول نہیں کانٹے ہی سہی

ہاں اے دلِ ایذا طلب، آرام نہ لے
بدنام نہ ہو، مفت کا الزام نہ لے
ہاتھ آ نہ سکے پھول تو کانٹے ہی سہی
ناکام پلٹنے کا کبھی نام نہ لے
(۱۹۲۷ء)

بہتی گنگا

مخمورِ مے شباب ہولینا تھا
کم سے کم ایک نیند سو لینا تھا
دامانِ ہوس کہیں بھگو لینا تھا
بہتی گنگا میں ہاتھ دھو لینا تھا

(۱۹۲۷)

دامِ آزادی

ہوں صید کبھی اور کبھی صیاد ہوں میں
کچھ بھی نہیں بازیچۂ اضداد ہوں میں
مختار، مگر اپنی حدوں میں محدود
ہاں، وسعتِ زنجیر تک آزاد ہوں میں

(۱۹۳۱)

لکھنؤ مجھ سے ہے

یارانِ چمن ، یہ رنگ و بو مجھ سے ہے
تم سے کیا ہوگا، لکھنؤ مجھ سے ہے
میں جانِ سخن ہوں بلکہ ایمانِ سخن
دنیائے ادب کی آبرو مجھ سے ہے
(۱۹۳۰)

ان عقل کے اندھوں میں ہے یہ غُل کیسا؟
میں جز ہوں وہ کُل ہے، یہ تعقل کیسا؟
کُل ہی کُل ہے کہاں کا جز کیسا جز
جز کُل سے الگ ہوا تو پھر کُل کیسا
(۱۹۳۳)

من موجی کی یہ ایک دُھن کیا کم ہے
پاپی ہی سہی مگر یہ پُن کیا کم ہے
کس پریم کی دیوی کا پجاری ہوں میں
گُن کوئی نہیں مگر یہ گُن کیا کم ہے
(۱۹۳۳)

جب تک نہ سہیں رنج تو راحت معلوم
جنت معلوم، سیرِ جنت معلوم
دوزخ کی ہوا کھائی نہیں، کیا جانے
معصوم کو جنت کی حقیقت معلوم

بگڑی تو عزیزوں سے بنائے نہ بنی
یوں مر کے دکھا دیتے ہیں جب دل میں ٹھنی
وہ ٹھاٹھ کچھ اور ہی تھا، یہ شان کچھ اور
غالبؔ شکنی کہاں، کہاں خود شکنی!
(۱۹۵۰ء)

بیداریِ موہوم کا پردہ نہ ہٹا
کہنے کے لیے وقت بہت خوب کٹا
کیا کہیے کل سے آج تک کیا گزری
پانی کتنا بہا ہے، پُل کتنا گھٹا
(۱۹۳۸ء)

فارسی رباعیات

ازگناہم مپرس

یاد آمدہ آں چناں گناہے کہ مپرس
دارم ز دلِ خویش گواہے کہ مپرس
تا سنگ بر آیئنۂ امید زدم
دز دیدہ ام بہ سینہ آہے کہ مپرس

ازدستِ یگانہ

کاریست کہ از دستِ یگانہ شدنی ست
ایں مرد کہ یکتائے زمانہ شدنی ست
برباد دہد دفترِ پارینہ را
غالب پسِ امروز فسانہ شدنی ست

(۱۹۳۳)

کتابیات واشاریہ

(واقعات کے اندراج کے دوران جن حوالوں وسندوں کو بروئے کار لایا گیا ہے وہ تمام واقعہ سے متصل درج کیے جاچکے ہیں نیز یگانہ کے خطوط کی حصولی جن ذرائع سے سرانجام پائی وہ 'ماخذ' کے تحت تحریر کیے گئے ہیں۔ پھر کتابیات کے اندراج کا کوئی جواز نہیں بنتا ہے۔ مکتوبات کے مکمل حواشی میں نے اپنے طویل مقالے ''یگانہ چنگیزی۔ تحقیق وتجزیہ'' کی مدد سے لکھے ہیں، اور مقالے کی تیاری میں پیشِ نظر کتب ورسائل کی فہرست خاصی طویل ہے، ایک اندازے کے مطابق پچیس صفحے درکار ہوں گے۔ بہ ایں ہمہ کتابیات واشاریہ اضافی خیال کیا گیا۔ مصنف)

ابوالمعانی میرزا یاس یگانہ چنگیزی کے حیات وفن پر

وسیم فرحت کارنجوی علیگ کی تحقیق

یگانہ چنگیزی۔ تحقیق و تجزیہ

اس طویل مقالے میں یگانہ کے حیات وفن کا کوئی گوشہ باقی نہ رکھا گیا ہے

سات ابواب پر مشتمل

ایک ضخیم، بسیط و دستاویزی کتاب

جلد منظرِ عام پر (تقریباً ۶۰۰ صفحاتی)

بیسویں صدی کے سب سے زیادہ چونکا دینے والے فنکار یگانہ چنگیزی

کے کم یاب و نہایت اہم مضامین کا مجموعہ

۱۹۱۶ تا ۱۹۵۵ کے درمیان ہند و پاک کے مختلف رسائل میں شائع

یگانہ کے روایت شکن علمی، تحقیقی و تنقیدی مضامین

ایسے معرکہ آراء مضامین کہ جن کی بدولت یاس عظیم آبادی، یگانہ چنگیزی ہوئے

یگانہ کی قلم کا سر چڑھ کر بولتا جادو، مضامین کی صورت میں آتش پارے

مرتب کی ان تھک محنت کا ثمرہ، بے حد قیمتی اور معلوماتی طویل حواشی

ریسرچ اسکالر، پروفیسر اور عام قاری کے لیے نایاب تحفہ

اردو ادب میں پہلی مرتبہ مع طویل مقدمہ ء مرتب

عالمی اردو ادب کے نشاۃ الثانیہ کی یاد دلاتی ضخیم کتاب

یگانہ شناسی

مرتب، محقق، تحشیہ نگار

وسیم فرحت کارنجوی (علیگ)

ایک منفرد و تاریخی کتاب

طباعت کے آخری مراحل میں

یگانہ چنگیزی کے فن و شخصیت پر

مشاہیر ادب کے قیمتی مضامین کا مجموعہ

زبردست تنقیدی مضامین کا انتخاب کہ جن سے بشمول یگانہ

ادب کے کئی نئے باب وا ہوتے ہیں

یگانہ آرٹ

مرتب

وسیم فرحت کارنجوی (علیگ)

مضمون نگاران: استاد جوش ملسیانی، نیاز فتح پوری، صبا اکبر آبادی، مجنوں گورکھپوری، کلیم الدین احمد، آل احمد سرور، ضیا فتح آبادی، سلیمان ندوی، میکش اکبر آبادی، فراق گورکھپوری، مالک رام، مجتبیٰ حسین، اعجاز صدیقی، باقر مہدی، راہی معصوم رضا، جعفر حسین، حنیف کیفی، نریش کمار شاد، نخشب جارچوی، نورالحسن، رضا انصاری، حامد حسن قادری، شعلہ، معین زلفی، شمیم حنفی، ڈاکٹر نیر مسعود، انیس اشفاق، بلند اقبال و دیگر قلم کار۔۔

جلد منظرِ عام پر

رابطہ

مدیر، سہ ماہی ''اردو''

پوسٹ باکس نمبر ۵۵، ہیڈ پوسٹ آفس

امراوتی، ۴۴۴۶۰۱ (مہاراشٹر) انڈیا

گزشتہ نصف صدی میں اپنے موضوع کی واحد کتاب

وسیم فرحتؔ کارنجوی (علیگ) کی معرکہ آرا تصنیف

سرقہ توارد

سیکڑوں اشعار پر مشتمل

فارسی، عربی، انگریزی، ہندی نیز سنسکرت شاعری وادب سے اردو شاعری

میں کیے گئے استفادے، توارد، ادبی چوریوں کی ہزارہا مثالیں

قرانی آیات، احادیث، شلوک، ابھنگ وغیرہ کے مضامین

اردو شاعری میں نظم شدہ اشعار کا مجموعہ

سرقہ توارد عمومی جائزہ، میریات، غالبیات، میر و غالب، اقبالیات،

فارسی سے استفادہ شدہ اردو شاعری، قدیم شعراء، جدید شعراء

سے معنون آٹھ ابواب سے لبریز۔ برسوں کی تحقیق کا ثمرہ

تقریباً نصف ہزار صفحات پر محیط۔ جلد منظرِ عام پر

سوانح مولانا رُوم
علامہ شبلی نعمانی

Shams And Rumi
شمس و رُومی
انتخاب دیوان شمس تبریز
از: ڈاکٹر رینالڈ اے نکلسن

حکمتِ رُومی

تشبیہاتِ رُومی

''یگانہ چنگیزی کے تئیں آپ کی عقیدت قابلِ تعریف ہے۔ والدِ گرامی مرحوم کے یگانہ سے قریبی تعلقات رہے۔ان کے کچھ خطوط عرصے تک میں نے سنبھال کر رکھے۔خدا آپ کے قلم میں خوب توانائی دے۔''

پروفیسر جگن ناتھ آزاد

''میں بہت کم کتابیں پوری پڑھ پاتا ہوں،لیکن یقین جانئے کہ''یگانہ چنگیزی'' شروع سے آخر تک پڑھی۔ واقعی یہ ایک اچھی کتاب ہے۔آپ نے کڑی محنت سے کام انجام دیا ہے۔''

شمس الرحمٰن فاروقی

''یاسؔ سے یگانہؔ اور یگانہؔ سے چنگیزی بننے کا ادبی سفر خود یگانہؔ کی ادبی زندگی کا ہی نہیں اردو ادب کی تاریخ کا بھی اہم واقعہ ہے۔یگانہؔ کی شعری شناخت ان کے عہد میں ممکن نہیں تھی۔اس کو نئے دور کا انتظار تھا جواب پورا ہو چکا ہے۔''

ندؔا فاضلی

''وسیم فرحتؔ کارنجوی نے خود کو یگانہؔ کے لیے وقف کر کے یہ تحریک دی کہ کسی ایک ادیب کے ادب پہ کام کرتے ہوئے پوری زندگی گزاری جاسکتی ہے۔یگانہ ایسے ہی ایک شاعر تھے۔''

زبیؔر رضوی

''وسیم فرحتؔ کارنجوی بھارت کے سخت نقاد اور سخت جان محقق ہیں ۔ سہ ماہی 'اردو' کے مدیر ہیں۔ انھوں نے بڑی جاں فشانی سے اس کتاب کو مرتب کر کے دُنیائے ادب کو خوش گوار حیرت میں ڈال دیا ہے۔وسیم کی یہ کتاب ''ہاٹ کیک'' کی طرح مشہور ہوئی ہے۔''

سیّد معراج جامی

facebook
book corner showroom
website
www.bookcorner.com.pk
email
bookcornershowroom@gmail.com

ISBN: 978-969-662-012-9
Rs. 800.00